مولانا سید طاہر حسین گیاوی (انڈیا) کی کتاب

شہیدِ کربلا اور کردارِ یزید

کا علمی و تحقیقی جائزہ





تالیف
حافظ عبید اللہ
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اعداد و تعارف
محمد فہد حارث

حارث پبلیکیشنز

”شہیدِ کربلا اور کردارِ یزید“

کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف:

حافظ عبید اللہ

اعداد و تعارف:

محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

حارث پبلی کیشنز

”شہیدِ کربلا اور کردارِ یزید“
کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف: .... حافظ عبید اللہ

اعداد و تعارف: .... محمد فہد حارث

اشاعت اوّل: .... جنوری 2020

تعداد کتاب: 500

کمپوزنگ: .... مسز محمد عمران

قیمت: .... -/1100

پبلشر:
حارث پبلی کیشنز



شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

فہرست

انتساب

میں اپنی ان طالب علمانہ معروضات کا انتساب، نہ صرف برصغیر پاک وہند، بلکہ عالم اسلام کے علمی افق پر چمکتے دمکتے دو علمی ستاروں کے نام کرنا چاہوں گا۔

ان میں سے پہلی شخصیت، مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب نوّر اللہ مرقدہ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۸۳ء) کی ہے، جو برصغیر کے علمی مرکز جسے ''ازہر الہند'' بھی کہا جاتا ہے یعنی دار العلوم دیوبند کی مسند اہتمام پر تقریباً نصف صدی تک جلوہ افروز رہے اور جنہیں دنیا حکیم الاسلام کے نام سے جانتی ہے، میرے لیے یہ بات باعث صد اعزاز ہے کہ زمانہ طالب علمی کے اولین دور میں اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد میں قاری صاحب رحمہ اللہ کی زیارت سے مستفید ہوا تھا، وہ منظر آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے، اور قاری صاحب کا وہاں کیا گیا بیان جو میرے والد محترم نے ریکارڈ کیا تھا آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

دوسری شخصیت انہی قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ کے ہم عصر، محدث کبیر وفقیہ جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۹۲ء) نوّر اللہ مرقدہ کی ہے، جنہیں اگر اپنے زمانہ کا محدث اعظم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، فن حدیث کے علاوہ آپ فقہ و فتاویٰ کے بھی امام تھے، آپ کا تعلق اگرچہ ہندوستان کے ایک دور افتادہ قصبے مئو ناتھ بھنجن، ضلع مئو، ریاست اتر پردیش سے تھا لیکن آپ کے علمی جاہ کا ڈنکا پورے عالم

اسلام میں بجتا تھا، آپ کو علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ العلامة الأوحد والنحرير المفرد" لکھا کرتے تھے، جنہیں شیخ الازہر، امام اکبر شیخ عبد الحلیم محمود رحمہ اللہ نے "أكبر علماء العالم الاسلامي" (عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم) کا خطاب دیا تھا، آپ کی زیارت کے لیے علامۃ الشام شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تین تین بار مئو جیسے دور افتادہ قصبہ میں تشریف لائے، جن کی خدمت میں مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ جیسے مشاہیر زمانہ نیاز مندوں کی طرح پیش آتے تھے، جن سے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ جیسے نابغہ روزگار، بڑے ہونے کے باوجود، علمی مسائل میں صرف استفادہ ہی نہیں بلکہ اپنی کتابوں پر نظر ثانی کی گذارش کرتے تھے، آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین بھی تھے۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ علم وعمل کے ان دونوں شاہکاروں کی قبروں کو منور فرمائیں۔

تغمدهما الله بغفرانه وأسكنهما فسيح جناته

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

تعارف

زیرِ نظر کتاب جو کہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے ہندوستان کے ایک عالم محترم سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب ''شہید کربلا اور کردارِ یزید'' کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب کا پورا نام ''شہید کربلا اور کردار یزید''۔ محدث اعظمیؒ کی کتاب ''تبصرہ برشہید کربلا اور یزید کا علمی محاسبہ'' ہے۔ جیسا کہ گیاوی صاحب کی کتاب کے عنوان سے ہی واضح ہے کہ ان کی کتاب محدثِ احناف ابوالمآثر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کی کتاب کے ناقدانہ جائزہ پر مبنی ہے۔ گویا حافظ عبیداللہ حفظہ اللہ کی جو کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کے جواب کا جواب الجواب ہے۔ اس مناسبت سے ہم بہتر خیال کرتے ہیں کہ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب پر ایک مفصل تبصرہ ہدیۂ قارئین کردیا جائے تاکہ زیرِ نظر کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے قاری کا ذہن ہر ناحیہ پر غور کر سکے۔

علامہ الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر میں لکھی گئی علامہ محمود احمد عباسی کی مشہورِ زمانہ کتاب ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رحمہ اللہ'' کی اشاعت کے ساتھ ہی علمی حلقوں میں ایک بے چینی کی صورت نمودار ہوگئی۔ کچھ احباب نے اس کتاب کی تائید میں تبصرے لکھے تو کچھ لوگ اس کتاب کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آئے۔ اہل دیوبند میں بھی مخالفت وموافقت کا

سلسلہ نظر آیا۔ عباسی صاحب کا رد لکھنے میں اہل دیو بند میں سے جن حضرات نے مستعدی دکھائی ان میں علامہ عبد الرشید نعمانی، قاری محمد طیب اور قاضی اطہر مبارکپوری پیش پیش تھے۔ قاری محمد طیب صاحب نے ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رحمہ اللہ'' کی اشاعت کے فوراً بعد سنہ ۱۹۶۰ء میں ''شہید کربلا اور یزید'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چونکہ یہ کتاب علامہ عباسی کی کتاب کے رد میں لکھی گئی تھی اور عباسی صاحب کی کتاب میں یزید کو امیر المومنین بنا کر پیش کیا گیا تھا سو ردعمل کے تحت قاری طیب صاحب نے یزید کو ''مذل المومنین'' ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا اور اپنی تحقیق کو مسلک دیو بند کی نمائندہ تحقیق و نظریہ قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اہل دیو بند میں سے ہی بہت سے محتاط اور انصاف پسند اہل علم و تحقیق کو اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف پیدا ہوا جن میں سے ایک نام علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا ہے۔

علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کا اصل مقدمہ اور کتاب پر نقد دراصل قاری طیب صاحب کے اس دعویٰ کے گرد گھومتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں پیش کردہ واقعہ کربلا کی تفاصیل اور فسق یزید کے نظریئے کو عقیدہ کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے اور یہ باور کروایا ہے کہ اس کے خلاف جو بھی بات کہے یا نظریہ رکھے تو وہ اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے، گویا یزید کو فاسق و فاجر نہ کہنے والا یا واقعہ کربلا کو معرکہ حق و باطل ماننے کے بجائے ایک حادثہ فاجعہ جاننے والا شخص اہلسنت سے خارج ہے۔

علامہ الاعظمی اس بابت قاری محمد طیب صاحب سے سخت اختلاف کرتے ہوئے ان کی کتاب پر نقد آراء ہوتے ہیں۔ کتاب کا آغاز وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے لفظ ''خروج اور طلبِ امارت'' کے الفاظ کے استعمال کی بحث سے کرتے ہیں جس کو قاری

محمد طیب صاحب نے اہلسنت کی مخالفت سے تعبیر کیا ہے جبکہ الاعظمی صاحب نے متعدد حوالہ جات دیکر یہ ثابت کیا ہے کہ خود کئی صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم نے ان الفاظ کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال فرمایا ہے حتیٰ کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو ان الفاظ کے ساتھ پورا ایک عنوان قائم کیا ہے کہ

"قصة الحسين بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و سبب خروجه باهله من مكة الی العراق فی طلب الامارة و كيفية مقتلة رضی اللہ عنہ"۔①

تو کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر امام ابن کثیر رحمہ اللہ تک سب اہلسنت سے معاذ اللہ خارج ہیں کہ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے خروج اور طلب امارت کے الفاظ استعمال فرمائے جن کو کہ قاری صاحب اہلسنت کے عقائد و نظریات سے انحراف قرار دے رہے ہیں۔

اس کے بعد خلافت کے ذیل میں علامہ الاعظمی صاحب "بارہ خلفاء کے ظہور تک دین کے قیام کی پیشین گوئی" سے متعلق عنوان قائم کر کے بہت عمدہ مبحث تشکیل دیتے ہیں اور بدلائل یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے تحت جمہور محدثین کے نزدیک یزید بن معاویہ ان بارہ خلفاء میں شامل ہے جس کے دور میں اسلام کے مامون رہنے کی پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

آگے جا کر علامہ الاعظمی "غلمۃ من قریش کا مصداق کون لوگ ہیں؟" کے عنوان سے مبحث قائم کرتے ہوئے قاری صاحب کی اس بات کا رد کرتے ہیں کہ وہ اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیتے ہوئے کس طور سے اس نظریئے کو

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۹۔

اہلسنت کے عقائد میں داخل بتاتے ہیں جبکہ اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں ایسا کچھ مذکور نہیں اور جب ایک عقیدہ ائمہ اربعہ اور سلف کی تشریحات سے ثابت ہی نہیں تو ۱۴۰۰ سالوں کے بعد اس کو اہلسنت کے عقائد میں شامل کرنا چہ معنی دارد۔

اسی طرح سے علامہ الاعظمی ''سنہ ۶۰ ہجری اور امارۃ صبیان'' کی سرخی قائم کر کے مفصل بحث کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ غلمۃ من قریش اور امارۃ صبیان والی روایات کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور ان دونوں روایات کو یزید کے ساتھ جزم سے جوڑنا عقلی و نقلی دونوں طور سے سخت غیر درست تحقیق ہے اور تصریح فرماتے ہوئے قاری طیب صاحب کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ

جب یزید کے عہد حکومت کے تمام امراء و عمال وہی تھے، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے اور انہیں امراء و عمال کو قاری صاحب یزید کی صبیانی پارٹی فرماتے ہیں تو اللہ سے ڈریئے کہ نادانستگی میں ہی سہی لیکن قاری طیب صاحب اس صبیانی پارٹی کے قائم کرنے کا الزام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگا رہے ہیں، حالانکہ خود قاری صاحب کے بموجب صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقدس و احترام کے پیش نظر کسی مسلمان کو اس کا تصور بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس بابت علامہ الاعظمی نے بہت مفصل اور شافی کلام کیا ہے جو کہ قارئین کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد کے صفحات میں علامہ الاعظمی ''فسق یزید کی بحث'' کا مبحث قائم کر کے قطعیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ثابت نہیں اور نہ ہی کسی صحیح روایت سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یزید کے خلاف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خروج اس کے فسق کے سبب تھا۔ اور ساتھ ہی تفصیل سے ان

تمام تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال سے شروع ہو کر یزید کی بیعت سے لے کر واقعہ کربلا اور قتل حسین رضی اللہ عنہ پر منتج ہوتے ہیں۔ علامہ الاعظمی یزید کے فسق کے غیر ثابت شدہ نظریئے کا ابطال کرتے ہوئے اپنی بحث کو ان جملوں کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ

''اگر یزید فاسق ہوتا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے فسق و فجور کو مٹانے کے لئے نکلے ہوتے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو واپس کروا دیتے؟ یا خود لوٹنے کا ارادہ کر سکتے تھے؟ یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر سکتے تھے؟ یا یہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے یزید کے پاس روانہ کر دو...... اس وقت تک یزید کے فسق کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، نہ اس کی شہادت ملتی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کے فسق کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لئے نکلے تھے، بلکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یزید سے افضل اور اس سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ...... اس لئے آپ اپنے مقابل میں اس کو حقدار خلافت نہیں سمجھتے تھے اور اس کے بجائے اس بات کو ملت کے لئے بہتر سمجھتے تھے کہ خود اپنی امارت قائم کریں۔''

اس کے بعد علامہ الاعظمی بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں یزید کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور مختلف روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر سن کو یزید سخت افسردہ ہوا اور عبیداللہ بن زیاد کو سخت سست سنائی۔ ساتھ ہی اس وجہ کو بھی پوری شرح و بسط سے بیان فرما دیا کہ یزید نے قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کو معزول کیوں نہیں کیا

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ گویا ہمارے وہ بھائی جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ کی پالیسی کے تقابل کو ''بدترین عمل'' قرار دیتے ہیں، ان کی یہ چوٹ محدث احناف علامہ الاعظمی صاحب جیسے جلیل القدر عالم پر بھی پڑتی ہے۔ الغرض قتل حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کی برات اور قصاص حسین رضی اللہ عنہ نہ لینے کے موضوع پر الاعظمی صاحب نے اتنا عمدہ مبحث قائم کیا ہے کہ اپنے قارئین پر ایک طرح کی حجت تمام کردی ہے۔

اس کے بعد اس رسالے کی سب سے عالمانہ بحث آتی ہے اور وہ قاری محمد طیب صاحب کی اس بات کا رد ہے جہاں قاری صاحب یزید کے فسق اور اس کی بداعمالیوں کی شہرت کو تواتر سے ثابت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موقع پر علامہ الاعظمی نے اتنا عمدہ مبحث قائم کیا ہے اور اتنی عالمانہ بحث کی ہے کہ حقیقت میں اس مقام کو علامہ الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا سب سے بہترین مبحث قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ مبحث قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ ساتھ ان تمام لوگوں کے تواتر کے اس دعویٰ کے تار بود اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے جو صرف اس لئے فسقِ یزید کے قائل ہیں کہ امت کا جمہور اس نظریئے کا قائل رہا ہے۔ آگے جاکر علامہ الاعظمی نے ''لعن یزید کا حکم'' کا عنوان قائم کرکے مختلف علماء کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اس امت کے جلیل القدر علماء یزید پر لعنت کے جواز کے قائل نہیں تھے اور اس بات کو اسلامی اصولوں کے خلاف سمجھتے رہے ہیں اور قاری طیب صاحب نے اپنی کتاب میں لعن یزید سے متعلق جو حوالہ جات دیئے ہیں تو ایسا کرتے ہوئے قاری طیب صاحب نے اپنے منصب سے بہت نیچے اتر کر لکھا ہے، اور علم وتحقیق کے علاوہ انصاف و دیانت کے بھی خلاف انہوں

نے عجیب باتیں لکھی ہیں۔ اور پھر علامہ الاعظمی صاحب نے مختلف مثالیں دے کر قاری محمد طیب صاحب کی حوالہ جات کی قطع و برید کو قارئین کے سامنے رکھا ہے۔

اپنی کتاب میں قاری محمد طیب صاحب نے ایک حیرت انگیز اصول دیا تھا جس کو آج کل کے بھی کئی حضرات بلا کسی سوچ و بچار کے دہراتے ہیں کہ ابومخنف کی روایتوں کو رد کرنا ناصبیت ہے۔ علامہ الاعظمی قاری محمد طیب صاحب کے اس دعویٰ پر سخت شکوہ کناں ہوتے ہیں اور مختلف حوالہ جات سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین جیسے ابن کثیر و ذہبی نے بھی ابومخنف کی بعض روایات کو رد کیا ہے تو کیا وہ ایسا کرنے سے ناصبی ہو گئے۔ اس کے آگے ہی دو مبحث ''دندان شہید کربلا کے ساتھ گستاخی کس نے کی؟'' اور'' سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں'' قائم کر کے پہلے کی نسبت یزید کی طرف کرنے کو غلط ثابت کرتے ہیں اور دوسرے کی بابت بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر شام نہیں لے جایا گیا اور اس سے متعلق بھی تاریخی حقائق مہیا کرنے میں قاری طیب صاحب نے سخت ناانصافی سے کام لیا ہے۔

قاری محمد طیب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ یزید کے فسق پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق تھا جس پر نقد کرتے ہوئے علامہ الاعظمی صاحب نے صاف لکھا کہ مہتمم صاحب کی پوری کتاب پڑھ جایئے، یزید کے فسق پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کا ایک ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا ہے اور پیش کر بھی کیسے کر سکتے تھے جبکہ دو کے علاوہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور عقلاً و نقلاً کسی طرح یہ درست نہیں ہے کہ دو کے سوا سب صحابہ رضی اللہ عنہم ایک فاسق کی بیعت پر راضی ہو جائیں۔ بعینہٖ اسی طرح علامہ الاعظمی صاحب نے قاری محمد طیب صاحب کے اس دعویٰ کا ابطال

بھی واضح کیا ہے جہاں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یزید کے فسق پر سلف کا اتفاق تھا۔ اسی طرح ''یزید پر دعائے رحمت کا جواز'' سے متعلق صفحات بھی پڑھنے لائق ہیں۔

کتاب کا آخری مبحث ''غزوہ قسطنطنیہ کی بشارت اور یزید'' کے عنوان سے ہے جو کہ تقریباً ۱۵ سے زیادہ صفحات پر محیط ہے میں تفصیل سے علامہ الاعظمی قاری محمد طیب صاحب کے ہر اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جس کے تحت قاری طیب صاحب، یزید کو اس بشارت سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ علامہ الاعظمی محدث بھی تھے اور فقیہہ بھی سو انہوں نے اپنی اس بحث کو محدثانہ اور فقیہانہ دونوں طرق سے سجایا ہے اور دلائل کے انبار لگا کر ثابت کر دیا ہے کہ کسی طور سے یزید کو جنت کی اس بشارت سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس بشارت کے تحت ہی تھا کہ یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شامل نہ ہو سکا اور نہ ہی اس سے فسق و فجور کا ارتکاب بن سکا کیونکہ اس بشارت کی برکت سے اللہ نے اس سے ان قبیح اعمال کی توفیق اٹھالی تھی۔

آخر میں ''خلاصہ بحث'' کے عنوان سے علامہ الاعظمی پانچ نکات کی صورت میں اپنی کتاب کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ

(۱) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے۔

(۲) اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا۔

(۳) یزید کافر و مرتد یا فاسق نہیں تھا۔

(۴) یزید نہ تو ائمہ علم میں سے تھا نہ ائمہ تقویٰ میں سے تھا بلکہ وہ مسلمانوں کا ایک عام خلیفہ تھا۔

(۵) عقیدہ فسق یزید کا سُنیت سے کوئی تعلق نہیں، نہ نفیاً نہ اثباتاً۔

المختصر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کی کتاب قاری محمد طیب صاحب جیسی جلیل القدر شخصیت کی کتاب پر نہ صرف ایک جامع نقد ہے بلکہ اپنے اسلوب تنقید میں ایک انتہائی سلجھی ہوئی تحریر بھی ہے جو کہ فسق یزید اور واقعہ کربلا سے متعلق ایک غیر جانبدار لیکن صائب تجزیہ فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ قاری محمد طیب صاحب کا جو علمی مقام اہل دیوبند میں ہے، اس کے لئے بہتر تھا کہ انہیں کے مقام و مرتبہ کا کوئی شخص قاری صاحب کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے تسامحات کا جواب لکھے اور علامہ الاعظمی صاحب کے اس رسالے نے یہ حق کما حقہ ادا کر دیا۔ واقعہ کربلا اور اس کے مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تاریخ کے ہر طالبعلم کو اس کتاب کا مطالعہ لازمی کرنا چاہیے۔

کتاب کے آخر میں علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رحمہ اللہ'' کے نقد میں لکھی گئی ایک اور کتاب پر بھی تبصرہ ہے جو کہ قاضی اطہر مبارکپوری کے قلم سے بنام ''علی و حسین'' کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ علامہ الاعظمی کا اس کتاب پر تبصرہ بہت مختصر لیکن کافی سخت ہے کیونکہ بقول علامہ الاعظمی کہ جن بدعنوانیوں کی شکایات قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی اس کتاب میں علامہ عباسی کی جناب میں کی ہیں وہی ساری بدعنوانیاں ان کی اپنی کتاب ''علی و حسین'' میں بھی موجود ہیں یعنی عبارتوں کی قطع و برید، غلط ترجمے، سیاق و سباق سے کاٹ کر مفید مطلب ٹکڑوں کو نقل کرنا اور اپنے لئے مضر ٹکڑوں کو حذف کرنا وغیرہ جن کے سامنے آنے کے بعد قاضی صاحب کی پوری کتاب خود ان کے فیصلہ کی رو سے ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں جیسا کہ قاضی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں عباسی صاحب کی کتاب کا رد کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

''جس شخص کی اس قدر خیانتیں اجاگر ہو چکی ہوں، اس کی ایک بات بھی

مانے کے قابل نہیں رہ سکتی، جبکہ ایک کتاب میں دو چار جگہ اس طرح کی خیانت سے پوری کتاب مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک سطر بھی قابل اعتماد نہیں رہتی''۔①

اور اس کے بعد علامہ الاعظمی نے قاضی اطہر مبارکپوری کے کئے ہوئے غلط تراجم، قطع و برید اور کتمان کو دلائل کے ساتھ مبرہن کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں خود قاضی صاحب اعتدال سے کوسوں دور جا پہنچے۔

المختصر یہ تھا علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا مفصل تعارف جس کے اوپر سید طاہر حسین گیاوی صاحب نقد آراء ہوئے اور یوں ان کی کتاب ''شہید کربلا اور کردارِ یزید'' معرضِ وجود میں آئی۔ جس کسی نے علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کی کتاب پڑھ رکھی ہوگی وہ اس حقیقت سے آشنا ہوگا کہ الاعظمی صاحب کی کتاب کا اسلوب نہ صرف عالمانہ و محققانہ ہے بلکہ اپنے اندر نہایت متانت و سنجیدگی بھی رکھتا ہے اور قاری محمد طیب صاحب جیسے جلیل القدر عالم کی کتاب پر نقد آراء ہونے کے لئے جو معیاری اسلوب درکار ہوسکتا تھا، علامہ الاعظمی صاحب کی کتاب اس اسلوب کی شہادت دیتی نظر آتی ہے۔

علامہ الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کی اشاعت کے بعد عرصہ دراز تک کتاب پر کسی جانب سے کوئی نقد یا تبصرہ نہیں آیا یہاں تک کہ سنہ ۲۰۱۸ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ہندوستان سے ۱۵۲ صفحات پر مشتمل مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب بنام **''شہید کربلا اور کردارِ یزید''۔ محدث اعظمی کی کتاب ''تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید'' کا علمی محاسبہ** شائع کی گئی۔ کتاب کا نام سنتے ہی مطالعہ کا شوق ہوا، کتاب اٹھائی اور

① علی وحسین صفحہ ۷

جیسے جیسے ورق گردانی کرتے گئے، شوق کا جوش ہوا ہوتا گیا۔ امید تو تھی کہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ کی کتاب پر نقد اِن کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا ہوگا، جس میں ان سے علمی اختلاف کرنے کے باوجود ان کا احترام اور اسلوبِ بیان کی سنجیدگی کا خاص خیال پڑھنے کو ملے گا۔ لیکن افسوس کہ نہ ہر کوئی قاری محمد طیب ہوتا ہے اور نہ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی۔ لوگ شخصیات پر نقد اپنے ظرف کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب میں علمیت تو سرے سے موجود ہی نہ تھی، البتہ سنجیدگی و متانت سے بھی یہ کتاب عاری ہی نظر آئی جس میں محدثِ احناف علامہ الاعظمی رحمۃ اللہ کا ذکر کچھ اس طور سے کیا گیا ہے جیسے گلی محلّے کی مسجد کے کسی عام مولوی کا تذکرہ ہو۔

گیاوی صاحب کی کتاب کے مندرجات تو دور کی بات صرف فہرست ہی دیکھ لی جائے تو معلوم چل جائے گا کہ اکابر اکابر کی رٹ لگانے والے اختلاف ہوجانے کی صورت میں سارا شرم ولحاظ اور مروت بالائے طاق رکھ کر خود اپنے اکابر کی کیسی مٹی پلید کرنے پر تُل جاتے ہیں۔ جب کہ اگر آپ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب کی کتاب کا مطالعہ کریں تو آپ کو ادراک ہوتا ہے کہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک نہ صرف اپنے اندر علمیت و سنجیدگی رکھتی ہے بلکہ پوری کتاب میں کوئی ایک سطر ایسی نہیں نظر آتی جس میں قاری محمد طیب صاحب کی تنقیص یا ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کئے بنا ان کے افکار پر نقد ہو جب کہ علامہ الاعظمی، قاری طیب صاحب کے ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے، اور یہی ایک عالم خاصہ ہوتا ہے۔

دراصل جیسے یزید پر دشنام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گریبان تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ویسے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ اجمعین کی ذات پر

کلام کرنے کا راستہ مہیا کرتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں تینوں خلفاء کا انتخاب تھے۔ یہ روافض کی پرانی چال تھی، افسوس کہ اب اہلسنت بھی اس سے متاثر ہونے لگے ہیں۔ اسحٰق جھالوی، انجینئر محمد علی مرزا اور سلمان الحسینی ندوی اس کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں جنھوں نے اہلحدیث اور دیوبندیوں میں ایک کثیر تعداد میں بڑی کامیابی سے رفض کے جراثیم منتقل کر دیئے ہیں اور یہ سب شروع ہوا تھا یزید پلید اور ملوکیت کے نعرے کی آڑ میں۔ حُبِّ اہل بیت کو جیسا کیش رافضی الفکر اہلسنت نے کیا ہے، اتنا تو شاید خود روافض بھی نہ کر سکے ہوں گے۔

یزید کا معاملہ صرف یزید تک رک جاتا تو کوئی بات بھی تھی، لیکن یہ معاملہ یزید سے ہوتا ہوا سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر کریز اموی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی تنقیص و تنقید تک پہنچ جاتا ہے جو کہ لامحالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو تر کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کُرتے کو سامنے سے چاک کرنے کی جسارت کر بیٹھتا ہے۔ کسی کو یقین نہ آئے تو وہ ذرا سید مودودی کی ''خلافت و ملوکیت''، عبدالمنان راسخ صاحب کی ''شان حسن و حسین رضی اللہ عنہما'' اور جلال الدین سیوطی کی ''تاریخ الخلفاء'' کی ورق گردانی کر جائے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دشنام و تنقید کے اس سیلاب کو یزید پر ہی روک دینا چاہیے۔

پر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گیاوی صاحب کی کتاب میں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے جہاں وہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مجروح کرتے محسوس ہوتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی شراب نوشی اور بری عادات کا علم تھا اور انہوں نے اس کو یہ سب کھلے عام کرنے کے بجائے رات کے اندھیرے میں کرنے کی

ترغیب دی، اورانہوں نے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لیے طاقت اور مال دونوں کا استعمال کیا وغیرہ وغیرہ۔ گویا یزید کو پلید ثابت کرنے کے چکر میں گیاوی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بے کردار و بے ضمیر اور رشوت دینے والا ثابت کرنے پر تل گئے۔ پھر بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک ہی نہیں رکی بلکہ واقعۂ حرّہ کی تفصیلات میں تو گیاوی صاحب نے صحابہ و کبار تابعین پر مشتمل یزید کی شامی افواج کو بدکردار اور جنسی درندگی کا مرتکب تک قرار دے دیا اوران پر مدینے کی ہزار خواتین کی عصمت دری کا الزام تک دھر دیا جن میں گیاوی صاحب کے خیال میں کئی صحابیات بھی شامل تھیں۔ پھراس الزام میں گیاوی صاحب اکیلے نہیں بلکہ موجودہ دور کے بہت سے مفکرین واقعہ حرہ سے متعلق یہ الزام دہراتے نظر آتے ہیں۔

یہ سارے حضرات بغضِ بنوامیہ میں ہراس غیر ثابت روایت کی تشہیر کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں جس سے بنوامیہ کا بالعموم اور یزید کا بالخصوص دامن داغدار ہوتا ہو۔ یہ تمام حضرات اس غم میں ہلکان ہوئے جارہے ہیں کہ واقعہ حرہ کے موقع پر شامی فوجوں نے مدینہ میں ایک ہزار عورتوں کی نہ صرف عصمت دری کی بلکہ ان ایک ہزار عورتوں سے کئی ہزار بچے بھی متولد کروالئے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ہزار عورتوں کی عصمت دری کی ان غیر ثابت روایتوں میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس کو صحیح تو دور کی بات حسن لغیرہ بھی کہا جاسکے، کیا کبھی ان حضرات نے خود سے اس واقعہ کے مندرجات کی تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ **قرون مشھود لھا بالخیر** میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے فوجی جرائم میں ملوث قرار دینے والی اس کہانی کی اسنادی حیثیت کیا ہے، یہ ہم تک کس ذرائع سے پہنچی ہے اوراس کی صداقت کا اثبات تو

کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے؟

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے ایک قلیل گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جا سکتا ہے تو چلئے اہل مدینہ کے باغیوں کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی، مگر یہ کوئی نئی جنگ تو نہ تھی جس کو خیر القرون کے مسلمانوں نے پہلی دفعہ لڑا ہو۔ اس سے آگے پیچھے مسلمانوں نے کئی جنگیں لڑیں، کفار کے خلاف ان کے دیار و امصار میں جا کر جہاد تک کیا لیکن ایسی قتل و غارت گری اور شہر کو مباح کرنے کی داستانیں، جیسے کہ واقعہ حرہ کے سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں، کبھی کفار کے خلاف جنگوں میں نہ سنائی دی گئیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، لیکن مفتوح قوموں کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر تک نہ دیکھا، نہ ان کے شہروں کو مباح الدم قرار دیا، وہاں فاتحانہ داخل ہونے کے باوجود لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی اجازت بھی کسی کو حاصل نہ ہوسکی اور نہ ہی کسی کے ضمیر نے ایسا کرنا گوارا کیا تو پھر یہ کیسے قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی سرکردگی میں مستخلفین کے خلاف تادیبی کاروائی کرنے والے مسلمان مجاہدین اچانک ایسے بے حیا، بدکار اور سفاک ہو گئے کہ دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لوٹ کھسوٹ، قتل عام اور بقول بعض پاک بیبیوں کی عصمتوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیں۔ حد ہوتی ہے ناسمجھی اور تعصب کی بھی۔ اللہ دروغ بافوں کو سمجھے، بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنو امیہ کو ذلیل و رسوا کرنے کی خاطر گھڑی اور اس بات کا خیال بھی نہ کیا کہ بنو امیہ و یزید کو ظالم ثابت کرنے کے چکر میں اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔

افسوس تو سید طاہر حسین گیاوی صاحب اور ان جیسے لوگوں پر ہے جو بعض علماء کے ان علمی تسامح کو اپنے استدلال کے لئے لے کر آتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ مدینہ پر لشکر کشی کرنے والی فوج میں بیشتر حضرات صحبت رسول ﷺ سے متصف تھے اور باقی کی اکثریت جلیل القدر تابعین پر مشتمل تھی۔ بقول مورخ المسعودی **فبعث الیھم یزید مسلم بن عقبہ المری فی اربعۃ الاف** ① یعنی یزید نے مسلم بن عقبہ المری کو چار ہزار فوج لے کر بھیجا۔ ان مسلم بن عقبہ المری کو بعض اہل علم نے صحابی بتایا ہے جبکہ ان کے زیر کمان جو دوسرے افسران ایک ایک ہزار کے دستوں کی قیادت کر رہے تھے ان میں سے سیدنا عبداللہ بن سعدۃ الفزاری رضی اللہ عنہ جو کہ مجاہدین دمشق کے کماندار تھے، کی بابت ابن حجر نے صحابیت کا امکان ظاہر کیا ہے جبکہ دوسری ہزار پر متعین کماندار سیدنا حصین بن نمیر السکونی کو ابن عساکر، ابوعلی مسکویہ، امام قرطبی وغیرہ نے صحابی اور نبی ﷺ کے خطوط کی کتابت کرنے والا بتایا ہے جس کی بابت ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ جلد اول میں حصین بن نمیر کے ترجمہ میں نشاندہی کی ہے، اسی طرح تیسری ہزار پر متعین سیدنا عبداللہ بن عصام الاشعری رضی اللہ عنہ جو کہ اہل اردن کے کماندار تھے، انکا ذکر ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ کے ذیل میں کیا ہے۔ اب جس فوج میں چار کماندار شرف صحابیت سے متصف ہوں، ان کی بابت یہ قیاس کرنا کہ انہوں نے اپنی فوج کو مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کی اجازت دے رکھی تھی جس کے تحت افواج شام نے تین دن تک مدینہ میں قتل وغارتگری کا بازار گرم رکھا تھا، شرف صحابیت سے بے اعتنائی اور سبائی پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہی ہوسکتا ہے اور افسوس کہ گیاوی صاحب کی پوری کی پوری کتاب اسی سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کا بدیہی نتیجہ ہے۔

① التنبیہ والاشراف صفحہ ۳۰۴۔

آمدِ برسرِ مطلب! سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب پڑھتے ہی ارادہ کیا کہ اس کتاب پر نقد لکھا جائے کیونکہ کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی ایک مخصوص طبقے کی طرف سے اس کتاب سے متعلق کافی شور شرابہ شروع کر دیا گیا تھا کہ محدث الاعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا شافی و کافی جواب گیاوی صاحب نے دے دیا ہے اور اس سلسلے میں علامہ الاعظمی صاحب کے سارے مغالطے رفع کر دیئے گئے ہیں۔ جب ایسے بلند بانگ دعوے سننے کو ملے تو پھر سوچا کہ گیاوی صاحب کی کتاب کی علمی حیثیت کی اچھے سے وضاحت کر دی جائے۔ لیکن ابھی یہ ارادہ دل سے نکل کر قرطاس پر منتقل نہ ہونے پایا تھا کہ حافظ عبید اللہ حفظہ اللہ کی اس متعلق سلسلہ وار تحاریر پڑھنے کو ملیں۔ تحاریر پڑھتے جاتے اور حافظ عبید اللہ کو دل سے دعائیں دیتے جاتے کہ انہوں نے گیاوی صاحب کے بودے استدلات کے تار بود تسلی و تشفی کے ساتھ اکھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ سو خود کتاب پر نقد لکھنے کا ارادہ ملتوی کیا اور حافظ عبید اللہ صاحب سے اجازت چاہی کہ وہ اس سلسلۂ تحاریر کو حارث پبلی کیشنز کی طرف سے شائع کرنے کی اجازت دیں جو کہ انہوں نے بخوشی عنایت کر دی اور سو یوں یہ وقیع نقد بصورتِ کتاب آپ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ سکا۔

حافظ عبید اللہ حفظہ اللہ مشہور حنفی عالم مولانا ابو ریحان عبد الغفور سیالکوٹی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے سن ۱۹۸۹ء میں وفاق المدارس العربیۃ پاکستان سے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ کچھ عرصے اسلام آباد کی ایک اسلامی جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر معاش کے سلسلے میں ابوظہبی متحدہ عرب امارات منتقل ہو گئے جہاں سترہ سال تک آپ بطور ہیومن

ریسورس کوآرڈینیٹر مختلف حکومتی اداروں میں کام کرتے رہے۔ آپ کی اب تک تین عدد علمی و وقیع کتب شائع ہو کر علمی حلقوں سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں جن میں ''مطالعہ قادیانیت''، ''روایات نزول عیسیٰ ابن مریم اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ'' اور ''تعارف حضرت مہدی علیہ الرضوان اور مرزا قادیانی کے دعوائے مہدیت کی حقیقت'' شامل ہیں جبکہ حارث پبلی کیشنز سے آپ کی ایک کتاب ''جدید سبائی گروہ کا علمی تعاقب'' بصورت پی ڈی ایف شائع کی جا چکی ہے۔

تاریخ آپ کا خاص میدان ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ اس سلسلے میں اب استناد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مشاجراتِ صحابہ سے متعلق نہایت نپی تلی اور محتاط گفتگو کرنے کے قائل ہیں اور اسی ضمن میں آپ کے اکثر مضامین فیس بک پر نشر ہوتے رہتے ہیں۔ حارث پبلی کیشنز کے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ آپ کی تحقیق ادارے سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے اول اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کر سکے۔ اگر اس کی مدد شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہو سکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد اپنے عزیز دوست محترم راشد جمال، محمد صہیب نذیر اور بلال احمد راؤ کا شکریہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہو سکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔ ساتھ ہم محترم جناب حافظ عمران حفظہ اللہ کے نہایت ممنون ہیں کہ انہوں نے نہایت دقتِ

نظری سے تحریری مواد کی فارمیٹنگ کر کے نہایت کم وقت میں جدید کمپیوٹرائز کمپوزنگ کے قالب میں ڈھالا۔اس کے لئے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث

۱۸ نومبر ۲۰۱۹ء

دبئی، متحدہ عرب امارات

پیش لفظ

قارئین محترم! کافی عرصہ سے شنید تھی کہ مہتمم دار العلوم دیو بند مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب شہید کربلاء و یزید پر انہی کے ہم عصر محدث جلیل و محقق کبیر اور قاری صاحب کے دور اہتمام میں ہی ممبر مجلس شوری دار العلوم دیو بند علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کی طرف سے کیے گئے خالص علمی و تحقیقی تبصرہ کا جواب کوئی صاحب لکھ رہے ہیں، آخر کار ایک کتاب موصول ہوئی جس کا نام ہے:

''شہید کربلا اور کردار یزید۔ محدث اعظمی کی کتاب ''تبصرہ بر شہید کربلا و یزید کا علمی محاسبہ''

مصنف کا نام لکھا ہے:

''مولانا سید طاہر حسین گیاوی'' اور ''مکتبہ نعیمیہ دیو بند'' سے ۲۰۱۸ء مطابق ۱۴۳۹ ہجری میں شائع ہوئی ہے، کتاب ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور کتاب کی پشت پر قیمت لکھی ہے ۱۴۰ (انڈین روپے)۔

توقع تھی کہ جیسے محدث اعظمی رحمہ اللہ کا، قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ کی کتاب پر کیا گیا تبصرہ خالص علمی، تحقیقی، محدثانہ اور فقیہانہ تھا، اسی طرح گیاوی صاحب کی کتاب بھی ''علمی و تحقیقی'' ہوگی، لیکن کتاب کی پہلی مبحث میں ہی مصنف نے متفق علیہ کذاب، متروك، جلا بھنا شیعہ (بعض کے نزدیک رافضی)، تالف اور ھالك لوط بن یحییٰ المعروف بابی مخنف کی ایک روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ:

''اس میں ایک راوی ابومخنف ہے جس کا اصل نام لوط بن یحییٰ ہے اور وہ غیر معتبر راوی ہے (صرف غیر معتبر نہیں بلکہ کذاب ہے۔ناقل) اس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں شیعی محترق کہ جلا بھنا شیعہ ہے، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ خاموشی سے گزر گئے جو روایت قبول کرنے کی علامت ہے''۔①

تو اندازہ ہو گیا کہ یہ کیسا ''علمی محاسبہ'' ہو گا، کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صرف طبری کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، کہ طبری نے ایک روایت ذکر کی ہے، اور طبری میں اس روایت کا راوی ''ابو مخنف لوط بن یحییٰ کذاب'' تھا، تو گیاوی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس روایت کی طرف اشارہ فرمانے کو''روایت قبول کرنے کی علامت'' قرار دے دیا...... اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ اگلے دو تین صفحات گیاوی صاحب نے یہ ثابت کرنے پر سیاہ کر ڈالے کہ اس ''ابو مخنف'' میں صرف ''تشیع'' تھا، وہ رافضی نہ تھا، کیونکہ یہ سنہ ۷۰ ہجری (درست ۱۷۰ ہجری ہے، شاید کتابت کی غلطی ہے۔ناقل) سے پہلے انتقال کر چکا ہے اور دوسری صدی ہجری سے پہلے پہلے جو شیعہ راوی گزرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے اور محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایت کو قبول فرمایا ہے (پھر ایک راوی ''ابان بن تغلب'' کی مثال دینے کے بعد کہ محدثین نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے، گیاوی صاحب اپنا استدلال یوں قائم کرتے ہیں کہ)

''ابان بن تغلب جس کی وفات ۲۴۰ یا ۲۴۱ ہجری میں ہوئی اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ جس کی وفات ۱۷۰

① گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۱۳.

ہجری سے کچھ قبل ہی ہوئی اس کی روایت کیوں قبول نہ کی جائے گی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے''۔①

پھر جوں جوں اگلے صفحات الٹتا گیا، میرا اندازہ درست ثابت ہوتا گیا، ''علمی محاسبہ'' کے نام پر تلبیس اور باطل روایات کو صحیح ثابت کرنے پر اصرار ہی نظر آیا، اور کتاب کے آخری صفحات میں جب میں نے گیاوی صاحب کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھے گئے یہ الفاظ پڑھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کے لیے ''زور اور زر کا بھی استعمال کیا''۔② تو میں سمجھ گیا کہ گیاوی صاحب کے خیالات ونظریات کیا ہیں، اس لیے مجبوراً مجھے قلم اٹھانا پڑا تاکہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے والوں کے دلائل کا صحیح معنوں میں علمی محاسبہ کر دیا جائے، وماتوفيقي إلا بالله العلي العظيم۔

گیاوی صاحب نے ایک جگہ ''محمد بن عمر واقدی'' (وضاع، کذاب، بالاجماع ضعیف اور متروک الحدیث) کی ایک روایت سے استدلال کرکے، یہ الفاظ لکھے ہیں:

''محمد بن عمر واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی ایک سند میں ابومخنف لوط بن یحییٰ بھی ایک راوی گذر چکے ہیں (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں عام ضعیف نہیں بلکہ جھوٹے اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے ہیں۔ ناقل) اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دو راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو

① گیاوی صاحب کی کتاب: ص ۱۴.
② صفحہ ۱۲۱

جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے''۔①

ملاحظہ فرمائیں! یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب دو ''کذاب اور جھوٹے'' راوی ایک ہی بات الگ الگ روایت میں بیان کریں تو یہ ''دونوں جھوٹے'' مل کر اس روایت کو ''قابل اعتبار'' بنا دیتے ہیں، اور پھر اس روایت سے صرف تاریخی واقعات میں نہیں بلکہ ''احکام'' میں بھی استدلال جائز ہو جاتا ہے۔ یہ پڑھ کر میرا اندازہ یقین میں تبدیل ہو گیا کہ یہ ''علمی محاسبہ'' ہرگز نہیں، بلکہ صرف صفحات کا پیٹ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ یہ کہا جا سکے کہ ''ہم نے محدث اعظمی کے تبصرہ کا جواب دے دیا ہے''۔

بہر حال! سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی ان سب باتوں کا ''حقیقی علمی و تحقیقی محاسبہ'' تو ان شاء اللہ آگے آئے گا، واضح رہے کہ یہی گیاوی صاحب، محدث اعظمی رحمہ اللہ کو ایک جگہ مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

''...... جواباً عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جو جملہ نقل فرمایا ہے کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتبار سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرماویں''۔②

لہذا ہم بھی گیاوی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنی کتاب میں پیش کردہ روایات کی قابل اعتبار اسناد اور راویوں کی حیثیت واضح فرمائیں۔

میرا یہ مضمون چونکہ سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب کا کوئی مفصل جواب

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: ص ۲۲. ② صفحہ ۵۹.

یا رد نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب پر ایک ''تبصرہ'' یا ''نقد'' ہے، اس لیے ہم اس مضمون کو حتی الامکان مختصر رکھنے کی بھی کوشش کریں گے اور صرف گیاوی صاحب کی پیش کردہ ''تحقیقات'' اور ''استدلالات'' پر ہی توجہ مبذول رکھیں گے، تاہم مضمون شروع کرنے سے پہلے چند اہم باتیں پیش نظر رہنی ضروری ہیں۔

۱۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ اور محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب رحمہ اللہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے، قاری طیب صاحب رحمہ اللہ، محدث اعظمی رحمہ اللہ سے تین چار سال بڑے تھے، کیونکہ قاری طیب صاحب کی ولادت سنہ ۱۸۹۸ء کی ہے اور محدث اعظمی رحمہ اللہ کی ولادت سنہ ۱۹۰۱ء کی ہے، قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب رحمہ اللہ اسی دار العلوم کی مجلس شوری کے رکن رہے، جبکہ ہماری زیر تبصرہ کتاب کے مصنف مولانا سید محمد طاہر حسین گیاوی صاحب کی ولادت ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء کی ہے (جیسا کہ اسی کتاب کے تعارف میں مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی صاحب نے لکھا ہے)، لہٰذا مولانا اعظمی رحمہ اللہ کا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر تبصرہ ''ایک ہم عصر عالم'' کا تبصرہ ہے، اور گیاوی صاحب کا تبصرہ محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب پر ان سے تقریباً نصف صدی بعد میں پیدا ہونے والے ایک آدمی کا تبصرہ ہے، یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ کوئی مجھ پر یہ اعتراض نہ کرے کہ تم مولانا سید محمد طاہر گیاوی صاحب جیسے بزرگ کی کتاب پر تبصرہ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

۲۔ گیاوی صاحب کی کتاب کے شروع میں کسی ''مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی'' صاحب نے کتاب کا تعارف کروایا ہے، جس میں لکھا ہے کہ ''مولانا محمد طاہر حسین صاحب

گیاوی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں''، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس محدث جلیل اور محقق کبیر علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا مولانا گیاوی صاحب (بزعم خود) علمی محاسبہ فرمارہے ہیں، ان کا مختصر تعارف بھی جان لیا جائے کہ وہ کون تھے؟

یہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ وہ ہیں:

جنہیں علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ "العلامة الاوحدو النحرير المفرد" لکھا کرتے تھے۔

جنہیں شیخ الازہر، امام اکبر شیخ عبدالحلیم محمود رحمہ اللہ نے "أكبر علماء العالم الاسلامي" (عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم) کا خطاب دیا تھا۔

جنہوں نے اپنی پہلی ملاقات میں "أنا حبيب الرحمن الاعظمي من الهند" کہہ کر اپنا تعارف کروایا تو ان کے لیے علامہ نجد شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ احتراماً اپنی نشست سے کھڑے ہوگئے اور مولانا اعظمی کو اپنی نشست پر بٹھایا۔

جن کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ ثانی کہا۔

جن کے بارے میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے یہ تجویز منظور کروائی کہ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب بھی کوئی فقہی مسئلہ پیش ہوتو محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی سے استصواب رائے کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

جنہیں محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ ''اپنے وقت کا عظیم محدث'' فرمایا کرتے تھے۔

جنہیں استاذی المکرم شیخ عبدالحمید سواتی نوراللہ مرقدہ نے ''فخرالمحدثین، سید الفقہاء، تاج العلماء اور رئیس المحدثین'' لکھا۔①

۳۔تیسری بات یہ ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ جب محدثین یا محققین کسی روایت کے بارے میں "اسنادہ صحیح" کہیں یا یوں کہیں کہ ''اس کے تمام راوی ثقہ ہیں'' تو اس کا لازماً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث یا روایت ''صحیح'' بھی ہے۔ یہ اصول حدیث سے نابلد کئی لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ ''صحیح الاسناد'' اور ''صحیح'' حدیث کا فرق بھی نہیں جانتے۔ محدثین کے نزدیک "اسنادہ صحیح" کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث صحیح بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا"

یعنی روایت کے تمام راوی ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت بھی صحیح ہے۔②

اسی طرح علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"وَقديكون الْإِسْنَاد كُله ثِقَات وَيكون الحَدِيث مَوْضُوعا"③

کبھی کسی سند کے سارے راوی ثقہ ہوتے ہیں لیکن حدیث اس کے باوجود موضوع ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی روایت کی جتنی سند ذکر کی گئی ہو وہ تمام راوی تو ثقہ ہوں لیکن مثلاً جو واقعہ اس روایت میں بیان ہو رہا ہے وہ بیان کرنے والے راوی نے

① بحوالہ: حیات ابوالمآثر، طبع مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ، مئو، انڈیا۔

② التلخيص الحبير، جلد۳ صفحہ ۴۸ طبع دار الكتب العلمية بيروت.

③ الموضوعات لابن الجوزي، جلد ۱ صفحہ ۹۹ طبع المكتبة السلفية، المدينة المنورة.

اس کا زمانہ پایا ہی نہ ہو، یا کوئی مؤرخ یا مصنف کسی راوی کے حوالے سے کوئی روایت نقل کرے اور پھر اس سے آگے کی سند تو ذکر کرے اور وہ تمام راوی ثقہ بھی ہوں، لیکن اس مصنف یا مؤرخ نے جو سب سے پہلا راوی ذکر کیا ہے اس کے اور مصنف کے درمیان ایک طویل زمانہ ہو اور اس کی سند غائب ہو، تو ایسی روایت باوجود اس کے کہ اس کی جو سند نقل کی گئی ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہوں لیکن یہ روایت صحیح شمار نہ ہوگی۔
یہ بات میں نے اس لیے بیان کرنا ضروری سمجھا کہ مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے یہ غلط فہمی دینے کی کوشش کی ہے یا خود انھیں یہ غلط فہمی لگی ہے کہ ایک روایت نقل کرتے ہیں اور پھر بڑا زور دے کر لکھتے ہیں کہ

''اس کے تمام راوی ثقہ ہیں''۔

اور اس کے بعد اس کی بنیاد پر یہ دعوی کر دیتے ہیں کہ

''یہ روایت صحیح ہے''...... جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ روایت قابل قبول اور صحیح شمار نہیں ہوسکتی۔ بلکہ گیاوی صاحب نے تو ایک نئی اصطلاح ''صحیح منقطع السند روایت'' کی بھی ایجاد کی ہے (اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی)۔

۴۔ چوتھی بات یہ بھی جاننا از حد ضروری ہے کہ علم جرح وتعدیل میں صرف ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے عام طور پر اس فن میں بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، نیز کسی بھی راوی کو ثقہ کہنے کے لیے دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، نمبر ۱: عدالت اور نمبر ۲: ضبط۔ عام طور پر ان دونوں چیزوں کا فیصلہ راوی کی بیان کردہ روایات (مرویات) کو

دیکھ کر ہوتا ہے، جب ایک راوی ایسی روایات بیان کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایات کے مطابق ہوں تو ایسے راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ روایات کی موافقت جہاں اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی ''ضابط'' ہے یعنی اس کا حافظہ ٹھیک ہے، وہیں اس بات کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ راوی عادل بھی ہے کیوں کہ اس نے روایات میں تبدیلی نہیں کی، یعنی عام طور راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ اس کی مرویات کی بنا پر ہی ہوتا ہے، جب راوی کی توثیق یا تضعیف کے لئے عام طور سے راوی کی مرویات کو ہی بنیاد بنایا جاتا ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ کسی راوی کی توثیق وتضعیف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا ناقد محدث کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کرکے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کردیتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ راوی کی روایات کو پرکھ کر راوی کے بارے میں فیصلہ دینا اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور فقہی اجتہاد کی طرح جرح وتعدیل کے اس اجتہاد میں بھی مجتہد سے خطا وصواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی راوی سے متعلق ناقدین کے اقوال میں اختلاف ہوجاتا ہے کیوں کہ ہر ناقد اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہے، یہ بات علماء اسماء الرجال نے وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

مثلاً امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَلَا شَكَّ أَن فِي الْجرْح وَالتَّعْدِيل ضَرْبَيْنِ من الِاجْتِهَاد وأئمة النَّقْل

يَخْتَلِفُونَ فِي الْأَكْثَر فبعضهم يوثق الرجل إِلَى الْغَايَة وَبَعْضهمْ يوهنه إِلَى الْغَايَة وهما إماما ن إِلَيْهِمَا الْمرجع فِي هَذَا الشَّأْن قَالَ التِّرْمِذِيّ اخْتلف الْأَئِمَّة من أهل الْعلم فِي تَضْعِيف الرِّجَال كَمَا اخْتلفُوا فِيمَا سوى ذَلِك من الْعلم"①

''اس میں شک نہیں کہ جرح وتعدیل میں بھی دوطرح کا اجتہاد ہوتا ہے اور ائمہ نقل کا اکثر اختلاف ہوجاتا ہے، چنانچہ ان میں سے کوئی ایک راوی کی حد درجہ توثیق کردیتا ہے اور کوئی دوسرا اسی راوی کی حد درجہ تضعیف کردیتا ہے، جبکہ وہ دونوں اس فن کے امام اور مرجع شمار ہوتے ہیں، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ رجال (راویوں) کی تضعیف میں ائمہ کا اختلاف ایسے ہی ہے جیسے اس کے علاوہ دوسرے علوم میں ان کا اختلاف ہے''۔

تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے، نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح وتعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی

① النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح، ج ۳ ص ۱۴۱۳ طبع الریاض۔

شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو۔

۵۔ پانچویں بات یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی ذات اور کردار پر کوئی الزام ثابت کرنے کے لیے قطعی، قوی اور شریعت کے ضابطہ کے مطابق ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ اس الزام سے اس کی براءت کے لیے شک اور احتمال ہی کافی ہوتا ہے، لہٰذا قطعی و قوی ثبوت الزام لگانے والے کو فراہم کرنا ہوتا ہے، نہ یہ کہ ملزم سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی براءت کے لیے قطعی ثبوت فراہم کرے، مثلاً اگر کوئی کسی پر یہ الزام لگائے کہ یہ ''شرابی'' ہے تو اس کا قطعی و شرعی ثبوت اور شہادت الزام لگانے والے کے ذمہ ہے، اگر وہ ایسا ثبوت یا قطعی شہادت پیش کر دے تو ملزم پر شرعی حد جاری ہوگی، لیکن اگر الزام لگانے والا کوئی قطعی ثبوت یا شرعی شہادت پیش نہ کر سکے تو الٹا شریعت اس پر حد قذف لگاتی ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ کوئی کسی پر ''شرابی'' ہونے کا الزام لگائے اور جب اس سے شرعی ثبوت مانگا جائے تو وہ الٹا یہ مطالبہ کرے کہ:

''میں نے جس پر الزام لگایا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ شرابی نہیں بلکہ ایک نیک آدمی ہے، اور اگر وہ اپنا نیک ہونا ثابت نہ کر سکے تو میرا الزام درست سمجھا جائے''۔

۶۔ چھٹی بات یہ مد نظر رہے کہ غلط فہمی کسی کو بھی ہو سکتی ہے، حتی کہ صحابی کو بھی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر ایک صحابی سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، وہ

لوگ آپ کے استقبال کے لیے اپنے اسلحہ کے ساتھ نکلے تو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو شاید کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ آپ سے لڑائی کے لیے نکلے ہیں، چنانچہ آپ وہیں سے واپس ہو گئے اور آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے آ کر خبر دی کہ وہ مرتد نہیں ہوئے بلکہ اسلام پر ہی ہیں۔

"أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعثه مصدقا إلى بني المصطلق، فعاد، فأخبر عنهم أنهم ارتدّوا ومنعوا الصدقة، وكانوا خرجوا يتلقونه وعليهم السلاح، فظن أنهم خرجوا يقاتلونه، فرجع فبعث إليهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الوليد فأخبره بأنهم على الإسلام"①

مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی واقعہ میں سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶﴾

لہٰذا جب صحابی کو کسی معاملے میں غلط فہمی لگ سکتی ہے تو غیر صحابی کو بطریق اولیٰ لگ سکتی ہے۔ نیز واقعہ افک میں (جب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، جس کا ذکر سورۃ النور میں ہوا ہے) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان منافقین کے پروپیگنڈہ سے متأثر ہو جانا بھی ثابت و مسلم ہے۔

نوٹ: سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے متعلقہ مذکورہ واقعہ کے ثبوت پر سنداً و متناً کئی لوگوں نے اشکال پیش کیا ہے اور بعض نے اس واقعہ کا سرے سے انکار کیا ہے، ہم نے

① الاصابة في تمييز الصحابة، ج ٦ ص ٤٨١ طبع دار الكتب العلمية بيروت.

یہاں یہ بات گیاوی صاحب کے موقف کو سامنے رکھتے ہوئے ذکر کی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک کسی روایت کے بہت سے ضعیف طرق ہوں تو وہ سب مل کر روایت میں قوت پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے:

''محمد بن عمر واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی سند میں ابومخنف لوط بن یحییٰ بھی ایک ضعیف راوی گذر چکے ہیں اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دو راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس لیے ابومخنف کے ساتھ واقدی کا ہونا سند میں قوت پیدا کر دیتا ہے''۔①

لہٰذا اور کسی کو اس واقعہ پر کوئی اشکال ہو یا نہ ہو، گیاوی صاحب کے لیے اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، نیز گیاوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ صاحب بخاری (جن کی کتاب سے گیاوی صاحب نے خوب استفادہ کیا ہے) انہوں نے سورۃ الحجرات کی آیت مذکورہ کا شان نزول سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی تسلیم کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ آیت میں ''فاسق'' سے مراد، سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ وہ شخص ہے جس نے انہیں یہ غلط خبر دی تھی کہ بنی المصطلق مرتد ہو چکے ہیں۔②

لہٰذا یہ مثال ہم گیاوی صاحب اور ان کے ممدوح لعل شاہ صاحب کے موقف کے پیش نظر پیش کر رہے ہیں۔

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۲.

② دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۵۵-۵۶.

۷۔ ساتویں بات یہ یاد رکھنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو جائے وہ سچ بھی ہو، بعض روایتیں بہت مشہور ہوتی ہیں اور واعظین وخطباء انہیں اکثر بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ضعیف یا موضوع ہوتی ہیں، اس کی مثالیں تو بہت سی ہیں، لیکن ہم یہاں گیاوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ صاحب کی پیش کردہ دو مثالیں ہی ذکر کرتے ہیں، پہلی مثال تو شاہ صاحب نے وہ روایت پیش کی ہے جس میں ہے:

"اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم"۔

لعل شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

''یہ روایت عرفاً مشہور ہے یعنی زبان زد خلائق ہے''۔

مگر محدثین کے نزدیک اصطلاحی مشہور نہیں بلکہ خبر واحد ہے اور ضعیف ہے، تمام محدثین کا اس روایت کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور بعض ائمہ نے اسے موضوع بھی کہا ہے۔

جبکہ دوسری مثال وہ روایت پیش کی ہے جس میں ہے کہ

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج بعد غروب ہونے کے لوٹایا گیا تھا''۔

اور لکھا ہے کہ:

''یہ روایت بھی زبان زد خلائق ہے بہت سے لوگ اسے مشہور سمجھتے ہیں، امام طحاوی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے حالانکہ یہ روایت ساقط الاعتبار ہے، اس روایت کے اکثر رواۃ مجاہیل، مجروحین اور بدعقیدہ رافضی ہیں''۔ ①

لہٰذا کسی بات کا صرف مشہور ہوجانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسے متواتر کا نام

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۳۔۳۴

دے کر عقیدہ کا درجہ دے دیا جائے۔

۸۔آٹھویں بات یہ ملحوظ رہے کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ ①﴾

''اے ایمان والو مضبوط کھڑے رہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے، اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو''۔

نیز دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى... ②﴾

''اے ایمان والو کھڑے ہو مضبوط اللہ کے لیے انصاف کے گواہ بن کر اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، انصاف ہی کرو کہ یہ قرین تقوی ہے''

اسلام کی اس واضح اور صریح تعلیم کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں تو اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ صحابی اور غیر صحابی کے لیے ہمارے پاس الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ ہوں، ہاں شرف صحابیت اور مقام صحابیت اور صحابہ کے فضائل ومناقب اپنی جگہ حق ہیں، لیکن جہاں احکام شریعت اور دین کے اصول وضوابط کی بات آئے گی تو ان کا اطلاق ہر مسلمان پر ہوگا۔

قارئین محترم! یہ تمام نکات اگر آپ کے ذہن میں مستحضر رہیں تو آئندہ سطور

---

① النساء:۱۳۵۔ ② المائدہ:۸۔

میں جو ہم مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب اور ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لینے جارہے ہیں اسکے بارے میں آپ درست طور پر فیصلہ کرسکیں گے کہ ہمارا جائزہ اور نقد اصولی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے یا نہیں۔

حافظ عبید اللہ

اسلام آباد ۲۷ ستمبر ۲۰۱۹

h.ubaid153@gmail.com

کچھ مولانا سید طاہر حسین گیاوی اور ان کی کتاب کے بارے میں

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے اپنی کتاب کا نام یوں لکھا ہے:

''شہید کربلا اور کردار یزید''

محدث اعظمی کی کتاب ''تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید کا علمی محاسبہ''

کتاب کے شروع میں ''مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی'' نے چار صفحات، کتاب اور صاحب کتاب کے تعارف میں لکھے ہیں، جس میں انہوں نے لکھا ہے:

''مولانا سید طاہر حسین گیاوی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں، انہوں نے اپنی زندگی صراط مستقیم کی وضاحت، اہل سنت والجماعت کے افکار ونظریات کی تشریح اور باطل نظریات کی تردید اور ان کا لوہا پالنے میں گذاری ہے، انہوں نے اس اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے حقیقی موقف کا جائزہ لیا ہے اور اس شان کی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا، تاریخی روایتوں میں رد وقدح کا انداز خالص علمی ہے ......مولانا نے روایتوں کے فرض و قبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور بہت حد تک اعتدال کا دامن تھام رکھا ہے...... میں نے ان روایتوں کی اصل مراجع سے مطابقت کے لیے نظر ثانی کی ہے ......حق بات یہ ہے کہ اس شان کی کتاب محدث اعظمی رحمہ اللہ کی طرف سے آنی چاہئے تھی وہ اس کے حق دار تھے کہ روایتوں میں صحیح اور سقیم کا فرق کرتے اور معتدل انداز گفتگو اختیار کرتے جو ان کی شناخت

رہی ہے لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہو سکا''۔①

قارئین محترم! کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد نوری قاسمی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اس کتاب میں ایسی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۲۔تاریخی روایتوں میں ردوقدح کا ان کا انداز خالص علمی ہے۔

۳۔انہوں نے روایتوں کے رفض وقبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور بہت حد تک اعتدال سے کام لیا ہے۔

۴۔دراصل محدث اعظمی رحمہ اللہ کو چاہیے تھا کہ وہ روایتوں میں صحیح وسقیم کا فرق کرتے اوراعتدال سے کام لیتے جو کہ ان کی شناخت رہی ہے لیکن افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

اس کے بعد خود مصنف کتاب (مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب) نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

۵۔''ان کا (یعنی مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کا۔ناقل) یہ تبصرہ (جو قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر انہوں نے کیا۔ناقل) تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں''۔②

اور پھر خود یہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ:

۶۔''کسی بھی تصنیف کا حرف بحرف صادق ہونا ضروری نہیں ہے، اس میں کہیں نہ کہیں

① گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۷۔ ② ایضاً صفحہ ۱۰۔

کوئی خامی یا کمزوری یا خلاف واقعہ باتیں آ ہی جاتی ہیں جن کا رد ایک ضروری امر ہے''۔①

پھر یہی گیاوی صاحب اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ محدث اعظمی رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۷۔''جواباً عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جو جملہ نقل فرمایا ہے کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرما دیں''۔②

اور پھر اسی سیاق میں لکھتے ہیں:

۸۔''اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ یا امام غزالی یا ملا علی قاری یا کسی عالم یا محقق کی تحریر پیش کر دینے سے کوئی حقیقت نہیں بدل جاتی''۔③

قارئین محترم! ہم انہی مندرجہ بالا آٹھ نکات کو سامنے رکھ کر ہی مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب کی اس کتاب کا مختصر جائزہ لیں گے کیونکہ یہ نکات خود انہوں نے اور ان کی کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد صاحب نے لکھے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم اسی کو معیار اور کسوٹی بنا کر گیاوی صاحب کی اس کتاب میں پیش کردہ روایات کا فرداً فرداً جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا واقعی روایات کے رد و قدح میں ان کا انداز خالص علمی ہے؟ اور کیا واقعی انہوں نے روایات کے رفض و قبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور اعتدال سے کام لیا ہے؟ اور کیا انہوں

① گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۱۰۔۱۱ ② ایضاً صفحہ ۵۷.
③ ایضاً صفحہ ۵۹.

نے اس کتاب میں جو تحقیق پیش کی ہے ہر مصنف انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟

آگے بڑھنے سے پہلے ہم گیاوی صاحب کے اس دعوے کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے بڑے تحدیانہ انداز میں کیا ہے کہ:

''مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر کیا گیا تبصرہ تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں''۔①

قارئین محترم! گیاوی صاحب کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کی اکثریت محدث اعظمی رحمہ اللہ کے اس تبصرہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا علمی و تحقیقی اور دلائل کی بنیاد پر مضبوط نقد سمجھتی ہے، ہم تفصیل میں جائے بغیر یہاں دارالعلوم دیوبند کا ہی ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں، غور سے پڑھیں:

سوال ۱۶۶۱۲۵:

میرا سوال تاریخ کے حوالے سے ہے، کیا اہل سنت والجماعت کی کوئی کربلا کی معتبر تاریخ ہے؟ اگر ہے تو اس تاریخ کی کتاب کا نام اور اس کے مصنف کا نام بتائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ یزید کے بارے میں کیا کہنا چاہئے؟ میں نے سنا ہے کہ یزید کے بارے میں بخاری شریف میں ایک مغفرت کے بارے میں حدیث ہے جو کہ جنگ کے متعلق دی گئی ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ براہ کرم، جواب دیں۔

① نکتہ نمبر: ۵.

جواب ۱۶۶۱۲۵:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"کربلا" کی تاریخ کے تعلق سے اہلِ سنت والجماعت کی بہت سی کتابیں ہیں چند کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں:

(۱) شہید کربلا: مصنف مفتی شفیع صاحب سابق مفتی اعظم پاکستان۔

(۲) تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید: مصنف محدث کبیر مفتی حبیب الرحمن اعظمی۔

(۳) شہید کربلا اور یزید: مصنف حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب۔

مکمل فتویٰ انٹرنیٹ کے درج ذیل لنک پر پڑھا جا سکتا ہے:

http://www.darulifta-deoband.com/home/ur/History-Biography/166125

ملاحظہ فرمائیں! دار العلوم دیوبند کے مفتی صاحبان جہاں قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں وہیں اسی کتاب پر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ پڑھنے کی بھی ترغیب دے رہے ہیں، تو اگر دار العلوم دیوبند کے مفتیان کے نزدیک محدث اعظمی رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ غلط ہوتا اور اہل سنت والجماعت اس تبصرہ کی مخالفت پر متفق اللسان ہوتے تو دارالعلوم دیوبند کے مفتیان اس کتاب کے مطالعہ کا کہتے یا اس سے بچنے کی نصیحت کرتے؟؟ ہاں اگر گیاوی صاحب کے نزدیک اہل سنت والجماعت اور اہل علم صرف وہ لوگ ہیں جو گیاوی صاحب کی تحقیق اور ان کے خیالات ونظریات سے متفق ہوں تو الگ بات ہے، لہٰذا معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ گیاوی صاحب کا یہ کہنا کہ محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ تمام اہل علم کے نزدیک غلط ہے، سراسر خلاف حقیقت ہے اور ایسا لگتا ہے کہ گیاوی صاحب نے غصہ میں آ کر ایسا لکھ دیا ہے۔

محمد بن عمر الواقدی، لوط بن یحییٰ ابو مخنف اور محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف

قارئین محترم! چونکہ مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں خاص طور پر مذکورہ بالا تین راویوں کی روایات پیش کی ہیں اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان تینوں راویوں میں عام قسم کا ہلکا سا ضعف پایا جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی روایت الگ الگ ان تینوں سے مروی ہو تو یہ تینوں ضعیف راوی مل کر اس روایت کو قابل اعتماد بنا دیتے ہیں (تفصیل آگے آئے گی) تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شروع میں ہی ان تینوں صاحبان کا تعارف کروا دیں تا کہ قارئین کے ذہن میں رہے کہ ان تینوں (واقدی، ابو مخنف اور محمد بن زکریا الغلابی) کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے کیا کہا ہے، اور گیاوی صاحب جیسے مناظر کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنا مقدمہ ثابت کرنے کے لیے ان کی وکالت کریں یا ان کی روایات کو اپنے حق میں گواہی کے طور پر پیش کریں۔

محمد بن عمر الواقدی:

آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ ان واقدی صاحب کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے کن الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ:

"کتب الواقدي كذب"①

واقدی کی کتابیں (کذب) جھوٹ ہیں۔

①تاریخ بغداد، ج ۴ ص ۲۰، طبع دار الغرب الاسلامي بيروت.

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لیس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ

"الواقدي ضعيف" واقدی ضعیف ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں "لایُکتب حدیثه" اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔①

علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"محمد بن عمر الواقدي ليس بموضع للرواية ولا يروى عنه"②

واقدی سے روایت نہ لی جائے، یہ روایت لینے کے لائق ہی نہیں۔

یہی علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الهيثم بُن عدي أوثق عندي من الواقدي، ولا أرضاه فِي الحديث، ولا فِي الأنساب، ولا فِي شيء"③

ہیثم بن عدی میرے نزدیک واقدی سے زیادہ ثقہ ہے، میں نہ اسے (واقدی کو) حدیث میں پسند کرتا ہوں، نہ انساب میں اور نہ کسی بھی چیز میں۔

واضح رہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے علی بن المدینی کی یہ بات نقل کرکے اس پر اپنی تعلیق میں لکھا ہے:

"قُلْتُ: أَجْمَعُوا عَلَى ضَعْفِ الهَيْثَمِ"④

میں کہتا ہوں کہ (ائمہ جرح و تعدیل) کا اس پر اجماع ہے کہ ہیثم (بن

---

①② تاریخ بغداد، ج ۴ ص ۲۰۔

③ تاریخ بغداد، ج ۱۶ ص ۷۶۔

④ سیر اعلام النبلاء، ج ۹ ص ۴۶۲ طبع مؤسسة الرسالة بیروت۔

عدی) ضعیف ہے۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے واقدی کے بارے میں فرمایا:

''وكان عندي ممن يضع''①

میرے نزدیک (واقدی) ان لوگوں میں سے تھا جو حدیثیں گھڑتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"هو كذاب" وہ بڑا جھوٹا ہے۔②

امام بخاری رحمہ اللہ واقدی کے بارے میں کہتے ہیں:

''مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ ,تَرَكَهُ أَحْمَدُ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا''③

واقدی ''متروک الحدیث'' ہے، امام احمد، ابن نمیر، ابن مبارک اور اسماعیل بن زکریا نے اسے ترک کر دیا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

''مَا عِنْدِي لِلْوَاقِدِيِّ حَرْفٌ''④

میرے پاس اس کے لیے کہنے کو ایک حرف بھی نہیں۔

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے''۔⑤

---

①تاریخ بغداد، ج۳ ص۲۰۔

②تاریخ بغداد، ج۳ ص۲۰۔الضعفاء للعقيلي، ج۴ ص۱۰۷ طبع بیروت۔

③الضعفاء للعقيلي، ج۴ ص۱۰۷۔

④سیر اعلام النبلاء، ج۹ ص۴۶۳، طبع مؤسسة الرسالة بیروت۔

⑤الجرح والتعدیل، ج۸ ص۲۱ طبع حیدر آباد دکن۔

امام مسلم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أبو عبد الله محمد بن عمر بن واقد الواقدي قاضي بغداد متروك الحديث"۔①

واقدی متروک الحدیث ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لاأكتب حديثه" کہ میں اس کی حدیث نہیں لکھتا۔②

امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"الكذابون المعروفون بوضع الحديث على رسول الله ﷺ أربعة... والواقدي ببغداد"③

اللہ کے رسول پر جھوٹ گھڑنے والے بڑے جھوٹے چار ہیں، ان میں سے ایک واقدی ہے۔

نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے متروک الحدیث بھی لکھا ہے۔④

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

"الْوَاقِدِيُّ ضَعِيفٌ"، واقدی ضعیف ہے۔⑤

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"الْوَاقِدِيُّ لَا يُحْتَجُّ بِهِ"

واقدی سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

---

①الكنى والأسماء، ج ا صفحه ۴۹۹ طبع المدينة المنورة۔

② تاریخ بغداد، ج ۴ صفحہ ۲۰۔ ③ ایضاً، ج ۱۵ ص ۲۰۷۔

④الضعفاء والمتروكون للنسائي، ص ۹۲ طبع دار الوعي حلب۔

⑤سنن الدارقطني، ج ۳ ص ۱۴۱ وص ۱۷۰ وص ۲۰۷ طبع مؤسسة الرسالة بيروت۔

نیز فرماتے ہیں:

"لَيْسَ بِالْقَوِيِّ"

وہ قوی نہیں ہے۔①

اور ایک مقام پر یہی امام بیہقی رحمہ اللہ واقدی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لَا يُحْتَجُّ بِرِوَايَتِهِ فِيمَا يُسْنِدُهُ، فَكَيْفَ بِمَا يُرْسِلُهُ''②

اس کی جو روایت مسند ہو اس میں یہ حجت نہیں ہے تو اس کی مرسل روایت کیسے قبول ہوگی؟

ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''قَالَ أَحْمَدُ هُوَ كَذَّابٌ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ وَالرَّازِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مَتْرُوكٌ''③

امام احمد نے اسے کذاب اور امام بخاری نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ هُوَ الْوَاقِدِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ"④

محمد بن عمر واقدی ضعیف ہے۔

ایک جگہ ایک سند جس میں واقدی ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لِأَنَّ ذَاكَ فِيهِ الْوَاقِدِيُّ وَقَدْ كَذَّبُوهُ''⑤

---

①السنن الكبرى للبيهقي، ج ۱ ص ۶۲ و ج ۲ ص ۱۸۹ طبع دار الكتب العلمية بيروت.

②معرفة السنن والآثار للبيهقي، ج ۲ ص ۷۹ دار قتيبة بيروت.

③التحقيق في مسائل الخلاف لابن الجوزي، ج ۲ ص ۵۴ دار الكتب العلمية بيروت.

④التحقيق في مسائل الخلاف، ج ۲ ص ۸۶.

⑤ايضاً، ج ۲ ص ۲۷۷.

اس سند میں واقدی ہے اور اسے (ائمہ نے) جھوٹا کہا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ الْوَاقِدِيِّ وَهُوَ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِهِمْ''①

واقدی بالاتفاق ضعیف ہے۔

بندار بن بشار نے کہا:

"ما رأيت اكذب شفتين من الواقدي"②

میں نے واقدی سے زیادہ جھوٹے ہونٹ نہیں دیکھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وحاصل الأمر أَنَّهُ مُجْمَعٌ عَلَى ضعفه''③

خلاصہ کلام یہ ہے کہ واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔

اسی جگہ لکھتے ہیں:

''وقد وثّقه غير واحدٍ لكنْ لا عِبْرة بقولهم مَعَ توافر من تركه''④

کئی ایک لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ جنہوں نے اسے ترک کیا ہے وہ وافر تعداد میں ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''واستقر الاجماع على وهن الواقدي''⑤

واقدی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔

---

①المجموع شرح المهذب، ج۵ ص ۱۲۹ طبع دار الفکر بیروت۔

② تاریخ بغداد، ج۴ ص ۲۰۔

③④تاريخ الاسلام للذهبي، ج۵ ص ۱۸۲ دار الغرب الاسلامي.

⑤ميزان الاعتدال، ج۳ ص ۶۶۲ دار المعرفة بيروت.

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''قَدِ انعَقَدَ الإِجمَاعُ اليَومَ عَلَى أَنَّهُ لَيسَ بِحُجَّةٍ، وَأَنَّ حَدِيثَهُ فِي عِدَادِ الوَاهِي''①

آج اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وہ (واقدی) حجت نہیں ہے اور اس کی بیان کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الْوَاقِدِيّ لا يُحْتَجُّ بِهِ"②

واقدی سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

ابن الملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"والْوَاقِدِيّ كَذَّاب قَالَه أَحْمد، وَزَادَ النَّسَائِيّ وضَّاع"③

اور واقدی تو بڑا جھوٹا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے ایسا فرمایا ہے، اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے وضاع حدیثیں گھڑنے والا کہا ہے۔

نیز کہتے ہیں:

"والواقدي لَا يحْتَج بِرِوَايَاتِهِ الْمُتَّصِلَة، فَكيف بِمَا يُرْسِلهُ أَو يَقُوله عَن نَفسه؟"④

واقدی کی وہ روایات بھی حجت نہیں جو متصل ہوں، تو اس کی مرسل روایت یا جو بات وہ اپنی طرف سے کہے کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

---

① سیر اعلام النبلاء، ج ۹ ص ۴۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

② المنار المنیف، ص ۲۳ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔

③ البدر المنیر، ج ۴ ص ۵۴۲ طبع دار الھجرۃ، الریاض۔

④ ایضاً ج ۱ ص ۳۹۱۔

امام ہیثمی ایک روایت کے بارے میں جس کی سند میں واقدی ہے لکھتے ہیں:

''وَفِيهِ الْوَاقِدِيُّ، وَهُوَ كَذَّابٌ''①

اس میں واقدی ہے، اور وہ بڑا جھوٹا ہے۔

امام بوصیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ الْوَاقِدِيُّ كذاب''②

محمد بن عمر واقدی بڑا جھوٹا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''والواقدي لَيْسَ بمعتمد''③

واقدی معتمد نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''الْوَاقِدِيَّ لَا يُحْتَجُّ بِهِ''④

واقدی سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک جگہ حافظ مغلطائی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لَكِنْ فِي الْأَسَانِيدِ الثَّلَاثَةِ الْوَاقِدِيُّ وَلَيْسَ بِحجَّة وَقد تعصب مغلطاي لِلْوَاقِدِي فَنقل كَلَامَ مَنْ قَوَّاهُ وَوَثَّقَهُ وَسَكَتَ عَنْ ذِكْرِ مَنْ وَهَّاهُ وَاتَّهَمَهُ وَهُمْ أَكْثَرُ عَدَدًا وَأَشَدُّ إِتْقَانًا وَأَقْوَى مَعْرِفَةً بِهِ مِنَ الْأَوَّلِينَ''⑤

ان تینوں سندوں میں واقدی ہے جو کہ حجت نہیں ہے، مغلطائی نے واقدی

---

①مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۱ ص ۲۵۲ طبع مكتبة القدسي القاهرة۔

②اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، ج ۴ ص ۱۹۱ دار وطن، الرياض۔

③فتح الباری، ج ۱ ص ۴۱۷ طبع دار المعرفة بيروت۔ ④ایضاً ج ۴ ص ۷۳۔

⑤ایضاً ج ۹ ص ۱۱۳۔

کے حق میں تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کا کلام تو نقل کیا ہے جنہوں نے واقدی کی توثیق کی ہے لیکن ان حضرات کے ذکر سے خاموشی اختیار کی ہے جنہوں نے واقدی کو واہی بتایا ہے اور اسے متہم بتایا ہے، جبکہ یہ (واقدی کو واہی اور متہم بتانے والے) تعداد میں زیادہ ہیں، اتقان میں زیادہ پختہ ہیں اور پہلے والوں (یعنی جنہوں نے اس کی توثیق کی ہے) کے مقابلے میں واقدی کی زیادہ معرفت رکھتے ہیں۔

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:

''قُلْتُ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ هُوَ الْوَاقِدِيُّ ضَعِيفٌ جِدًّا''①

میں کہتا ہوں کہ محمد بن عمر سے مراد واقدی ہے، اور وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''محمد ابن عمر ابن واقد الأسلمي الواقدي المدني القاضي نزيل بغداد متروك مع سعة علمه''②

محمد بن عمر بن واقد اسلمی واقدی مدنی قاضی، نزیل بغداد، وسیع علم رکھنے کے باوجود متروک ہے۔

امام سخاوی ایک روایت کی سند کے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وفيه الواقدي وهو ضعيف''③

اس میں واقدی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

---

①المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، ج۴ ص ۱۶۱ طبع دار العاصمة، السعودية.

②تقريب التهذيب، ص ۴۹۸ دار الرشيد، سوريا.

③المقاصد الحسنة، ص ۴۱۹ دار الكتاب العربي، بيروت.

عبدالرؤوف المناوی بھی ایک روایت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَفِيهِ الْوَاقِدِيّ كَذَّاب''①

اس کی سند میں واقدی ہے جو کہ بڑا جھوٹا ہے۔

قاضی شوکانی بھی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فِيهِ الْوَاقِدِيُّ وَهُوَ مَتْرُوك''②

اس میں واقدی ہے جو کہ متروک ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تو واقدی پر مفسر جرح کی ہے ابو حاتم رازی نے ان کی جرح کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

"كان الواقدي يقلب الاحاديث يلقى حديث ابن اخى الزهري على معمر ونحو هذا، قال اسحاق ابن راهويه كما وصف وأشد لانه عندي ممن يضع الحديث"۔③

احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: واقدی احادیث کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا (یعنی احادیث کی سندوں کو) وہ زہری کے بھائی کے بیٹے کی حدیث کو معمر کے ساتھ جوڑ دیا کرتا تھا۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

ہاں بات ایسی ہی ہے جیسے امام احمد نے بیان کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، وہ (واقدی) میرے نزدیک تو ان لوگوں میں سے جو حدیثیں

---

①التيسير بشرح الجامع الصغير، ج ١ ص ٤١٥ مكتبة الامام الشافعي، الرياض.

②نيل الاوطار، ج ٣ ص ١١١ طبع دار الحديث مصر.

③الجرح والتعديل، جلد ٨ صفحه ٢١ حيدآباد دكن.

گھڑا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام یحییٰ بن معین کی جرح بھی واقدی پر ''مفسر'' ہے، کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر احادیث روایت کرتا تھا۔

"نظرنا في حديث الواقدي فوجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين احاديث مناكير فقلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث المناكير منه ويحتمل ان تكون منهم، ثم نظرنا إلى حديثه عن ابن ابى ذئب ومعمر فانه يضبط حديثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناكير فعلمنا انه منه فتركنا حديثه"①

یاد رہے! کسی ایک معروف امام جرح وتعدیل نے یہ نہیں لکھا کہ ''یہ حدیث میں تو کذاب و وضاع ہے لیکن تاریخ کی روایات میں یہ قابل قبول اور ثقہ ہے''۔

...... جو آدمی نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہو، اور جو حدیث کی سند بدل دیتا ہو اس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ دعوی کرنا کہ یہ آدمی تاریخی روایات میں کبھی جھوٹ نہیں بولے گا، یہ دھوکہ اور فریب ہے اور کچھ نہیں، نیز جرح وتعدیل کا معروف اصول ہے کہ ''جرح مفسر'' کے مقابلے میں تعدیل قابل قبول نہیں ہوتی ......

قارئین محترم! یہ ہے تعارف ''محمد بن عمر واقدی'' کا، اسے صرف ''ضعیف'' نہیں کہا گیا بلکہ ''کذاب'' اور ''وضاع'' کہا گیا ہے، بلکہ امام نسائی نے تو اسے ''اللہ کے رسول پر جھوٹ بولنے والوں'' میں شمار کیا ہے۔

---

① الجرح والتعدیل، جلد ۸ صفحہ ۲۱ حیدآباددکن۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا تعارف:

آیئے اب ان صاحب کا تعارف کرواتے ہیں:

امام ابوحاتم رازی (م ۲۷۷ ہجری) نے اسے "متروک الحدیث" کہا۔①

امام یحییٰ بن معین (م ۲۳۷ ہجری) کے شاگرد عباس الدوری بیان کرتے ہیں کہ:

"سَمِعت یحیی یَقُول أَبُو مخنف وَأَبُو مَرْیَم وَعَمْرو بن شمر لَیْسُوا هم بِشَيْءٍ قلت لیحیی هم مثل عَمْرو بن شمر قَالَ هم شَرّ من عَمْرو بن شمر"②

میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا کہ: ابومخنف، ابومریم، اور عمرو بن شمر کچھ بھی نہیں، (دوری کہتے ہیں) میں نہ یحییٰ سے کہا: کیا وہ (یعنی ابومخنف اور ابومریم) عمرو بن شمر جیسے ہیں؟ تو یحییٰ بن معین نے فرمایا: وہ عمرو بن شمر سے بھی برے ہیں۔

یہی عباس دوری کہتے ہیں کہ، میں نے امام یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا کہ:

"أَبُو مخنف لَیْسَ بِثِقَة"③

ابومخنف ثقہ نہیں ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

"وَأَبُو مخنف لَیْسَ بِشَيْءٍ"④

---

①الجرح والتعدیل لابن ابي حاتم، ج۷ص ۱۸۲ طبع حیدرآباد دکن.

②تاریخ ابن معین بروایة الدوري، ج۳ص ۴۳۹ طبع مکة المکرمة.

③ایضاً، ج۳ص ۳۶۶.

④تاریخ ابن معین بروایة الدوري، ج۳ص ۲۸۵.

ابو مخنف کچھ بھی نہیں۔

نوٹ: امام یحییٰ بن معین نے ابو مخنف کو عمرو بن شمر سے بھی بُرا بتایا۔

آیئے دیکھتے ہیں یہ عمرو بن شمر کون ہے؟

امام جوزجانی اس کے بارے میں کہتے ہیں:

"زائغ كذاب"، گمراہ اور جھوٹا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''رافضي يشتم الصحابة ويروي الموضوعات عن الثقات"

رافضی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا ہے اور ثقہ لوگوں سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

اور سلیمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''كان يضع للروافض"①

یہ عمرو بن شمر رافضیوں کے لئے روایتیں گھڑتا تھا۔

اب خود اندازہ کرلیں کہ اگر یحییٰ بن معین نے ابو مخنف کو اس عمرو بن شمر سے بھی برا کہا ہے تو وہ کیا چیز ہوگا؟۔

ابن عدی (م ۳۶۵ ہجری) نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

''"شيعي محترق صاحب اخبارهم"②

جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا راوی ہے''۔

قوام السنۃ اسماعیل الاصبہانی (م ۵۳۵ ہجری) نے فرمایا:

---

①دیکھیں: لسان الميزان لابن حجر، ج۶ ص ۲۱۰ طبع دار البشائر الاسلامية.

②الكامل في ضعفاء الرجال، ج۷ ص ۲۴۱ طبع دار الكتب العلمية بيروت.

''فَأَمامَارَوَاهُأَبو مخنف وَغیره من الروافض فَلَااعْتِمَادبروایتهم"①

جو ابومخنف اور دوسرے رافضی روایت کریں تو ان کی روایت پر کوئی اعتماد نہیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (م ۳۸۵ ہجری) لکھتے ہیں:

''لوط بن یحیی الکوفي أبو مخنف إخباري۔ ضعیف"②

لوط بن یحییٰ کوفی ابومخنف تاریخی روایات بیان کرنے والا ضعیف ہے۔

امام ابن شاہین (م ۳۸۵ ہجری) لکھتے ہیں:

"قال ابن معین: أبو مخنف۔ لیس حدیثه بشيء- یعني لوط بن یحیي- وقال مرة أخری: لیس بثقة"③

ابن معین نے کہا کہ ابومخنف یعنی لوط بن یحییٰ کچھ بھی نہیں، اور دوسری بار کہا کہ وہ ثقہ نہیں۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ ہجری) نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

وفی حَدِیث ابْن عَبَّاس أَبُو صَالح الْكَلْبِيّ وَأَبُو مخنف وَكلهمْ كذابون"④

ابن عباس کی اس حدیث کی سند میں ابوصالح کلبی اور ابومخنف ہے، اور یہ سب کذاب ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ ہجری) روافض کے علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

① الحجة في بیان المحجة، ج ۲ ص ۵۶۸ طبع دار الرایة، السعودیة۔
② الضعفاء والمتروکون للدارقطنی، ج ۳ ص ۱۲۸ طبع المدینة المنورة۔
③ تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین، ص ۱۶۲۔
④ الموضوعات لابن الجوزي، ج ۱ ص ۴۰۶ طبع المکتبة السلفیة، المدینة المنورة۔

''وَعُلَمَاؤُهُمْ يَعْتَمِدُونَ عَلَى نَقْلِ مِثْلِ أَبِي مِخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَهُشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ، وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْمَعْرُوفِينَ بِالْكَذِبِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ"①

ان کے علماء ابومخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ان جیسوں کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں، جب کہ یہ سب وہ ہیں جن کا اہل علم کے نزدیک جھوٹا ہونا معروف ہے۔

اور ایک دوسری جگہ رافضیوں کے صحابہ کرام پر طعن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَأَكْثَرُ الْمَنْقُولِ مِنَ الْمَطَاعِنِ الصَّرِيحَةِ هُوَ مِنْ هَذَا الْبَابِ يَرْوِيهَا الْكَذَّابُونَ الْمَعْرُوفُونَ بِالْكَذِبِ، مِثْلَ أَبِي مُخَنَّفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَمِثْلُ هِشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْكَذَّابِينَ"②

زیادہ تر مطاعن وہ ہیں جنہیں وہ کذاب روایت کرتے ہیں جن کا جھوٹا ہونا معروف ہے، جیسے ابومخنف لوط بن یحییٰ اور جیسے ہشام بن محمد سائب کلبی اور ان جیسے دوسرے جھوٹے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ ہجری) نے ابومخنف کا تعارف یوں کروایا:

”لوط بن يحيى، أبو مخنف، أخباري تالف، لا يوثق به"③

لوط بن یحییٰ ابومخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا متروک راوی ہے، اس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔

---

①منهاج السنة، ج ۱ ص ۵۸ طبع السعودية. ②ايضاً ص ۸۱.

③ميزان الاعتدال، ج ۳ ص ۴۱۹ طبع دار المعرفة بيروت.

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

''أبو مخنف۔ اسمه لوط بن یحیی هالك"①

ابو مخنف جس کا نام لوط بن یحییٰ ہے وہ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

ایک اور جگہ لکھا:

''لوط بن یحیی أَبُو مخنف سَاقِط''②

لوط بن یحییٰ ایک گرا ہوا راوی ہے۔

اور ایک مقام پر لکھا:

''لوط بن یحیی، أَبُو مِخْنَف الکوفيُّ الرافضيُّ الأخباريُّ"③

لوط بن یحییٰ ابومخنف کوفی، رافضی تاریخی روایات بیان کرنے والا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ ہجری) نے ابومخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

''لوط بن یحیی أبو مخنف۔ أخباري تالف لایوثق به۔ ترکه أبو حاتم، وَغیره۔ وقال الدارقطني: ضعیف۔ وقال ابن مَعِین: لیس بثقة۔ وقال مرة: لیس بشيء۔ وقال ابن عَدِي: شیعي محترق صاحب أخبارهم"④

لوط بن یحییٰ ابومخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا قابل ردّ راوی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، ابوحاتم اور دوسروں نے اسے ترک کر دیا، دارقطنی نے اسے ضعیف کہا، ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں، اور ایک بار کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں، ابن عدی نے کہا کہ وہ جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا

---

①میزان الاعتدال، ج ۴ ص ۴۷۱۔

②المغنی في الضعفاء، ج ۲ ص ۱۳۵ طبع قطر.

③تاریخ الاسلام، ج ۴ ص ۱۸۹ طبع دار الغرب الاسلامي.

④لسان المیزان بتحقیق شیخ ابي غدة، ج ۶ ص ۴۳۰ طبع دار البشائر الاسلامیة.

راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ لکھا:

"أبو مخنف: لوط بن یحیی۔ ھالك" ①

ابومخنف لوط بن یحییٰ، ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

امام سیوطی (م ۹۱۱ ہجری) نے کہا:

"لوط والکلبي کذابان" ②

لوط (بن یحییٰ) اور کلبی دونوں کذاب ہیں۔

ابن عراق الکنانی (م ۹۶۳ ہجری) نے کہا:

"لوط بن یحیی أَبُو مخنف کَذَّاب تَالِف "③

لوط بن یحییٰ، جھوٹا اور قابل ردّ راوی۔

ابو مخنف کے بارے میں شیعہ امامیہ کے علماء کے اقوال:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابومخنف لوط بن یحییٰ کے بارے میں علماء شیعہ کے چند اقوال بھی پیش کر دیئے جائیں۔

عباس بن محمد رضا بن أبي القاسم القمی نے ''ابومخنف'' کے بارے میں لکھا:

"کان من اعاظم مؤرخي الشیعة" ④

یہ عظیم شیعہ مؤرخین میں سے تھا۔

ابو القاسم الخوئی ابومخنف کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

①لسان المیزان، ج ۹ ص ۱۵۹

②اللآلي المصنوعة في الاحادیث الموضوعة، ج ۱ ص ۳۵۵ دار الکتب العلمیة بیروت

③تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة، ج ۱ ص ۹۸ دار الکتب العلمیة بیروت

④الکُنی والالقاب، ج ۱ ص ۱۹۸ راوی نمبر: ۱۲۳ مؤسسة النشر الاسلامي، قُم

''فھو ثقة مسکون الی روایته''۔①

وہ ثقہ ہے اور اس کی روایت قابل اعتماد ہے۔

شیعہ کے علم رجال کے ماہر احمد بن علی النجاشی نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

''شیخ اصحاب الأخبار بالکوفة و وجههم و کان یسکن الی مایرویه"②

یہ کوفہ کے اخباریوں کا شیخ اور ان کی اہم شخصیت تھا، اور اس کی روایت پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

معرف شیعہ عالم عبداللہ المامقانی نے ابو مخنف کے بارے میں لکھا ہے:

"أنه لا ینبغي التأمل في کونه شیعیاً امامیاً... وبالجملة فکون الرجل شیعیاً امامیاً مما لا ینبغي الریب فیه"③

اس کے امامی شیعہ ہونے میں تأمل نہیں کرنا چاہئے...... خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آدمی (ابو مخنف ۔ ناقل) کا امامی شیعہ ہونا ایسی بات ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔

قارئین محترم! یہ ہے تعارف "ابو مخنف لوط بن یحییٰ الازدي الغامدي" کا، جسے ''کذاب'' ''رافضیوں کے لیے روایتیں گھڑنے والا'' ''رافضی'' ''جلا بھنا شیعہ'' ''ساقط'' ''ہالک'' ''تالف'' بتایا گیا ہے، نیز خود شیعہ علماء نے اسے ''اپنا عظیم مؤرخ'' اور ''امامی شیعہ'' تسلیم کیا ہے۔

---

①معجم رجال الحدیث، ج ۱۵ ص ۱۴۲ راوی نمبر: ۹۷۹۲ طبع مکتبة الخوئي، نجف۔

②رجال النجاشي، ص ۳۰۶ راوی نمبر: ۸۷۵ طبع مؤسسة الاعلمي بیروت۔

③تنقیح المقال طبع قدیم، ج ۳ ص ۴۳۔ یہ حوالہ شیخ یحییٰ بن ابراهیم بن علي الیحیی کی کتاب "مرویات ابي مخنف في تاریخ الطبري" طبع دار العاصمة، الریاض کے صفحہ ۴۲ سے لیا گیا ہے۔

نوٹ: ہمارے لیے یہ بات باعث تعجب ہے کہ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اس ابومخنف کی روایتوں کو ردّ کرنے والوں پر "ناصبت" کی چوٹ فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے یہ بحث کرتے ہوئے کہ شہادت کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام لے جایا گیا تھا یا نہیں؟، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ سر مبارک یزید کے پاس لے جایا گیا تھا، اور پھر قاری صاحب رحمہ اللہ نے دعوی کیا ہے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو راجح بتایا ہے، چنانچہ اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ میں ایک مفصل روایت تو ابی مخنف کی ہے جس کی روایتوں کو سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ ردّ کر دیتے ہیں''۔①

''حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لے جانے کے بارہ میں علماء میں اختلاف ہے، ترجیح سر کے لے جانے کو دی ہے''۔②

قاری صاحب کی اس بات پر محدث اعظمی رحمہ اللہ نے گرفت فرمائی تھی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اسی کتاب سے چند عبارات پیش کی تھیں جن میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''ابومخنف'' کو ''شیعی''، ''ضعیف'' اور ''متهم في الرواية'' لکھا تھا، نیز فرمایا ہے کہ

''اگر ابن جریر طبری نے ان روایات کو ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی اسے نقل نہ کرتا''۔

اور پھر محدث اعظمی رحمہ اللہ نے سوال کیا تھا کہ کیا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی ناصبی

① شہید کربلاء و یزید، صفحہ ۱۲۷، ادارہ اسلامیات، لاہور۔
② ایضاً: صفحہ ۱۲۸۔

تھے؟①

اس پر میں بھی عرض کرتا ہوں کہ ابو مخنف کے بارے میں جن ائمہ فن کے اقوال اوپر نقل کیے گئے کیا یہ سب ناصبی تھے؟ جو قاری صاحب رحمہ اللہ نے یہ لکھ دیا کہ ابی مخنف کی روایات کو ناصبی لوگ ردّ کر دیتے ہیں؟

سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا سر مبارک شام بھیجے جانے کی روایات پر ایک نظر:

یہاں اگرچہ ہمارا موضوع یہ نہیں، لیکن چونکہ قاری صاحب رحمہ اللہ نے ابن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی لکھا تھا کہ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید کے پاس شام لے جائے جانے کی بات کو ترجیح دی ہے، تو عرض ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

قُلْتُ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يَبْعَثْ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ كَمَا سَيَأْتِي۔②

میں کہتا ہوں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا، جیسا کہ آگے بھی آئے گا۔

اور پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایک جگہ پھر اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''وَأَمَّا رَأْسُهُ رضی اللہ عنہ فَالْمَشْهُورُ بَيْنَ أَهْلِ التَّارِيخِ وَعُلَمَاءِ السِّيَرِ أَنَّهُ بَعَثَ بِهِ ابْنُ زِيَادٍ إِلَى يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ أَنْكَرَ ذَلِكَ، وَعِنْدِي أَنَّ الْأَوَّلَ أَشْهَرُ۔ وَاللهُ أَعْلَمُ"③

جہاں تک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بات ہے، تو اہل تاریخ اور علماء

① دیکھیں: محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ، صفحہ ۶۸۔۶۹

②③ البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحه ۵۰۸ طبع دار هجر.

سیر میں مشہور تو یہ ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک، یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے، میرے نزدیک پہلی بات زیادہ مشہور ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس کے بعد پھر ایک جگہ یوں لکھا:

''وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ بَعْدَ هَذَا فِي الرَّأْسِ هَلْ سَيَّرَهُ ابْنُ زِيَادٍ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَى يَزِيدَ بِالشَّامِ أَمْ لَا؟ عَلَى قَوْلَيْنِ، وَالْأَوَّلُ أَشْبَهُ وَقَدْ وَرَدَ فِي ذَلِكَ آثَارٌ كَثِيرَةٌ. فَاللهُ أَعْلَمُ" ①

اس کے بعد علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا ابن زیاد نے سر مبارک کوفہ سے یزید کے پاس شام بھیجا تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور اس میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہے۔

نوٹ: البدایۃ والنہایۃ کے کچھ دوسرے ایڈیشنوں میں "والاول أشبه" کی جگہ "الأظهر" درج ہے اور عبارت یوں ہے:

"وقد اختلف العلماء بعدها في رأس الحسين هل سيره ابن زياد إلى الشَّام إلى يزيد أم لا، على قولين، الأظهر منهما أنه سيره إليه، وَقَدْ وَرَدَ فِي ذَلِكَ آثَارٌ كَثِيرَةٌ فَاللهُ أعلم" ②

لیکن مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن زیادہ مشہور یہی ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک شام بھیجا تھا، اور اس بارے میں بہت سے آثار پائے جاتے ہیں، آپ نے دیکھا کہ پہلے تو

---

① البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحه ۵۵۷ طبع دار هجر.

② طبع دار احياء التراث العربي، جلد ۸ صفحه ۲۰۹ /طبع دار الفكر، ج ۸ صفحه ۱۹۲.

حافظ ابن کثیر نے صاف طور پر لکھا کہ

''صحیح بات یہ ہے کہ سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا''

اس کے بعد یہ لکھا کہ

اہل تاریخ و علماء سیر میں مشہور یہ ہے کہ بھیجا گیا تھا، پھر یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کئی علماء نے اس بات کا انکار بھی کیا ہے، لیکن زیادہ مشہور پہلے والی بات ہے، اور اس بارے میں بہت سے آثار پائے جاتے ہیں، اور ساتھ ''واللہ اعلم'' بھی لکھا۔

اب ان تمام عبارات کو ملا کر کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ سر مبارک شام بھیجا گیا تھا، لیکن یہ صرف شہرت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ نہیں بھیجا گیا تھا؟

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں یہ ہرگز نہیں لکھا کہ:

یہ آثار صحیح ہیں، لیکن گیاوی صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے اور یوں شوشہ چھوڑا ہے کہ:

اظہر اور اشہر ہونے کی وجہ اور دلیل ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بتائی ہے کہ اس سلسلے میں بہت سارے آثار وارد ہوئے ہیں (جن کا انکار درست نہیں)①

یہاں گیاوی صاحب نے بین القوسین جو لکھا ہے کہ ''(جن کا انکار درست نہیں)'' یہ حافظ بن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ نہیں بلکہ گیاوی صاحب کے الفاظ ہیں، اور یہ الفاظ لکھ کر وہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس بات کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں جہاں انہوں

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۴۴۔

نے صراحت کے ساتھ لکھی تھی کہ:

"قُلْتُ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يَبْعَثْ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ... ①

''میں کہتا ہوں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا''۔

ہمارا سوال ہے کہ اگر گیاوی کے مطابق ان آثار کا انکار درست نہیں تھا تو پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ بات کیوں لکھی؟ اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کیوں لکھی کہ اگرچہ مشہور یہی ہے کہ سر مبارک شام لے جایا گیا تھا، کیا اس سے ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ آثار حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قابل اعتماد اور مستند نہیں تھے؟ اور بات بھی یہی ہے، سر مبارک شام لے جانے کی ایک بھی روایت صحیح نہیں، تفصیل کا یہ مقام نہیں اس لیے ہم صرف ان دو تین روایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو گیاوی صاحب نے نقل کی ہیں اور آگے چلتے ہیں۔

پہلی روایت گیاوی صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں ایک غیر معروف عورت "ریّا" کی بات بیان کی گئی ہے اور اس عورت کو یزید کی حاضنہ یعنی پالنے والی بتایا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی عمر سو سال کے قریب ہوئی تھی، عربی الفاظ یہ ہیں:

"يُقَالُ لَهَا: رَيَّا، حَاضِنَةُ يَزِيدَ، يُقَالَ: بَلَغَتْ مِائَةَ سَنَةٍ"

"اس عورت کو "ریّا" کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر سو سال ہوئی''۔

اب گیاوی صاحب کا فرض تھا کہ وہ اس غیر معروف عورت "ریّا" کا تعارف

① البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۸ طبع دار هجر.

کرواتے کہ یہ ثقہ ہے یا نہیں؟ اور کسی امام نے اس کی توثیق و تعدیل بھی کی ہے یا نہیں؟ اس کا مکمل تعارف کیا ہے؟ اور کہیں سے نہیں تو اسی "تهذيب التهذيب" سے ہی اس کا ترجمہ و تعارف کروا دیتے، لیکن یہ کام وہ قیامت تک نہیں کر سکتے، یہ بات انہیں بھی اچھی طرح معلوم تھی اس لئے نہایت چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس روایت کو "متصل الاسناد" اور بحوالہ ذہبی "قوية الاسناد" تو لکھتے ہیں۔لیکن اسے "صحيح" لکھنے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔

دوسرا اس روایت میں ایک راوی ''محمد بن یحییٰ بن حمزۃ الحضرمی'' ہے، اس کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''مُحَمَّد بن يحيى بن حَمْزَة الْحَضْرَمِيّ من أهل دمشق يروي عَن أَبِيه روى عَنهُ أهل الشَّام ثِقَة فِي نَفسه يتقى حَدِيثه مَا روى عَنهُ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يحيى بن حَمْزَة وَأَخُوهُ عبيد فَإِنَّهُمَا كَانَا يدخلَانِ عَلَيْهِ كل شَيْء"①

محمد بن یحییٰ بن حمزہ حضرمی، اہل دمشق میں سے ہے، یہ اپنے والد سے روایت کرتا ہے اور اس سے اہل شام روایت کرتے ہیں، فی نفسہ تو ثقہ ہے لیکن جو روایت اس سے (اس کا بیٹا) احمد بن محمد اور اس کا بھائی عبید بیان کرے اس سے دور رہا جائے، کیونکہ یہ دونوں اس کے سر کچھ بھی ڈال دیتے ہیں (یعنی اس کے نام سے کچھ بھی بیان کر دیتے ہیں)۔

اور خیر سے گیاوی صاحب کی پیش کردہ اس روایت میں ''محمد بن یحییٰ بن حمزۃ'' سے روایت کرنے والا بھی ''احمد بن محمد بن یحییٰ'' ہی ہے لہٰذا اس روایت سے بھی بچنا بقول ابن حبان ضروری ہے۔

---

① الثقات لابن حبان، جلد ۹ صفحہ ۷۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد، الهند۔

دوسری روایت گیاوی صاحب نے بحوالہ "سیر اعلام النبلاء" پیش کی ہے جس کی سند انہوں نے یوں نقل کی ہے:

كَثِيرُ ابنُ همام: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بنُ بُرْقَانَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي زِيَادٍ، قَالَ: لَمَّا أُتِيَ يَزِيْدُ بِرَأْسِ الحُسَيْنِ، جَعَلَ يَنكُتُ سِنَّهُ، وَيَقُوْلُ: مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَبَا عَبْدِ اللهِ بَلَغَ هَذَا السِّنَّ۔ وَإِذَا لِحْيَتُهُ وَرَأْسُهُ قَدْ نَصَلَ مِنَ الخِضَابِ۔ ①

اور ترجمہ یوں کیا ہے: کثیر ابن ہمام کہتے ہیں کہ ہم سے جعفر ابن برقان نے بیان کیا کہ یزید بن ابی زیاد نے کہا: جب یزید کے پاس سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو وہ آپ کے دندان مبارک کو کریدنے لگا اور کہہ رہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس عمر کو پہونچ گئے ہیں حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اور سر خضاب سے رنگا تھا۔

اور پھر گیاوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے:

''اس روایت کے تمام راوی مسلم شریف کے راویوں میں ہیں''۔

تو اس پر پہلی گذارش یہ ہے کہ سب سے پہلے راوی کا نام گیاوی صاحب نے ''کثیر رحمہ اللہ ابن ہمام'' جو عربی و اردو، دونوں جگہ نقل کیا ہے وہ درست نہیں، بلکہ "سیر اعلام النبلاء" میں یہ نام "کثیر بن هشام" لکھا ہے۔②، نیز ''جعفر بن برقان'' سے روایت کرنے والوں میں ''کثیر بن ہشام'' کا نام ہی ملتا ہے۔③

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ ذہبی نے اس روایت کی سند ''کثیر بن ہشام'' سے شروع کی ہے، اور کثیر بن ہشام کی وفات سنہ ۲۰۷ یا ۲۰۸ ہجری میں ہوئی ہے، جبکہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۴۵۔

② دیکھیں: سیر اعلام النبلاء، جلد۳ صفحہ ۳۲۰ مؤسسة الرسالة۔

③ دیکھیں: رجال صحیح مسلم لأبي بکر ابن منجویه متوفی ۴۲۸ھ ج ۲ ص ۱۵۵ طبع دار المعرفة، بیروت۔

امام ذہبی کی ولادت سنہ ۶۷۳ ہجری کی ہے، درمیان کی سند گیاوی صاحب نے بیان نہیں کی تاکہ اس کا جائزہ بھی لیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں ''یزید بن ابی زیاد'' سے مراد کون ہے؟ یہ گیاوی صاحب نے نہیں بتایا، لیکن چونکہ انہوں نے اسے ''صحیح مسلم'' کے راویوں میں شمار کیا ہے تو اس سے مراد یقیناً "يزيد بن أبي زياد القرشي الهاشمي أبو عبد الله مولاهم الكوفي" ہے، کیونکہ اسی راوی کے تعارف میں امام ذہبی نے ہی اپنی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے:

"خرّج له مسلم مقرونا بآخر"①

"امام مسلم نے اس کے ساتھ دوسرے راوی کو ملا کر روایت کی تخریج کی ہے''۔

تو اگر یہ راوی مسلم کے راویوں میں سے بھی ہو تو امام مسلم نے اس اکیلے کی روایت کی تخریج نہیں کی بلکہ بقول علامہ ذہبی اسے دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔

اب آیئے ذرا اس راوی پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

امام یحییٰ بن معین نے کہا:

لا يُحتج بحديثه

''اس کی حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے''۔

ایک جگہ کہا: یہ ضعیف ہے۔

امام ابو زرعہ نے کہا:

---

① میزان الاعتدال، جلد۴، ۴۲۴، دار المعرفة بيروت.

''اس راوی میں ٹیڑھا پن ہے، اس کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی''۔

امام نسائی نے کہا: ''یہ ضعیف ہے''۔

ابن المبارک سے منقول ہے کہ:

''اِرمِ بہ، یعنی اسے پھینک دو''

ابن فضیل نے کہا:

''یزید بن ابی زیاد، شیعہ کے بڑے اماموں میں سے تھا''۔

ابن عدی نے بھی کہا:

''یہ کوفہ کے شیعہ میں سے تھا''۔

امام دارقطنی نے کہا: یہ ضعیف اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے، امام احمد بن حنبل نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔①

اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یزید بن ابی زیاد کی عمر صرف ۱۴ سال تھی، کیونکہ اس کی پیدائش سنہ ۴۷ ہجری کی ہے، اور آخری عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی احادیث میں نکارت پائی جاتی ہے، لہٰذا اس کے کوفہ آنے کے بعد جن لوگوں نے اس راوی

---

① الجرح والتعدیل، ج ۹، ص ۲۶۵ طبع حیدرآباد، الھند / تھذیب الکمال للمزي، ج ۳۲ ص ۱۳۵ طبع مؤسسة الرسالة بیروت / الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي، ج ۹ ص ۱۶۳ طبع دار الکتب العلمیة بیروت / الضعفاء والمتروکین للنسائي، ص ۱۱۱، دار الوعي حلب / المغني في الضعفاء للذھبي، ج ۲ ص ۷۴۹ میزان الاعتدال، ج ۴ ص ۴۲۳ دار المعرفة بیروت / تھذیب التھذیب، ج ۱۱ ص ۳۳۱ طبع حیدرآباد، الھند / موسوعة اقوال الامام احمد بن حنبل في رجال الحدیث وعلله، ج ۴ ص ۱۵۰، طبع عالم الکتب بیروت۔

سے حدیث سنی اس سماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے''۔①

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

"وَأَمَّا حَمْلُهُ إِلَى عِنْدِ يَزِيدَ فَبَاطِلٌ وَإِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ"②

''سر مبارک کے یزید کے پاس لے جائے جانے کی بات باطل ہے اور اس کی سند منقطع ہے''۔

ہاں اگر گیاوی صاحب **"مستورۃ الحال"عورت "ریّا"** کی توثیق وتعدیل کہیں سے ثابت کر دیں، یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ''چودہ سال کی عمر والے لڑکے'' ''یزید بن ابی زیاد'' کا اس واقعہ کے وقت دمشق میں ہونا ثابت کر دیں، اور پھر اسے بھی ثقہ ثابت کر دیں تو ان کی نقل کردہ روایات پر غور ہوسکتا ہے، لہٰذا گیاوی صاحب کا ایسی روایات کو ''صحیح'' لکھنا③ سراسر ضد اور سینہ زوری ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

محمد بن زکریا الغلابی:

آیئے اب ایک تیسری شخصیت محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف دیکھتے ہیں:

امام دارقطنی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ

"یضع الحدیث" یہ حدیثیں گھڑتا ہے۔④

امام ذہبی (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

---

①المجروحین لابن حبان، ج۳ص ۹۹ دار الوعي حلب.

②منهاج السنة، جلد۸صفحه ۱۴۲ طبع السعودية.　③ایضاًصفحه ۱۴۶.

④سؤالات الحاكم للدار قطنى، صفحه ۱۴۸ مكتبة المعارف، الرياض.

"محمد بن زکریا الغلابي كذاب"①

محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے۔

امام ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے اس کی ایک روایت کو اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے اور اسے "موضوع" (من گھڑت) بتایا ہے (اور گیاوی صاحب نے اسی روایت کو اپنی دلیل بنایا ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا) اور پھر ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

''محمد بن زکریا الغلابی'' غالی قسم کا شیعہ تھا، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔②

امام ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے ایک جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر کر کے لکھا ہے:

''هذا حديث موضوع وضعه محمد بن زكريا"③

''یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے''۔

قارئین محترم! یہ تھا تعارف مولانا سید طاہر حسین گیاوی کے اپنے حق میں پیش کردہ ''تین گواہوں'' کا، ہم ہر ''مصنف مزاج انسان'' سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ان تین راویوں کے مندرجہ بالا پیش کردہ تعارف کو ذہن میں رکھ کر گیاوی صاحب کی کتاب کا مطالعہ شروع کریں، اور پھر اس کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد نوری قاسمی کی اس بات کا جائزہ لیں کہ:

''گیاوی صاحب نے اس شان کی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے

① میزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ دار الفکر بیروت.

② الموضوعات لابن الجوزي، جلد ۳ صفحہ ۲۷۸ المكتبة السلفية، المدينة.

③ ایضاً، جلد ۱ صفحہ ۴۱۸.

قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا''۔

گیاوی صاحب کی کتاب کا نام ''شہید کربلا اور کردار یزید'' کیوں؟:

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا ہے ''شہید کربلا اور کردار یزید''، لیکن کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کہ:

''ہماری کتاب کے اندر زیادہ حصے پر یزیدی کردار اور اس کے فاسق ہونے کے کارنامے بدلائل ذکر کیے گئے ہیں، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تفصیل اور اس کے متعلقات پر بحث نہیں کی گئی ہے، ایک تو اس لیے کہ یزید کے فسق کا صرف اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کے فسق کے لیے اور بھی واقعات اور دلائل موجود ہیں، دوسرے اس لئے بھی کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ حکیم السلام (یعنی قاری طیب صاحب۔ناقل) کی کتاب ''شہید کربلاء اور یزید'' کا موضوع ہے اور اس میں تفصیل سے آچکا ہے، میں نے اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے''۔①

ہمارا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ اگر آپ نے ''قتل حسین رضی اللہ عنہ'' کے واقعہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے دوسرے صحابہ سے اختلافی موقف، اس کے اسباب و وجوہات کو نظر انداز ہی کرنا تھا اور آپ کا موضوع صرف یزیدی کردار اور اس کا فسق ہی تھا تو پھر آپ نے اپنی کتاب کا نام ''شہید کربلا اور کردار یزید'' کیوں رکھا؟ صرف کردار یزید کیوں نہ رکھا؟ آپ ''علمی محاسبہ'' کرنے چلے ہیں محدث کبیر و محقق جلیل علامہ اعظمی رحمہ اللہ کا اور حال یہ ہے کہ آپ خود اپنی کتاب کا نام تک اپنے موضوع کے مطابق نہیں رکھ سکے...... لیکن ہمارے خیال میں گیاوی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ محدث

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱.

اعظمی رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

''یزید کی زندگی میں سوائے اس وفد کے جو مدینہ سے شام گیا، کسی نے بھی یزید کی شراب خواری وغیرہ کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا، اور اس وفد کے بیان کی بھی خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد ابن حنفیہ نے تکذیب کر دی ہے''۔①

یہ بات سو فیصد درست اور حقیقت ہے، گیاوی صاحب خوب جانتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کے کردار کے بارے میں یا اس کے فسق وشراب خوری کے بارے میں ایک لفظ بھی وہ ثابت نہیں کر سکتے، نیز محدث اعظمی رحمہ اللہ نے جو یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ بتانا پڑے گا کہ ''یزید کب فاسق ہوا تھا''، یہ سوال بھی اپنی جگہ بہت اہم اور بنیادی ہے، کیونکہ ہمیں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ''یزید فاسق'' تھا، لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ یزید میں یہ فسق کب ظاہر ہوا تھا؟ اس کی ولی عہدی کے دور میں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی یا بعد کے کسی زمانے میں؟ اگر دور ولی عہدی میں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی ہوا تھا تو سوال یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ وتابعین کو بھی اس فسق وفجور کا علم تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو دمشق سے سینکڑوں میل دور بیٹھے اہل مدینہ کو اس کا علم کیسے ہو گیا؟ اور اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ صحابہ کو بھی علم تھا تو پھر انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے بااختیار خود ایسے فاسق وفاجر اور زانی وشرابی کو خلیفہ نامزد کیوں کیا یا اس کی نامزدگی برقرار کیوں رکھی؟ جبکہ بااختیار خود کسی عام درجے کے فاسق وفاجر کو بھی خلیفہ بنانا مسلمانوں کے لیے گناہ ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے (گیاوی صاحب اپنے آپ کو

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ ۴۷.

ولی اللہی جماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں) خلیفہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ:

''خلیفہ عادل ہو، کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو''۔①

اور پھر ساری شرائط ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ:

''اگر کسی ایسے کو خلیفہ بنائیں جن میں یہ شرائط نہ پائے جاتے ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گناہگار ہوں گے''۔②

جس سے ثابت ہوا کسی ایسے شخص کو جان بوجھ کر خلیفہ بنانا جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا نہ ہو (جسے فاسق کہا جاتا ہے) یہ گناہ کا کام ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وَعَنْ بَعْضِهِمْ لَا يَجُوزُ عَقْدُ الْوِلَايَةِ لِفَاسِقٍ ابْتِدَاءً فَإِنْ أَحْدَثَ جَوْرًا بَعْدَ أَنْ كَانَ عَدْلًا فَاخْتَلَفُوا فِي جَوَازِ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ وَالصَّحِيحُ الْمَنْعُ إِلَّا أَنْ يَكْفُرَ فَيَجِبُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ۔③

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ فاسق کی ولایت کا انعقاد کرنا (یعنی اسے حاکم بنانا) جائز ہی نہیں، ہاں اگر (حاکم بننے کے وقت تو وہ عادل تھا) لیکن بعد میں اس سے ظلم ظہور پذیر ہوا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس کے خلاف خروج بھی منع ہی ہے، مگر یہ کہ وہ کفر اختیار کرے تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے۔

---

①ازالۃ الخفاء: ج ۱ ص ۲۰ مترجم اردو۔

②ایضاً، صفحہ ۲۳۔

③فتح الباری، صفحہ ۸ جلد ۱۳ دار المعرفۃ بیروت۔

لٰہذا یزید کو فاسق و فاجر جانتے ہوئے اس کی بیعت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اعتراض بہر حال آتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایک فاسق کو والی بنایا، تو اس طرح ان صحابہ کا دفاع کیسے ممکن ہے؟

اس لئے سب سے پہلے اس بات کی تنقیح بہت ضروری ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان چار یا پانچ صحابہ کا اختلاف جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف دیا تھا، یزید کی ذات وکردار پر تھا یا اس طریقے پر تھا جس طریقے سے یزید کو ولی عہد بنایا گیا تھا؟، انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی کیا وجہ بیان کی تھی؟ یزید کا فسق یا کچھ اور؟ اور کیا ان حضرات کا یہ اختلاف یزید سے تھا یا دوسری طرف والے ان جمہور صحابہ سے تھا جنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا تھا؟

اور یہ بات ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کی شہادت تک کسی بھی مرحلے میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے اس اختلاف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور یا اس کی ذات کو بتلایا ہو، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی آناً فاناً تو نہیں ہوگئی تھی کہ ان سے اس بنیاد کا منقول ہونا پردۂ خفاء میں رہ گیا ہو، بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے یزید کی ولی عہدی سے، پہلے دن سے ہی اختلاف کیا اور عراق کی طرف اپنے خروج تک اس پر قائم بھی رہے، ولی عہدی کے زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذاکرات ہوئے، ان کی وفات کے بعد گورنر مدینہ سے اس پر گفتگو ہوئی، مدینہ سے مکہ کا سفر ہوا، وہاں صحابہ وتابعین سے صلاح مشورے ہوئے، کوفہ کی طرف نکلے تو صحابہ وتابعین نے روکا، کربلا پہنچے تو تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ یزیدی فوج کے ذمہ داروں سے آپ کی بالمشافہ باتیں ہوئیں، ان تمام مراحل میں کیا کسی بھی مرحلے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

نے اپنے اس خروج کی بنیاد یزید کے فسق کو فجور کو قرار دیا؟ بلکہ کیا کہیں کسی موقع پر اس کے فسق و فجور کا نام بھی لیا؟

اس لئے گیاوی صاحب ان تمام باتوں کی تنقیح کیے بغیر اور ان سے صرف نظر کر کے کیوں آگے جانا چاہتے ہیں؟ جبکہ وہ خود اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ "**محمد زکریا الغلابی**" (کذاب و وضاع) کی ایک روایت کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں (اور ادھوری نقل کرتے ہیں) یہ غور کیے بغیر کہ اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ وقت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کتنا بڑا اعتراض آتا ہے کہ (اس جھوٹی روایت کے مطابق) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں آتا ہے کہ یزید شراب پیتا ہے، اور وہ یزید پر "شرب خمر" کی حد جاری کرنے کے بجائے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ:

''بیٹا ایسے کام دن کی روشنی میں نہ کیا کرو بلکہ رات کے اندھیرے میں کیا کرو''۔ (العیاذ باللہ)

گیاوی صاحب نے یزید کو شرابی ثابت کرنے کے لیے اس روایت کا پہلا حصہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۔۲۴ پر بحوالہ "البدایۃ والنہایۃ" طبرانی سے نقل کیا ہے (جبکہ ہم نے بہت تلاش کیا ہمیں یہ روایت طبرانی کی کسی کتاب میں نہیں ملی، نہ جانے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبرانی کی کس کتاب سے یہ لی ہے؟)، بہرحال گیاوی صاحب یہ روایت پیش کر کے لکھتے ہیں:

''اس روایت کے راویوں میں سب ثقہ ہیں، صرف محمد بن زکریا غلابی ضعیف ہیں، اور وہ ثقہ سے روایت کر رہے ہیں اس لیے قابل اعتبار اور

دوسرے راویوں کی وجہ سے لائق اعتماد بھی ہیں''۔①

ہم یہ گیاوی تحقیق سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک ایسا راوی جسے "کذاب" اور ''حدیثیں گھڑنے والا'' کہا گیا ہے، اس کے بارے میں بڑے آرام سے یہ لکھ رہے ہیں کہ

''وہ ثقہ سے روایت کر رہا ہے اس لیے قابل اعتبار ہے''۔

پھر گیاوی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۳-۱۲۴ پر ابوالفرج اصفہانی کی "كتاب الاغاني" کے حوالے سے ایک روایت پیش کرتے ہیں جسے وہ خود بقلم خود ''غیر معتبر'' بھی لکھتے ہیں لیکن ثابت یہ کر رہے ہیں کہ یزید کا فسق تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی سے ہی چلا آ رہا تھا، اور پھر گیاوی صاحب اس روایت پر اپنے مقدمہ کی بنیاد قائم کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''یہ روایت بتاتی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حیات میں ہی شروع ہو چکی تھی، وہ بھلے واقف نہ ہوں، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی، یزید کے سلسلہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی......''۔②

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسی شاندار تحقیق ہے کہ کذاب، جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے راویوں کی روایات کی بنیاد پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھی جائے اور خود یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ ''یہ روایت غیر معتبر ہے''؟ اسے تحقیق نہیں بلکہ تلبیس کہتے ہیں۔

بہرحال مجھے یہاں یزید کے فسق و شراب نوشی سے بحث نہیں کرنی، بلکہ بتانا یہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴.
② ایضاً صفحہ ۱۲۵.

مقصود ہے کہ محدث اعظمی رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

''یزید کی زندگی میں سوائے اس وفد کے جو مدینہ سے شام گیا، کسی نے بھی یزید کی شراب خواری وغیرہ کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا''۔

یہ بالکل درست لکھا ہے، اگر گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے پاس کوئی ایک ''صحیح'' اور ''مستند'' روایت ہوتی تو وہ ضرور پیش کرتے، رہی بات ''محمد بن زکریا غلابی'' جیسے کذاب اور وضاع کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر صریح طعن پر مشتمل روایت کی؟ تو ہم صحابہ کرام پر طعن کرنے والی ایسی روایات کو گوزشتر (اونٹ کے پاد) سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ (محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف ہم پہلے کروا چکے ہیں)۔

اب آتے ہیں دوسری طرف، اگر یزید کا فسق و فجور دور ولی عہدی اور حیات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد کسی دور میں ظاہر ہوا تھا (جیسا کہ گیاوی صاحب اور ہمنوا یہ بتاتے ہیں کہ:

''وہ فاسق و شراب نوش تو پہلے سے تھا لیکن اس کا فسق و فجور نہ سب کو معلوم تھا اور نہ ہی اعلانیہ یہ کام کرتا تھا، فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا، فاسق مجاہر تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور رازدارانہ طور پر در پردہ جو کچھ وہ کرتا تھا اب مکمل کھل کر اعلانیہ کرنے لگا)''۔①

تو پھر ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ یزید کے اس ''خفیہ اور در پردہ'' فسق کی خبر گیاوی صاحب کو کس نے دی؟ اور اس کی خبر اس مخبر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ دی؟ گیاوی صاحب کو چاہئے تھا وہ ہمیں بتاتے کہ ان کا یہ ''مخبر'' کون ہے؟ اگر تو ''محمد

① خلاصہ: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۵۔

بن زکریا الغلابی'' یا ''واقدی'' و''ابومخنف'' ہے تو ان کا حال ہم پہلے بیان کر چکے، پھر کیا گیاوی صاحب، قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی اس تحقیق سے متفق نہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف کھڑے ہی تب ہوئے تھے جب اس کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا؟ غور سے پڑھیں:

''جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تو کوفہ کے اہل بیت کی جماعت نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اہل کوفہ کے پاس تشریف لے آویں، تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اب یزید کے خلاف کھڑے ہو جانا متعین ہے اس کے فسق کی وجہ سے''۔①

قاری صاحب کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید پہلے سے ہی ''فاسق مجاہر'' تھا، اسی لئے تو ان کے خیال میں یزید کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا، جبکہ گیاوی صاحب ہمیں کچھ اور بتا رہے ہیں۔

اور دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ نے روز اول سے ہی اس کی ولی عہدی سے اختلاف کس بنیاد پر کیا تھا؟ یعنی اس کے فسق و فجور کی بنیاد پر یا کسی اور وجہ سے؟

ہمارے خیال میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اختلافی موقف کی حقیقت سمجھنے کے لئے بنیادی طور پر ان باتوں کی تنقیح ضروری ہے۔

نمبر ا: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف کس سے تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم سے یا یزید سے؟۔

نمبر ۲: اختلاف کس مسئلے میں تھا، یزید کی ذات میں یا ولی عہدی کے طریق کار میں؟۔

نمبر ۳: اختلاف کی بنیاد کیا تھی، اصولِ اجتہاد اور قواعد خلافت یا یزید کا فسق و عدل؟

---

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵۔۸۶، ادارہ اسلامیات لاہور۔

(یا دوسرے لفظوں میں موقف حسینی کی صحت و عدم صحت کی بنا کیا تھی؟ فسق و عدلِ یزید یا اصول خلافت و قواعد اجتہاد)۔

ہمارے نزدیک امرِ واقعہ یہی ہے کہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھا اور طریق انعقادِ خلافت میں تھا اور پھر اصولِ خلافت و قواعدِ اجتہاد پر مبنی تھا، یزید کے فسق و عدل پر مبنی نہ تھا (اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے)، ورنہ جیسا کہ صحیح روایات میں مذکور ہے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفیوں کی غداری دیکھ کر اپنے پہلے موقف سے رجوع نہ کرتے اور یزید کی بیعت پر تیار نہ ہوجاتے، نیز (یزید کی ولی عہدی کی تجویز پر بات چیت کے دوران) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان کے خلافت سے علیحدہ ہوجانے پر یزید کی بیعت پر رضامندی ظاہر نہ کرتے، تاریخ طبری میں صحیح سند کے ساتھ کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کی گئی اس تجویز کا ذکر موجود ہے، جس میں یہ ہے کہ

"أن يسيروه إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فيضع يده فِي يده"①

''کہ انھیں امیر المؤمنین کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیں''۔

بلکہ اسی روایت میں اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے:

"فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يَزِيد..."

''کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، یزید کے پاس جانے کے لیے شام کے راستے پر بھی ہولئے تھے''۔

①تاریخ الطبری، ج۵ ص ۳۹۲ دار التراث بیروت / البدایة والنهایة، جلد ۱۱، صفحہ ۵۱۸ دار هجر۔ اس روایت کو "صحیح تاریخ الطبری" کے محققین نے صحیح تسلیم کیا ہے: ج۴ ص ۶۸ نیز ڈاکٹر محمد شیبانی نے "مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاويه" میں بھی اس کی سند کو صحیح بتایا ہے: ص ۳۴۲۔

تو اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے تھا تو کیا ان کے کربلا میں پہنچنے کے بعد یزید نے فسق و فجور سے توبہ کر لی تھی جو آپ اسے ''امیر المؤمنین'' کہتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی تجویز دیتے ہیں؟

نوٹ: ہم نے اوپر جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس میں کوئی ایک راوی بھی ضعیف نہیں، اور "ھلال بن یساف" (یا"اساف") جو یہ بات بیان کر رہے ہیں وہ متفق علیہ ثقہ تابعی ہیں اور کوفہ کے رہنے والے ہیں، انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور دوسرے کئی صحابہ کرام کے علاوہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت بھی کرتے ہیں۔ ①

یہ بات اس لیے عرض کر دی کہ آج کل کچھ نئے محققین یہ سوال کرتے ہیں کہ ثابت کرو کہ ہلال بن یساف نے واقعہ کربلا کا زمانہ پایا ہے، تاہم ایسی ہی ایک روایت اسی تاریخ طبری میں گیاوی صاحب کے ممدوح "**ابو مخنف لوط بن یحییٰ**" کے واسطے سے بھی مروی ہے، جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بات مذکور ہے الفاظ ہیں......

''أو أن يأتي يَزِيد أَمِير الْمُؤْمِنِينَ فيضع يده فِي يده'' ②

کسی اور کے لئے یہ روایت قابل قبول ہو نہ ہو، گیاوی صاحب کے لیے یہ روایت بھی حجت ہوگی۔

تو گیاوی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ بات کو ابتداء سے شروع کرتے اور کذاب و وضاع راویوں اور باقرار خود ''غیر معتبر'' روایات سے نہیں بلکہ اگر ان کے

① تھذیب التھذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۸۶۔

② تاریخ طبری، جلد ۵ صفحہ ۴۱۴۔

پاس محدث اعظمی رحمہ اللہ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی مستند اور صحیح دلائل تھے تو وہ پیش کرتے تا کہ ''منصف مزاج'' آدمی دونوں طرف کے دلائل پڑھ کر یہ فیصلہ کر پاتا کہ کون سا موقف درست ہے اور مضبوط دلائل پر قائم ہے، لیکن انہوں نے تو اپنی کتاب کی ابتداء ہی ''واقعہ حرہ'' سے کی ہے، لہٰذا ہم بھی اب اسی پر آتے ہیں۔

گیاوی صاحب کی کتاب کا آغاز واقعہ حرہ سے:

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اپنی بحث کا آغاز جس عنوان سے کیا ہے وہ ہے ''یزید کی بیعت اور اہل مدینہ'' اور پھر واقعہ حرہ سے متعلق صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کی ہے نیز لکھا ہے کہ

> ''واقعہ کی ابتدا قاعدے میں اس سے نہیں ہونی چاہئے تھی مگر وہ روایت اس بحث میں نہایت اہمیت کی حامل ہے اس لیے آغاز اسی سے کر دیا ہے''۔①

یعنی گیاوی صاحب ایک دم سنہ ۶۳ ہجری پر آ گئے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آنجناب کے پاس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رجب سنہ ۶۰ ہجری میں وفات سے لے کر سنہ ۶۳ ہجری تک یزید کے بارے میں اپنے دعوے کے حق میں کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہ تھی، اگر ہوتی تو انہیں ابو الفرج اصفہانی کی "کتاب الاغاني" سے بے سرو پا باتیں اور ''محمد زکریا الغلابي'' جیسے کذاب و وضاع کی روایت پر تکیہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

بہر حال ہم بھی سمجھتے ہیں کہ واقعہ حرہ کو سمجھنے کے لیے صحیح بخاری کی یہ روایت واقعی بہت اہمیت کی حامل ہے، اس روایت پر آنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ محدث

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۔

اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا یہ اقتباس غور سے پڑھ لیا جائے جو انہوں نے اسی واقعہ حرہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''......ہم اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہرگز ہرگز یزید کو ولی، یا خلیفہ راشد، یا امام ومقتدا ثابت کرنا نہیں ہے، نہ ہم اس کو زمرہ ابرار واتقیائے مسلمین میں شمار کرنے کو کہتے نہ شمار کرتے ہیں، اور نہ ہم اس کے ساتھ ایسی حسن عقیدت رکھنے کی دعوت دیتے ہیں جو عقیدت خلفاء راشدین، ائمہ دین، بزرگان اسلام، صالحین ومتقین یا متشرع وعادل بادشاہوں کے ساتھ رکھی جاتی ہے، ہمارا مقصد تو صرف اتنا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ سنی ہونے اور مسلک اہل حق پر اپنے کو قائم ثابت کرنے کے لیے یزید کے فسق وفجور کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے، نہ یہ بات عقائد اہل سنت میں داخل ہے''۔①

اب آیئے دیکھتے ہیں گیاوی صاحب نے صحیح بخاری کی کون سی روایت پیش کی ہے:

''لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلاَ بَايَعَ فِي هَذَا الأَمْرِ، إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ"②

① محدث اعظمی کا تبصرہ بر شہید کربلا ویزید صفحہ: ۴۹-۵۰۔

② صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۷۱۱۱۔

(ترجمہ از گیاوی صاحب) ''جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاص لوگوں اور اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ فرما رہے تھے ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اسی کے خلاف جنگ و قتال بھی کیا جائے، اس لیے میں تم میں سے کسی کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملے میں کسی کی بیعت کرے، اِلّا یہ کہ یہ بات میرے اور اس شخص کے علیحدگی کی باعث ہوگی''۔①

فاسق حاکم کے خلاف خروج کا حکم:

قارئین محترم! اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ گیاوی صاحب نے اگر صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کر ہی دی تھی جس میں سنہ ۶۳ ہجری میں (چند) اہل مدینہ کے یزید کے بیعت توڑنے کا ذکر ہے اور ان بیعت توڑنے والوں کے بارے میں جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مبنی بر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلے اور اپنے اہل وعیال کو سختی سے بیعت نہ توڑنے کی نصیحت کا بیان ہے، تو وہ یہ بھی بیان فرما دیتے کہ اہل سنت والجماعت کا موقف اس بارے میں کیا ہے؟ لیکن گیاوی صاحب کا مقصد چونکہ صحیح بخاری کی روایت سے استدلال نہ تھا بلکہ جس واقعہ کا اس روایت میں ذکر ہے اس سے متعلقہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲

جھوٹے اور کذاب راویوں کی روایات سے اپنا موقف ثابت کرنے پر ان کی توجہ تھی اس لیے وہ اس روایت سے مستنبط ہونے والے مسائل و احکام کو گول کر گئے، حالانکہ گیاوی صاحب کو چاہئے تھا کہ اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کہ مسلک اہل سنت کی رُو سے فاسق و فاجر اور ظالم و جائر حکمرانوں کے خلاف بھی خروج کرنا اور شرع کے مطابق ان کے احکام میں ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا جائز نہیں ہے، چنانچہ حافظ حدیث اور حنفی عالم امام طحاوی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۱ ہجری) اہلِ سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُورِنَا وإن جاروا ولا ندعوا عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ... الخ"①

''یعنی ہم اپنے حکام اور والیوں پر خروج جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ وہ بے راہ رو ہوں، اور نہ ان پر بددعا کرتے ہیں، اور نہ ان کی اطاعت سے کنارہ کش ہوتے ہیں''۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے بھی شرح عقائد میں اہلِ سنت کا یہی عقیدہ بیان کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

"ولا يرون الخروج عليهم"②

یعنی اہل سنت والجماعت اپنے ائمہ کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

بلکہ امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو فاسق حاکم کے خلاف خروج کا ناجائز ہونا جمہور علماء اہل سنت کا قول بتلایا ہے:

---

① العقيدة الطحاوية، صفحه ۶۸ طبع المكتب الاسلامی بیروت۔

② شرح العقائد مع شرحه النبراس، ص ۵۳۹۔

''وَقَالَ جَمَاهِيرُ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ وَالْمُتَكَلِّمِينَ لَا يَنعَزِلُ بِالْفِسقِ وَالظُّلْمِ وَتَعْطِيلِ الْحُقُوقِ وَلَا يُخْلَعُ وَلَا يَجُوزُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ بَلْ يَجِبُ وَعْظُهُ وَتَخْوِيفُهُ لِلْأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ فِي ذَلِكَ" ①

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَلِهَذَا استقر أمر أهل السنة على ترك الْقِتَال فِي الْفِتْنَة للأحاديث الصَّحِيحَة الثَّابِتَة عَن النَّبِي ﷺ وصاروا يذكرون هَذَا فِي عقائدهم ويأمرون بِالصبرِ على جور الْأَئِمَّة وَترك قِتَالهم"۔②

''یعنی اہل سنت کی رائے اس بات پر قرار پا گئی کہ زمانہ فتنہ میں قتال نہ کیا جائے کیونکہ اس بارے میں نبی ﷺ سے صحیح احادیث ثابت ہیں، اور وہ (اہل سنت) اپنے عقائد میں یہ بات ذکر کرتے ہیں اور اپنے حکام اور والیوں کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے قتال ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، حُکام و امراء کی اطاعت وفرمانبرداری سے متعلق صحیح بخاری میں مروی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قَالَ بن بَطَّالٍ فِي الْحَدِيثِ حُجَّةٌ فِي تَرْكِ الْخُرُوجِ عَلَى السُّلْطَانِ وَلَوْ جَارَ وَقَدْ أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ عَلَى وُجُوبِ طَاعَةِ السُّلْطَانِ الْمُتَغَلِّبِ وَالْجِهَادِ مَعَهُ وَأَنَّ طَاعَتَهُ خَيْرٌ مِنَ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ لِمَا فِي ذَلِكَ مِنْ حَقْنِ الدِّمَاءِ وَتَسْكِينِ الدَّهْمَاءِ وَحُجَّتُهُمْ هَذَا الْخَبَرُ وَغَيْرُهُ مِمَّا يُسَاعِدُهُ وَلَمْ يَسْتَثْنُوا

①شرح النووي على صحيح مسلم: جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۹ دار احیاء التراث العربي، بيروت.

②منهاج السنة، جلد ۴ صفحه ۵۲۹ طبع سعوديه / المنتقى من منهاج الاعتدال، جلد ۱ صفحہ ۲۹۷ طبع سعوديه.

مِنْ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا وَقَعَ مِنَ السُّلْطَانِ الْكُفْرُ الصَّرِيحُ فَلَا تَجُوزُ طَاعَتُهُ فِي ذَلِكَ بَلْ تَجِبُ مُجَاهَدَتُهُ لِمَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا كَمَا فِي الْحَدِيثِ الَّذِي بعده"①

''ابن بطال نے کہا ہے اس حدیث میں ظالم بادشاہ کے خلاف بھی خروج کے ترک پر دلیل ہے، فقہاء کا سلطان متغلب کی اطاعت اور اس کے زیر سایہ جہاد کے واجب ہونے پر اجماع ہے، اور اس کی اطاعت اس کے خلاف خروج سے بہتر ہے کیونکہ اسی میں خونوں کی حفاظت ہے، اور ان فقہاء کی دلیل یہ اور اس جیسی دوسری احادیث ہیں، اور انہوں نے کوئی استثناء نہیں کی مگر یہ کہ اگر بادشاہ سے صریح کفر کا وقوع ہو تو اس صورت میں اس کی اطاعت جائز نہیں بلکہ جو قدرت رکھے اس کے لیے اس سے جہاد واجب ہوگا جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے''۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں اس امام سے متعلق جو پہلے عادل تھا پھر جائر ہو گیا، حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَإِنْ أَحْدَثَ جَوْرًا بَعْدَ أَنْ كَانَ عَدْلًا فَاخْتَلَفُوا فِي جَوَازِ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ وَالصَّحِيحُ الْمَنْعُ إِلَّا أَنْ يَكْفُرَ فَيَجِبُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ"۔②

ہاں اگر (حاکم بننے کے وقت تو وہ عادل تھا) لیکن بعد میں اس سے ظلم ظہور پذیر ہوا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس کے خلاف بھی خروج منع ہے، مگر یہ کہ وہ کفر اختیار کرے تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے۔

---

①فتح الباری، ج۱۳ ص۷ دار المعرفۃ بیروت۔

②ایضاً، ج۱۳ ص۸۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (گیاوی صاحب اپنے آپ کو ''جماعت ولی اللہی'' کی طرف منسوب کرتے ہیں)، زمانہء فتنہ کے نبوی احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پہلا (حکم) یہ کہ جب (تم پر) کوئی شخص غیر مستحق خلافت مسلط ہو جائے تو ان احکام میں جو شرع کے موافق ہوں تم پر اس کی اطاعت واجب ہے، نہ ان احکام میں جو شرع کے مخالف ہوں۔ دوسرا (حکم) یہ کہ اس سے بغاوت نہ کی جائی اور نہ اس سے جنگ کی جائے، ہاں اگر اس سے کفر صریح ظاہر ہو تو (اس حالت میں بغاوت اور لڑائی درست ہے) یہ مضمون متواتر بالمعنی ہے''۔

آگے احادیث نقل کر کے تیسرا حکم یہ بیان کیا ہے کہ:

''جب کسی شخص کی بیعت منعقد ہو گئی اور اس کا تسلط قرار پذیر ہوا، اب اگر دوسرا شخص اس پر خروج کرے اور اس سے لڑے تو اس کو قتل کرنا چاہئے، وہ خروج کرنے والا خواہ پہلے شخص سے افضل ہو یا اس کے برابر ہو یا اس سے مفضول ہو''۔①

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''کسی سلطان (کی حکومت) پر مسلمانوں کے متفق ہو جانے کے بعد اس سلطان سے بغاوت کرنا حرام ہے اگرچہ وہ سلطان، خلافت کی شرطوں کا جامع نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اُس سے صریح کفر ظاہر ہو''۔②

نوٹ: مسلمان حاکم اور امیر کی اطاعت کے لازم ہونے اور اس کے خلاف

① ازالۃ الخفاء مترجم، جلد ۱ صفحہ ۵۳۶ قدیمی کتب خانہ کراچی.
② ایضاً، ج ۱ ص ۱۳۱.

خروج کی ممانعت پر مزید حوالے آگے آئیں گے ان شاء اللہ۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی ایک روایت سے گیاوی صاحب کا استناد:

لہٰذا گیاوی صاحب نے اگر صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کر ہی دی تھی تو غیر جانبدارانہ تحقیق یہ ہوتی کہ آپ اس روایت سے مستنبط ہونے والے حکم اور اس کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی بھی زیادہ نہیں تو تھوڑی سے وضاحت ضرور فرما دیتے، لیکن آپ صحیح بخاری کی اس روایت کو نقل کرنے کے فوراً بعد ''مذکورہ بالا روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق'' کی سرخی لگاتے ہیں اور پھر بات کا رخ ''صحیح بخاری'' سے ''تاریخ طبری'' میں مذکور ''ابو مخنف لوط بن یحییٰ'' کی ایک روایت کی طرف موڑ دیتے ہیں اور اس کے بعد طبری کی اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تقریباً تین صفحات سیاہ کرتے ہیں، چنانچہ پہلے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

"قُلْتُ وَكَانَ السَّبَبُ فِيهِ مَا ذَكَرَهُ الطَّبَرِيُّ مُسْنَدًا أَنَّ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ كَانَ أَمر على الْمَدِينَةَ بن عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَأَوْفَدَ إِلَى يَزِيدَ جَمَاعَةً مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي عَامِرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عَمْرِو بْنِ حَفْصٍ الْمَخْزُومِيُّ فِي آخَرِينَ فَأَكْرَمَهُمْ وَأَجَازَهُمْ فَرَجَعُوا فَأَظْهَرُوا عَيْبَهُ وَنَسَبُوهُ إِلَى شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) میں ابن حجر کہتا ہوں اس بیعت کو توڑنے کا سبب جو علامہ ابن جریر طبری نے مسنداً ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر

مقرر کیا تھا، اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا تھا جس میں عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے، یزید نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور انعامات سے نوازا، لیکن جب یہ لوگ لوٹ آئے تو انہوں نے یزید کا عیب بیان کیا اور اس کو شرابی بتایا (یہاں عربی الفاظ ہیں: "نسبوہ الی شرب الخمر" جس کا درست ترجمہ ہوگا: انہوں نے اس کی طرف شراب پینے کی نسبت کی۔ ناقل) اور اس کے علاوہ بھی اس کے عیب بیان کیے۔①

قارئین محترم! آپ نے غور فرمایا کہ صحیح بخاری کی روایت میں چونکہ یزید کے شرابی ہونے کا کوئی اشارہ تک نہ تھا بلکہ الٹا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے خلاف شدید موقف کا بیان تھا، اس پر تو گیاوی صاحب نے کچھ نہ لکھا، لیکن حافظ ابن حجر نے ایک بات نقل کی اور اس سے پہلے صرف یہ لکھ دیا کہ ''طبری نے یہ بات سند کے ساتھ بیان کی ہے'' تو گیاوی صاحب نے اس کو اپنی دلیل بنا کر پیش کر دیا کہ دیکھو مدینہ سے جو وفد یزید سے انعامات لے کر واپس آیا تو اس کے شرکاء نے یزید کی طرف شراب نوشی اور دیگر عیوب کی نسبت کی۔

اب گیاوی صاحب کو اچھی طرح علم تھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی جس روایت کا صرف حوالہ دیا ہے (اس کی سند بیان ہی نہیں کی) اس کا مرکزی راوی کذاب و رافضی و ساقط و تالف اور ہالک ابومخنف لوط بن یحیٰی ہے تو یہاں گیاوی صاحب کی تحقیق نے جوش مارا اور لگے اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اپنے ''مناظرانہ'' داؤ پیچ لڑانے، چنانچہ ان کی ''غیر جانبدارانہ تحقیق'' کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳

نمبر ۱: وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ ''طبری کی سند میں ایک راوی ابومخنف ہے جس کا نام لوط بن یحییٰ ہے، اور وہ غیر معتبر راوی ہے، اس کے بارے میں ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "شيعي محترق" جلا بھنا شیعہ ہے''۔

نمبر ۲: لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ خاموشی سے گذر گئے جو روایت کو قبول کرنے کی علامت ہے۔

نمبر ۳: ''اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہوگی''۔

نمبر ۴: پھر گیاوی صاحب نے اس پر زور دیا ہے کہ "ابو مخنف"صرف عام سا شیعہ تھا، اس کی وفات ۱۷۰ ہجری کے قریب ہوئی، اور دوسری صدی سے پہلے پہلے جو شیعہ راوی گزرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے، محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایت کو قبول فرمایا ہے۔ اور پھر ''ابان بن تغلب'' کی مثال پیش کی ہے اور اس کے بعد ''تشیع'' اور ''رفض'' میں فرق بیان کیا ہے اور آخر میں نتیجہ نکالا ہے کہ:

''ابان بن تغلب کی وفات ۱۴۱ ء یا ۱۴۲ ہجری میں ہوئی اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے تو ابو مخنف لوط بن یحیی جس کی وفات ۱۷۰ ہجری سے کچھ قبل ہوئی، اس کی روایت کیوں قبول نہ کی جائے گی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے''۔①

اب ہم گیاوی صاحب کی اس تحقیق کا جائزہ لیتے ہیں۔

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

پہلے تو وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ "ابو مخنف "ایک غیر معتبر راوی ہے اور خود ہی ابن عدی کا اسے "شیعی محترق" (جلا بھنا شیعہ) لکھنا بھی نقل کرتے ہیں، لیکن دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ اس روایت کو قبول کرتے ہیں۔

قارئین محترم! ہم پہلے ''ابو مخنف لوط بن یحییٰ'' کا مفصل تعارف ائمہ جرح وتعدیل سے نقل کر آئے ہیں، یہ صاحب کوئی عام اور معمولی شیعہ نہیں بلکہ '' جلے بھنے شیعہ'' ''رافضی'' اور ''کذاب'' بھی ہیں، رہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تو ہم نے ان کی رائے بھی "ابو مخنف" کے بارے میں نقل کر دی تھی، جو دوبارہ یہاں نقل کرتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ ہجری) نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

''لوط بن يحيى أبو مخنف۔أخباري تالف لا يوثق به۔تركه أبو حاتم، وَغيره۔وقال الدارقطني: ضعيف۔

وقال ابن مَعِين: ليس بثقة۔وقال مرة: ليس بشيء۔

وقال ابن عَدِي: شيعي محترق صاحب أخبارهم" ①

''لوط بن یحییٰ ابو مخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا متروک راوی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، ابو حاتم اور دوسروں نے اسے ترک کر دیا، دارقطنی نے اسے ضعیف کہا، ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں، اور ایک بار کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں، ابن عدی نے کہا کہ وہ جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا راوی ہے''۔

حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ لکھا:

① لسان الميزان بتحقيق شيخ ابي غدة، ج ٦ ص ٤٣٠ طبع دار البشائر الاسلامية۔

''أبو مخنف: لوط بن یحیی۔ هالك"①

''ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہلاکت ہی ہلاکت ہے''۔

اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ ہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''ابومخنف'' کے بارے میں اس رائے کو مانیں یا گیاوی صاحب کے اس ''مفروضے'' کو تسلیم کریں کہ چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یہ روایت قابل قبول ہے؟؟ چلیں ایک لمحے کے لیے فرض کرلیں کہ گیاوی صاحب کا یہ مفروضہ درست ہے تو وہ فرمائیں کہ وہ خود کیوں اس روایت کو قبول کرنے میں ''شش وپنج'' میں پڑے ہوئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہوگی؟؟''

آپ نے صاف یہ کیوں نہ لکھ دیا کہ ''چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی ابومخنف والی روایت کی طرف اشارہ کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح اور قابل قبول ہے''؟ آپ کو یہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ''چونکہ غیر معتبر ابومخنف کی بات کی تصدیق دوسرے ثقہ راوی بھی کرتے ہیں اس لیے یہ روایت معتبر ہے''؟؟ کیا یہ ''غیر جانبدارانہ'' تحقیق ہے جسے ''ہر منصف انسان'' قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟؟

رہی گیاوی صاحب کی یہ بات کہ ''اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر

①لسان المیزان، ج۹ ص ۱۵۹۔

راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہو گی‘‘۔

تو عرض ہے کہ گیاوی صاحب نے اپنی پوری کتاب میں ایک بھی ایسی روایت نہیں پیش کی جو اصول حدیث کی رو سے صحیح ہو اور جس سے ابو مخنف کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہو، یہ بات ان روایات کا جائزہ لینے پر واضح ہو جائے گی جو گیاوی صاحب نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے آگے پیش کی ہیں۔

نوٹ: واضح رہے کہ واقعہ حرہ کا ذکر کرتے ہوئے عام طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

’’اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی‘‘ جس سے عام لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ نے بیعت توڑ دی تھی، یہ بات خلاف حقیقت ہے، سچ یہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگوں نے بیعت توڑی تھی، جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے روایت پیش کر دی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت نہیں توڑی تھی بلکہ یہ اعلان فرما دیا تھا کہ جو بیعت توڑے گا میرا اس سے تعلق ختم ہو جائے گا، اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے بھی بیعت توڑنے والوں سے اختلاف کیا تھا (یہ روایت بھی خود گیاوی صاحب نے آگے نقل کی ہے اور اسے صحیح لکھا ہے)، بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اہل بیت کے کسی فرد نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، مثلاً حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَجَمَاعَاتُ أَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ مِمَّنْ لَمْ يَنْقُضِ الْعَهْدَ، وَلَا بَايَعَ أَحَدًا بَعْدَ بَيْعَتِهِ لِيَزِيدَ"①

’’سیدنا عبداللہ بن عمر اور اہل بیت نبوت کی جماعتیں ان لوگوں میں شامل

① البداية والنهاية، ج ١١، ص ٦٥٢ طبع دار هجر للطباعة.

تھیں جنہوں نے عہد نہیں توڑا تھا اور یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت نہیں کی تھی''، ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ الْبَاقِرُ: لَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِنْ آلِ أَبِي طَالِبٍ وَلَا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ، وَلَمَّا قَدِمَ مُسْلِمُ بْنُ عُقْبَةَ الْمَدِينَةَ أَكْرَمَ أَبِي وَأَدْنَى مَجْلِسَهُ، وَأَعْطَاهُ كِتَابَ أَمَانٍ"۔①

''ابوجعفر باقر رحمہ اللہ نے کہا کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی خروج نہیں کیا تھا، اور جب مسلم بن عقبہ مدینہ آئے تو انہوں نے میرے والد (یعنی زین العابدین رحمہ اللہ) کا اکرام کیا اور انھیں اپنے قریب بٹھایا اور انھیں امان کا خط دیا''۔

لہٰذا یہ بات بالکل غلط ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت تمام اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تھی۔ (مزید تفصیل آگے بیان ہوگی)۔

کیا یزید عام طور پر تجربہ کار اور بوڑھے گورنروں کو ہٹا کر ان کی جگہ ناتجربہ کار گورنر لگاتا تھا؟

مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵ پر ایک سرخی لگائی ہے ''خلافت کے ابتدائی دور میں یزید کی کارکردگی'' اور پھر اس کے ضمن میں یہ بتایا ہے کہ یزید نے اپنی خلافت کے پہلے سال اپنے گورنروں اور امراء میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ اپنے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے امراء و نوابوں کو ہی برقرار رکھا، البتہ ایک دو سال کے بعد اس نے تبدیلیاں کیں، اور پھر گیاوی صاحب نے صرف دو واقعات کے حوالے دیے ہیں، ایک یہ کہ سنہ ۶۱، ۶۲ ہجری میں یزید نے سجستان اور خراسان سے

① البدایة والنهایه: ج ۱۱ ص ۲۵۴۔

دونوں بھائیوں ''عبّاد'' اور ''عبدالرحمن'' کو ہٹا کر ان دونوں علاقوں کا گورنر ''سلم بن زیاد'' کو بنا دیا (گیاوی صاحب نے غلطی سے سَلم بن زیاد کو مسلم بن زیاد لکھ دیا ہے- ناقل)، لیکن گیاوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ''سلم بن زیاد'' بھی ''عباد'' اور ''عبدالرحمن'' کا بھائی تھا، اور یہ تینوں ''عبیداللہ بن زیاد'' کے بھائی یعنی ''زیاد'' کے بیٹے تھے۔

نیز گیاوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید نے ''بوڑھے اور تجربہ کار'' گورنروں کی جگہ ایک نوجوان کو گورنر بنا دیا، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ سابقہ والی ''عباد بن زیاد'' اور ''عبدالرحمن بن زیاد'' کی عمریں کتنی تھیں؟، اور پھر گیاوی صاحب نے البدایۃ والنہایۃ اور ابن اثیر کی الکامل سے صرف اپنے مطلب کی بات تو نقل کر دی لیکن پوری عبارت نقل نہیں کی جس میں گورنر بننے کے بعد ''سَلم بن زیاد'' کے سب سے پہلے کارنامے کا ذکر ہے، ہم دونوں کتابوں کی یہ عبارات یہاں نقل کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَفِيهَا وَلَّى يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ سَلْمَ بْنَ زِيَادٍ سِجِسْتَانَ وَخُرَاسَانَ حِينَ وَفَدَ عَلَيْهِ وَلَهُ مِنَ الْعُمْرِ أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً، وَعَزَلَ عَنْهَا أَخَوَيْهِ عَبَّادًا وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ، وَسَارَ سَلْمُ إِلَى عَمَلِهِ، فَجَعَلَ يَنْتَخِبُ الْوُجُوهَ وَالْفُرْسَانَ، وَيُحَرِّضُ النَّاسَ عَلَى الْجِهَادِ، ثُمَّ خَرَجَ فِي جَحْفَلٍ عَظِيمٍ لِيَغْزُوَ بِلَادَ التُّرْكِ"①

''سنہ ۶۱ ہجری میں جب سَلم بن زیاد، یزید بن معاویہ کے پاس آیا تو یزید نے اسے سجستان اور خراسان کا والی بنا دیا، اس وقت اس کی عمر ۲۴

① البدایۃ والنہایۃ، جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۸ طبع دار ھجر۔

سال تھی، اور اس کے دونوں بھائیوں عبّاد اور عبد الرحمن کو معزول کر دیا، چنانچہ سَلم اپنے کام پر چلا گیا، پس اس نے یہ کیا کہ لوگوں میں سے اہم افراد کو اور شہسواروں کو منتخب کرتا تھا اور انھیں جہاد پر جانے کے لئے ابھارتا تھا، پھر وہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ بلاد ترک کی طرف غزوہ کے لیے نکلا''۔

تو معلوم ہوا کہ، یزید نے عباد بن زیاد اور عبد الرحمن بن زیاد کو معزول کر کے انہی کے تیسرے بھائی ''سَلم بن زیادؒ'' کو ان کی جگہ گورنر بنایا اور وہ جاتے ہی جہاد کے لیے لشکر تیار کر کے بلاد ترک کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

اسی طرح ابن الاثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَنَّ سَلْمًا قَدِمَ عَلَى يَزِيدَ، فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ: يَا أَبَا حَرْبٍ أُوَلِّيك عَمَلَ أَخَوَيْكَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَعَبَّادٍ۔ فَقَالَ: مَا أَحَبَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ فَوَلَّاهُ خُرَاسَانَ وَسِجِسْتَانَ، فَوَجَّهَ سَلْمُ الْحَارِثَ بْنَ مُعَاوِيَةَ الْحَارِثِيَّ جَدَّ عِيسَى بْنِ شَبِيبٍ إِلَى خُرَاسَانَ، وَقَدِمَ سَلْمُ الْبَصْرَةَ فَتَجَهَّزَ مِنْهَا، فَوَجَّهَ أَخَاهُ يَزِيدَ إِلَى سِجِسْتَانَ، فَكَتَبَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ إِلَى أَخِيهِ عَبَّادٍ يُخْبِرُهُ بِوِلَايَةِ سَلْمٍ"①

''سَلم، یزید کے پاس آئے، تو یزید نے ان سے کہا کہ میں تمہیں، تمہارے بھائیوں یعنی عبد الرحمن اور عبّاد کا کام سونپنا چاہتا ہوں، تو سَلم نے کہا کہ جو امیر المؤمنین پسند کریں، تو یزید نے انہیں خراسان اور سجستان کا والی بنا دیا، تو اس کے بعد سَلم نے ''الحارث بن معاویہ الحارثی'' کو جو کہ عیسیٰ بن شبیب کے دادا تھے، خراسان کی طرف روانہ کر دیا اور خود

① الکامل لابن أثیر، جلد۳ صفحہ ۱۹۸ طبع دار الکتاب العربي بیروت۔

تیاری کے لیے بصرہ آ گیا، وہاں سے اس نے اپنے بھائی ''یزید بن زیاد'' کو سجستان کی طرف روانہ کیا، پس عبیداللہ بن زیاد نے اپنے بھائی عبّاد کو خط لکھ کر بتایا کہ سَلم کو والی بنا دیا گیا ہے''۔

تو معلوم ہوا کہ یہ تبدیلی بھائیوں کے درمیان ہوئی تھی، دو بھائیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انہی کے تیسرے بھائی کو لگایا گیا۔

دوسرا حوالہ گیاوی صاحب نے مدینہ کے گورنر کی تبدیلی کا دیا ہے کہ سنہ ۶۲ ہجری میں یزید نے ولید بن عتبہ کی جگہ عثمان بن محمد جیسے ناتجربہ کار کو مدینہ کا گورنر لگا دیا۔

اس کے علاوہ کوئی تیسری مثال گیاوی صاحب نہیں دے سکے، قارئین یہ بات ذہن میں رکھیں، اس طرف میں دوبارہ آؤں گا، کیونکہ بعض حضرات نے یہ لکھ دیا ہے کہ

''یزید کا یہ عام معمول تھا کہ اس نے تمام اہل علاقوں سے بڑے اور زیادہ عمر والے والیوں کی ہٹا کر ان کی جگہ ناتجربہ کار بچوں کو والی لگا دیا کرتا تھا''

جو کہ ایک خلاف حقیقت بات ہے۔

محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اپنے تبصرہ میں ایک جگہ لکھا تھا کہ:

''یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا''۔①

یہاں مولانا اعظمی رحمہ اللہ نے صرف یہ بتایا کہ ولید بن عتبہ کو پہلے ایک بار مدینہ کی گورنری سے معزول کر کے پھر دوبارہ مدینہ کا گورنر لگایا گیا تھا، انہوں نے کوئی سنہ ذکر ہی نہیں کی کہ اسے کب دوبارہ مدینہ کا والی بنایا گیا، لیکن گیاوی صاحب یہاں بھی

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۲۔

اعتراض کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے اس لئے لکھ دیا کہ:

مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ سنہ ۶۲ ہجری سے پہلے (ولید بن عتبہ کو) مدینے کا والی بنایا تھا یا ۶۲ ہجری کے بعد، میرا دعوی ۶۲ ہجری کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے۔①

ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ، آپ کا دعوی جو بھی ہو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، محدث اعظمی رحمہ اللہ نے آپ کے دعووں پر تبصرہ نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر تبصرہ لکھا ہے، اور قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے دعوے پر یوں لکھا ہے کہ:

''لیکن محض تخرص اور صرف اٹکل سے بلا ثبوت و بے حوالہ مہتمم صاحب یا ان سے بھی بڑے کسی عالم کا یہ کہہ دینا کہ یزید عموماً شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو نامزد کرتا تھا، انصاف کی رُو سے قابل قبول نہیں، مہتمم صاحب کو سوچنا چاہیے کہ یزید فاسق سہی، مگر مسلمان تھا، کافر نہیں تھا، اور کافر بھی ہوتا تو یہ کس طرح جائز ہے کہ بے سروپا الزامات اس کے سر تھوپے جائیں''۔②

غور فرمائیں! محدث اعظمی رحمہ اللہ کے بقول، قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے یہ دعوی کیا تھا کہ ''یزید عموماً بوڑھوں کو ہٹا کر ان کی جگہ بچوں کو والی بنایا کرتا تھا''، ان کی اس بات پر محدث اعظمی رحمہ اللہ تبصرہ فرما رہے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عموماً ایسا ہی کیا کرتا تھا، اور کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کا یہ کہہ دینا اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس کا کوئی ثبوت یا دلیل نہ ہو، اور حقیقت یہی ہے کہ خود گیاوی صاحب

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۷۔
② محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۳۔

بھی کتب تاریخ سے صرف دو حوالے ہی ڈھونڈ پائے ایک سجستان و خراسان سے دو بھائیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انہی کے تیسرے بھائی کو والی بنانے کا (جس میں وہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ جن دو بھائیوں یعنی عبّاد بن زیاد اور عبدالرحمن بن زیاد کو معزول کیا گیا وہ بوڑھے تھے اور جس تیسرے بھائی کو گورنر لگایا گیا وہ بچہ تھا)، اور دوسری مثال انہوں نے مدینہ کے والی کی تبدیلی کی دی ہے، اس کے علاوہ کوئی تیسری مثال وہ بھی پیش نہیں کر سکے تو پھر جن لوگوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ:

''یزید عام طور پر اور زیادہ تر اہم علاقوں میں بوڑھوں کو ہٹا کر اپنے رشتے داروں میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو والی لگا دیتا تھا''۔

یہ بات کسی کی ذاتی رائے تو ہوسکتی ہے لیکن اسے ثابت کرنے کے لیے دلیل اور ثبوت درکار ہے جو کہ موجود نہیں، یہی بات محدث اعظمی رحمہ اللہ نے علامہ عینی یا حافظ ابن حجر کا نام لیے بغیر لکھ دی ہے، جن کے حوالے گیاوی صاحب دے رہے ہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا ہے، ہمارا سوال ہے کہ اگر انہوں نے ایسا لکھا ہے تو یہ ان کی رائے ہوگی، لیکن اس بات کے حق میں دلائل اور ثبوت پیش کرنا گیاوی صاحب کا کام تھا، اور وہ صرف دو مثالیں ہی پیش کر سکے، تو کیا یزید کی حکومت میں صرف ''سجستان'' ''خراسان'' اور ''مدینہ'' ہی اہم علاقے تھے؟؟

الغرض! محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ ''واقعہ حرہ کے وقت مدینہ کا گورنر ولید بن عتبہ تھا''، گیاوی صاحب خوامخواہ اس بات کو ثابت کرنے کے چکر میں پڑے ہیں اور وہ یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ شاید محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یہ بات لکھی ہے، لیکن گیاوی صاحب یہاں ابن اثیر کا ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں وہ حوالہ پڑھ لیں:

"سَنَةُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ۔ كَانَ أَوَّلُ وَقْعَةِ الْحَرَّةِ مَاتَقَدَّمَ مِنْ خَلْعِ يَزِيدَ، فَلَمَّا كَانَ

هَذِهِ السَّنَةُ أَخْرَجَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ عُثْمَانَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ عَامِلَ يَزِيدَ وَحَصَرُوا بَنِي أُمَيَّةَ بَعْدَ بَيْعَتِهِمْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حَنْظَلَةَ"①

(ترجمہ از گیاوی صاحب) سنہ ۶۳ ہجری اور واقعہ حرہ کا تذکرہ۔ واقعہ حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گزرا یزید کی بیعت توڑنے سے ہوئی، جب یہ سال شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا، اور بنوامیہ کا حصار کرلیا، اور انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا۔

قارئین محترم! گیاوی صاحب کے ہی پیش کردہ اس حوالے سے یہ ثابت ہوگیا کہ مدینہ کے جن لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تھی انہوں نے مسلمانوں کے ایک امیر (یزید بن معاویہ) کے ہوتے ہوئے، عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت بھی کرلی تھی۔

نیز انہوں نے یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال بھی دیا تھا اور مدینہ میں موجود بنی امیہ کے لوگوں کا محاصرہ کرلیا تھا...... کیا گیاوی صاحب احادیث کی روشنی میں اس پر کچھ ارشاد فرمائیں گے کہ ایک امیر اور حاکم کے ہوتے ہوئے جس کی حکومت مکمل طور پر قائم ہوچکی ہو اور جس کا تسلط پوری طرح ہو چکا ہو، کسی دوسرے کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کرنا کیسا ہے؟؟ چونکہ اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں ہے اس لیے ہم یہ سوالیہ نشان ہی چھوڑ کر آگے چلتے ہیں۔

یزید کی شراب نوشی بیان کرنے والی روایات اور ان کا جائزہ:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر سرخی جمائی ہے:

''یزید کے شراب پینے کی روایات''

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸.

اور پھر اس موضوع پر اپنی بات یوں شروع کی ہے:

''محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یزید کے شراب پینے کے واقعہ کو یزید پر ایک قسم کا الزام لکھا ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی روایات کی روشنی میں اس کی تحقیق کی جائے۔ اس تعلق سے عرض ہے کہ یزید کے شراب پینے کا واقعہ صرف طبری سے یا صرف کسی ایک ہی سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت متعدد سندوں سے ہے اور صرف تاریخوں سے ہی ثابت نہیں بلکہ اس کے لیے متعدد سندوں اور احکام کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثی سندیں بھی موجود ہیں جیسا کہ اس کا بیان بعد میں ہوگا''۔①

قارئین محترم! ہم آج تک محققین علماء کرام سے یہی سنتے آئے ہیں کہ یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں، مثال کے طور پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے''۔②

لیکن آج ہمیں گیاوی صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ یزید کے شراب پینے کا ثبوت متعدد سندوں سے اور صرف تاریخی روایات سے نہیں بلکہ احکام کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثی سندوں سے بھی ہے، لہٰذا آیئے دیکھتے ہیں گیاوی صاحب نے کونسی ''صحیح حدیثی'' سندیں پیش کی ہیں۔

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۹

② فتاوی عثمانی، جلد ۱ صفحہ ۱۷۹۔

محمد بن عمر واقدی کی روایت:

گیاوی صاحب پہلی سند یوں پیش کرتے ہیں: ''علامہ ذہبی کی تحقیق'' اور پھر لکھتے ہیں:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

وقال الواقدي: أخبرنا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي حسان۔ وأخبرنا إسماعيل بن إبراهيم المخزومي، عن أبيه۔ وحدثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عن عباد بْنِ تَمِيمٍ، كُلٌّ قَدْ حَدَّثَنِي، قَالُوا: لَمَّا وَثَبَ أَهْلُ الْحَرَّةِ وَأَخْرَجُوا بَنِي أُمَيَّةَ عَنِ الْمَدِينَةِ، وَاجْتَمَعُوا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ، وَبَايَعَهُمْ عَلَى الْمَوْتِ، قَالَ: يَا قَوْمُ، اتَّقُوا اللَّهَ، فَوَاللَّهِ مَا خَرَجْنَا عَلَى يَزِيدَ حَتَّى خفنا أن نرمى بالحجارة من السماء، إن رجلا ينكح أمهات الأولاد والبنات والأخوات، ويشرب الخمر وَيَدَعُ الصَّلَاةَ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) واقدی کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن ابی ذئب نے خبر دی ہے وہ صالح بن حسان سے (روایت میں ''صالح بن ابی حسان'' ہے۔ ناقل) روایت کرتے ہیں ان کو اسماعیل بن ابراہیم مخزومی نے بتایا اور وہ اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں...... اور مجھے سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ نے عبادہ بن تمیم سے (روایت میں نام ''عباد بن تمیم'' ہی ہے، شاید گیاوی صاحب کے سامنے جو نسخہ ہے اس میں کتابت کی غلطی سے ''عبادہ'' لکھا ہے۔ ناقل) حدیث بیان کی ہے کہ ''جب اہل حرہ کود پڑے اور بنی امیہ کو مدینے سے باہر نکالا، اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر کے اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا بخدا ہم لوگ یزید کے

خلاف اس وقت نکلے جب ہم کو آسمان سے سنگ سار کیے جانے کا خطرہ ہوا، وہ یزید ام ولدا ور ام ولد کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے اور شراب پیتا ہے، نمازیں چھوڑتا ہے'' (اس کے بعد گیاوی صاحب اپنا مناظرانہ رنگ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں) ''اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شراب خوری اور دیگر حرام کاری کی یزید کے بارے میں خبر دے رہے ہیں، اس لیے صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے''۔①

آگے گیاوی صاحب نے جو مغالطہ دیا ہے بلکہ جس شاندار تلبیس کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے اس روایت کی سند پر ایک بار پھر غور کیا جائے، امام ذہبی نے اس روایت کو شروع ہی کیا ہے "قال الواقدي" سے یعنی واقدی (کذاب ووضاع۔ناقل) نے کہا...... آگے واقدی نے اس کی تین سندیں ذکر کی ہیں (گیاوی صاحب نے تین سندوں کو دوسندیں بنادیا ہے)، پہلی سند یوں ہے:

''واقدی، ابن ابی ذئب، صالح بن ابی حسان''۔

اور دوسری سند یوں ہے:

''واقدی، اسماعیل بن ابراہیم مخزومی، ابراہیم مخزومی''۔

گیاوی صاحب نے صالح بن ابی احسان کے بعد جو "وأخبرنا" تھا اسے واو کے بغیر "اخبرنا" لکھ کر یوں ظاہر کردیا جیسے 'صالح بن ابی حسان' روایت کررہے ہیں ''اسماعیل بن ابراہیم مخزومی سے''، میرے سامنے اس وقت تاریخ الاسلام طبع دار الغرب الاسلامی بیروت کی جلد ۲ کا صفحہ ۵۸۸ ہے اس میں "وأخبرنا" سے واقدی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ: ۲۰-۲۱.

نے الگ سند ذکر کی ہے، ابن سعد نے "الطبقات الکبری" میں یہی روایت ذکر کی ہے وہاں بھی واقدی نے تین الگ سندیں ذکر کی ہیں۔①

اور تیسری سند یوں ہے:

''واقدی، سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ، عباد بن تمیم''۔

یوں ان تینوں سندوں کی کڑی شروع ہوتی ہے''محمد بن عمر الواقدی'' سے

اور پہلی سند کی آخری کڑی ہیں''صالح بن ابی حسان''

دوسری سند کی آخری کڑی ہیں''ابراہیم مخزومی''

اور تیسری سند کی آخری کڑی ہیں''عباد بن تمیم''

گیاوی صاحب نے راویوں کا فرداً فرداً تعارف کرواتے ہوئے صالح بن ابی حسان کو تہذیب التہذیب کے حوالے سے ثقہ بتایا ہے، جبکہ اسی تہذیب التہذیب میں اس راوی کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے:

"وقال النسائي مجهول وقال أبو حاتم ضعيف الحديث"

''نسائی نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہے اور ابو حاتم رازی نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے''۔

اگر گیاوی صاحب غیر جانبدار نہ تحقیق فرما رہے تھے تو انھیں تہذیب التہذیب کا حوالہ مکمل نقل کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں پہلے تو صالح بن ابی حسان اور صالح بن حسان کو ایک ہی شخصیت بتا کر تعارف کروایا ہے (گیاوی صاحب نے بھی روایت کے اردو ترجمہ میں اسے صالح بن حسان ہی لکھا ہے)، اور پھر ذہبی نے آخر میں لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: طبقات ابن سعد، جلد ۵ صفحہ ۴۹ طبع دار الکتب العلمیة بیروت.

''وقيل: صالح بن أبي حسان آخر، وقد ضُعِّفا"①

''اور کہا گیا ہے کہ صالح بن ابی حسان (صالح بن حسان سے الگ) راوی ہے، بہرحال ان دونوں کی تضعیف کی گئی ہے''۔

اسی طرح اس روایت کی تیسری سند میں ایک راوی ''سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ'' ہے (طبقات ابن سعد میں بھی یہی نام لکھا ہے) مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا، اور غالباً گیاوی صاحب کو بھی اس کا تعارف نہیں ملا اسی لیے انہوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ ''سعید بن محمد'' سے مراد ''عمرو بن یحییٰ'' ہے۔②

الغرض! چونکہ گیاوی صاحب کی پیش کردہ اس پہلی دلیل کی تینوں سندوں کا مرکزی راوی "واقدی" ہے جس کا تعارف ہم پہلے کروا چکے، ان صاحب کو "کذاب" اور ''اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا'' اور "بالاتفاق متروک" کہا گیا ہے، تو جو شخص اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے اس کے سامنے یزید کیا چیز ہے؟ اور اس کے لیے سیدنا عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا کونسا مشکل ہے؟، بلکہ خود امام ذہبی نے یہ لکھ دیا ہے کہ:

''قَدِ انْعَقَدَ الإِجْمَاعُ اليَوْمَ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ، وَأَنَّ حَدِيْثَهُ فِي عِدَادِ الوَاهِي''③

''آج اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وہ (واقدی) حجت نہیں ہے اور اس کی بیان کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں''۔

---

①میزان الاعتدال، جلد۲ صفحہ ۲۹۱ دار المعرفۃ بیروت.

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۱.

③سیر اعلام النبلاء، ج۴ ص ۴۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت.

تو پھر گیاوی صاحب کو یہاں ''امام ذہبی کی تحقیق'' کی سرخی جمانے کی کیا ضرورت تھی؟، کیا وہ یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ امام ذہبی نے اس روایت کو صحیح لکھا ہے؟

لہٰذا گیاوی صاحب کا یہ ''جذباتی بیان'' کہ اس روایت میں ایک صحابی عبداللہ بن حنظلہ، یزید کو شرابی کہہ رہے ہیں اور ''صحابی جھوٹ نہیں بولتا''، صرف ایک مناظرانہ داؤ سے زیادہ کچھ نہیں، کیونکہ پہلے وہ یہ تو ثابت کریں کہ واقعی یہ بات عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح ثابت بھی ہے یا نہیں؟

پھر اگر ایک لمحے کے لئے فرض بھی کرلیں کہ واقدی ایک دم ثقہ ہو، اور یہ بات سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہی بھی ہو تو کیا سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے شرعی طور پر کسی پر شراب کا الزام ثابت ہوگا؟ رہی یہ جذباتی بات کہ ''صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا'' تو اس کے لیے ہم یہاں صرف دو مثالیں عرض کرتے ہیں اور گیاوی صاحب سے عرض کرتے ہیں وہ یہاں بھی اپنا فتویٰ ارشاد فرمائیں:

پہلی مثال یہ کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی شہادت دی ان شہادت دینے والوں میں صحابی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن یہ شہادت ضابطہ شہادت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے رد ہوگئی (چار گواہ پورے نہ ہوئے) تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی اور ان سے فرمایا کہ

''اگر یہ اپنی غلطی مان کر توبہ کرلیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہوجائیں گے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کردیا''۔①

① دیکھیں: صحیح البخاری، ج۳ص ۱۷۰ باب حد القاذف والسارق والزانی، طبع دار طوق النجاۃ/مع شرحہ في فتح الباري، ج ۵ ص ۲۵۶ طبع دار المعرفة بیروت، نیز دیکھیں گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب کی کتاب: استخلاف یزید، صفحہ ۲۸۸۔

ہمارا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ وہ کیا سمجھتے ہیں؟ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے سچی گواہی دی یا جھوٹی؟ اگر سچی گواہی دی تو ان پر حد قذف کیوں لگائی گئی؟ اور اگر ان کی گواہی جھوٹ تھی تو کیا صحابی جھوٹ بول سکتا ہے؟

یا گیاوی صاحب یہاں ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ شریعت میں شہادت کا ایک قانون اور ضابطہ ہے، جو شہادت بھی اس ضابطے کے خلاف ہوگی اسے قبول نہیں کیا جائے گا، اور یہ ضابطہ صحابی اور غیر صحابی سب کے لئے ہے، اگر بات یہی ہے تو پھر گیاوی صاحب کو یہ مدنظر رکھنا ہوگا کہ کسی پر ''شرابی'' یا ''زانی'' ہونے کا الزام ثابت کرنے کے لیے ضابطہ شہادت کے مطابق گواہی کا ہونا ضروری ہے، اگر ان کے پاس ایسی کوئی شرعی شہادت ہے جس سے ثابت ہو کہ ''یزید شراب پیتا تھا اور امہات الاولاد، ان کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا تھا''۔ (جو کہ زنا ہے) تو وہ پیش کردیں، ورنہ یہ جذباتی بیان کسی چیز کا ثبوت نہیں بن سکتے۔

دوسری مثال یہ کہ صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں "کاذب، آثم، غادر، خائن اور ظالم" کہا۔

''فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ''۔①

بخاری کے الفاظ ہیں:

''يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ''②

①صحیح مسلم، باب حکم الفيء، حدیث نمبر: ۱۷۵۷۔

②صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۴۳۰۵۔

تو گیاوی صاحب کیا فتویٰ دیں گے کہ صحابی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ درست کہے یا نہیں؟ یا آپ ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ صحابی کو بھی غلط فہمی ہوسکتی ہے اور ایسی باتیں جوش کے نتیجے میں بطور مبالغہ صادر ہو جایا کرتی ہیں؟

یہ تو تھا ہمارا تحقیقی جواب اس صورت میں اگر واقدی کی اس روایت کی سند کو ہر لحاظ سے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو، لیکن جیسا کہ نظر آرہا ہے، یہ بیان کرنے والے جناب واقدی ہیں، اس لیے یہ روایت لائق ردّ اور جھوٹی ہی ہے، اور گیاوی صاحب کا واقدی جیسے جھوٹے اور کذاب کی روایت کی بنیاد پر اس بات کو سیدنا عبداللہ بن حنظلہ کی طرف یقین اور قطعیت کے ساتھ منسوب کرنا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔

گیاوی صاحب کی ایک نادر تحقیق:

قارئین محترم! گیاوی صاحب خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ''محمد بن عمر الواقدی'' کی کیا حیثیت ہے، اس لیے وہ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک اور عجیب وغریب استدلال یوں کرتے ہیں:

''محمد بن عمر واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی سند میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی ایک ضعیف راوی گذر چکے ہیں اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دو راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس لیے ابو مخنف کے ساتھ واقدی کا ہونا سند میں قوت پیدا کر دیتا ہے''۔①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۲.

قارئین محترم! ملاحظہ فرمائیں، کس معصومیت سے کہا جارہا ہے کہ

''واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر راویوں میں سے نہیں''،

اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر دنیا کا کوئی راوی بھی ''غیر معتبر'' نہیں ہوگا، کیونکہ جب واقدی، جس کو "كذاب" اور ''رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا'' اور "ليس بشيء" اور "ليس بموضع للرواية" اور "متروك الحديث" اور بالاتفاق ضعیف اور "مجمع على ضعفه" بتایا گیا ہے، وہ گیاوی صاحب کے نزدیک صرف معمولی سا ضعیف ہوا تو پھر دوسرے جھوٹے، کذاب اور حدیثیں گھڑنے والے راویوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم انھیں ''غیر معتبر'' اور ''کاذب'' کہیں؟

اسی طرح غور فرمائیں، واقدی کذاب کے ساتھ ایک دوسرے کذاب اور رافضی ابومخنف کو ملا کر یہ بتایا جارہا ہے کہ ''ان دونوں ضعیف راویوں کی الگ الگ سندیں مل کر روایت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ احکام میں قابل استدلال بن جاتی ہے''، میں کہتا ہوں کہ دو نہیں بلکہ سو کذاب اور وضاع راویوں کی سو سندیں مل کر بھی روایت کو صحیح نہیں بنا سکتیں، اگر اصول حدیث میں کہیں یہ اصول لکھا ہے کہ ''جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے، کذاب راویوں'' یا ''رافضی راویوں'' کی الگ الگ سندیں مل کر روایت کو صحیح بنا دیتی ہیں تو وہ پیش کیا جائے۔ واقدی اور ابومخنف کی سند والی یہ دونوں روایتیں صرف ''معمولی ضعیف'' نہیں بلکہ ''جھوٹی اور ناقابل اعتبار'' ہیں۔

پھر یہاں بات صرف ایک روایت کو صحیح یا غلط بنانے کی نہیں بلکہ ایک مسلمان پر ''شراب نوشی'' اور ''زنا کاری'' کا الزام ثابت کرنے کی ہے، فرض کرلیں واقدی اور ابومخنف دونوں "امير المؤمنين في الحديث" ہوتے، ان کے خلاف ایک بھی جرح نہ ہوتی، وہ دونوں ثقہ ترین راوی ہوتے، پھر بھی کسی پر شراب نوشی اور زنا کا

الزام صرف ایک آدمی کی بات سے ثابت نہیں ہوگا چاہے وہ بات کرنے والا صحابی ہی کیوں نہ ہو، جب تک شریعت کے اصول کے مطابق شہادت نہ پیش کی جائے، اگر صحابی کے لیے ضابطہ شہادت کوئی الگ ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف نہ لگواتے جنھوں نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی شہادت دی تھی اور اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا گیاوی صاحب نے خوامخواہ واقدی اور ابومخنف کی وکالت میں صفحے سیاہ کیے ہیں، انھیں چاہیے تھا کہ وہ شریعت کے ضابطہ کی روشنی میں شہادتیں پیش کرتے۔

محمد بن زکریا الغلابی کی روایت:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے ''واقدی'' اور "ابو مخنف" کی تائید میں ایک تیسرے کذاب اور جھوٹے ''محمد بن زکریا الغلابی'' کی توہین صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل ایک تیسری روایت پیش کی ہے، چنانچہ مولانا گیاوی صاحب، واقدی اور ابو مخنف کی روایت سے استدلال کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

> ''مسئلہ زیر بحث میں صرف یہی دو ضعیف روایتیں نہیں ہیں، بلکہ تیسری ضعیف روایت بھی پائی جاتی ہے، بلکہ ایک صحیح اور کئی مرسل اور منقطع روایتیں بھی پائی جاتی ہیں، جیسا کہ بعد میں آئے گا، فی الحال ایک تیسری ضعیف روایت اور پڑھ لیجیے، محدث طبرانی فرماتے ہیں اور ان سے محقق ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

"وَقَالَ الطَّبَرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ، ثَنَا ابْنُ عَائِشَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ يَزِيدُ فِي حَدَاثَتِهِ صَاحِبَ شَرَابٍ يَأْخُذُ مَأْخَذَ الْأَحْدَاثِ، فَأَحَسَّ

مُعَاوِيَةُ بِذَلِكَ، فَأَحَبَّ أَنْ يَعِظَهُ فِي رِفْقٍ"۔①

گیاوی صاحب نے ان عربی الفاظ کا اردو ترجمہ نہیں کیا، اور نہ ہی روایت مکمل نقل کی ہے، ہم سب سے پہلے البدایۃ والنہایۃ میں منقول روایت کا اردو ترجمہ کرتے ہیں:

''طبرانی نے کہا: ہم سے بیان کیا محمد بن زکریا الغلابی نے، وہ کہتا ہے ہم سے بیان کیا ابن عائشہ نے، اس نے اپنے والد سے، اس نے کہا: یزید اپنی نوعمری میں شرابی تھا اس سے نوعمروں والی حرکتیں صادر ہوتی تھیں، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے چاہا کہ نرمی سے اس کی اصلاح کریں (گیاوی صاحب نے یہاں تک روایت کے عربی الفاظ نقل کیے ہیں، ہم آگے کے چند الفاظ کا ترجمہ بھی کرتے ہیں)...... چنانچہ انہوں نے کہا: اے بیٹے! تمہیں کس چیز نے یہ قدرت دی کہ تم اپنی خواہش کی تکمیل یوں سرعام کرو جو تمہاری قدر و منزلت کے لیے خطرہ بن جائے (پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) اے بیٹے میں تمہیں چند اشعار سناتا ہوں، تم ان سے سیکھو اور انھیں یاد کرو، اور پھر امیر معاویہ نے یہ اشعار کہے (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ): جب رات کی تاریخی چھا جائے اور دشمن سو جائیں، تو رات میں جو چاہو کرو، کیوں کہ رات چالاک لوگوں کے لئے دن ہے...... الخ۔

قارئین محترم! گیاوی صاحب خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اس روایت کا اردو ترجمہ کیا تو قارئین سمجھ جائیں گے کہ اس ''موضوع'' روایت سے یزید کو شرابی ثابت کرتے ہوئے اس کے والد اور خلیفہ وقت امیر المؤمنین سیدنا امیر

① البدایۃ والنہایۃ، ج۸ ص ۳۲۲ دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۳۔ ۲۴.

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر بھی بہت بڑا طعن آ رہا ہے، وہ یہ کہ اس روایت کے مطابق انہیں اپنے بیٹے کی شراب نوشی کا علم ہوتا ہے اور بجائے اسے شرعی سزا دینے کے وہ اسے نرمی سے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ بیٹا! ایسے کام دن کی روشنی میں نہ کیا کرو، بلکہ رات کے اندھیرے میں کیا کرو جب دشمن کی آنکھ سو جاتی ہے۔

ہمارا سوال ہے کہ یہاں گیاوی صاحب کا ''دفاع صحابہ'' کہاں چلا گیا؟؟ یزید کی ایسی تیسی کرتے ہوئے کیا انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایک ایسی روایت کی بنیاد پر جسے وہ خود ''ایک ضعیف روایت'' لکھ رہے ہیں، وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتنا بڑا الزام لگا رہے ہیں؟ کیا وہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں تھا کہ یزید شرابی ہے، اس کے باوجود انہوں نے اس کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی؟ ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

خیر! آیئے ہم سب سے پہلے اس روایت کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے صرف یہ لکھا ہے کہ "قال الطبراني" (طبرانی نے کہا)''، گیاوی صاحب نے بھی ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ ''محدث طبرانی فرماتے ہیں''، لیکن ہمیں بسیار کوشش کے باوجود امام طبرانی کی کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ملی، بلکہ یہ روایت اسی ''محمد بن زکریا الغلابی'' کے طریق سے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کی ''تاریخ دمشق'' ج ۶۵ ص ۴۰۳ پر پائی جاتی ہے اور اس کی سند میں بھی کہیں ''طبرانی'' کا ذکر نہیں، اور ''محمد بن زکریا الغلابی'' کا تعارف ہم شروع میں کروا آئے ہیں، آیئے پھر اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ امام دارقطنی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

"يضع الحديث"۔

یہ حدیثیں گھڑتا ہے۔①

۲۔ امام ذہبی (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

''محمدبن زکریاالغلابي کذاب"②

محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے۔

۳۔ امام ابن جوزی (رحمہ اللہ)، جو یزید کے بارے میں بڑا سخت موقف رکھتے ہیں، انہوں نے گیاوی صاحب کی متدلہ اسی روایت کو اپنی کتاب "الموضوعات" میں "باب ذکر حدیث موضوع علی معاویة" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اور اسے "موضوع" (من گھڑت) بتایا ہے اور لکھا ہے کہ "محمد بن زکریا الغلابی" غالی قسم کا شیعہ تھا، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔③

۴۔ امام ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے ہی ایک دوسری جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر کر کے لکھا ہے: "هذا حديث موضوع وضعه محمد بن زكريا" یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے۔④

الغرض! ثابت ہوا کہ یہ ''محمد بن زکریا الغلابی'' کوئی عام قسم کا ضعیف راوی نہیں بلکہ ''جھوٹا'' اور ''حدیثیں گھڑنے والا'' اور ''غالی قسم کا شیعہ'' ہے نیز اس کی اس زیر بحث روایت کو تو ابن جوزی نے خاص طور پر ''موضوع'' (من گھڑت) قرار دیا ہے...... تو کیا یہ ہے گیاوی صاحب کی اس شان کی ''غیر جانبدارنہ'' تحقیق جسے بقول مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی ''منصف انسان'' قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟۔

---

①سؤالات الحاکم للدارقطنی، صفحہ ۱۴۸ مکتبۃ المعارف، الریاض۔

②میزان الاعتدال، جلد۳ صفحہ ۱۶۶ دار الفکر بیروت۔

③الموضوعات لابن الجوزي، جلد۳ صفحہ ۲۷۸ المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ۔

④ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۱۸۔

یہاں کوئی یہ دلیل نہ دے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو اس روایت کو جھوٹی بتلانے کے بجائے اس کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا اعتراض کرنا ہے تو ان پر کرو، کیونکہ ہم اسے بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا تسامح ہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خود "محمد بن زکریا الغلابی" کا نام لے کر یہ روایت نقل کی ہے اور پھر اس پر خاموشی سے گذر گئے، اللہ ان کا یہ تسامح معاف فرمائے۔

بہر حال یہ روایت نقل کرنے کے بعد گیاوی صاحب نے اپنی طرف سے اس کے راویوں کا تعارف بھی کروایا ہے، اور سب سے پہلے ''امام طبرانی'' کا نام لکھا ہے، جبکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت ہمیں طبرانی کی کسی کتاب میں نہیں ملی، اور جہاں یہ روایت موجود ہے وہاں اس کی سند میں امام طبرانی کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ دوسرے نمبر پر گیاوی صاحب نے "محمد بن زکریا الغلابی" کا بھی تعارف "ثقات ابن حبان" سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

''اگر یہ ثقہ سے روایت کرے تو پھر یہ قابل اعتبار ہے''، جبکہ ہم دوسرے ائمہ جرح و تعدیل سے اس راوی کا "کذاب" اور "وضاع" ہونا ثابت کر آئے ہیں، اور ابن حبان اگر کسی راوی کی ''توثیق'' میں بھی منفرد ہوں تو اس پر علماء کے تحفظات ہوتے ہیں، یہاں تو وہ ایک عجیب بات لکھ رہے ہیں جس کا مطلب ہے کہ ''ایک کذاب راوی اگر کسی ثقہ راوی کا نام لے کر اس سے روایت بیان کرے تو پھر وہ قابل اعتبار ہو جائے گا''...... ابن حبان کے منہج کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "لسان المیزان" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"قلت: وهذا الذي ذهب إليه ابن حبان من أن الرجل إذا انتفت جهالة عينه كان على العدالة إلى أن يتبين جرحه مذهب عجيب والجمهور على

خلافه"①

یعنی ابن حبان کے نزدیک اگر ایک راوی مجہول العین نہ ہو تو اسے صاحب عدالت ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس پر کسی جرح کا علم نہ ہو جائے، یہ مذہب عجیب ہے اور جمہور کے خلاف ہے۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے ایک راوی ''عارم'' کے بارے میں ابوالحسن دارقطنی کی بات نقل کی، جبکہ ابن حبان نے اس راوی کے بارے میں دارقطنی کی بات کے خلاف بات کہی تھی تو علامہ ذہبی اس پر ابن حبان پر غصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَانْظُرْ قَوْلَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحَدِيثِ أَبِي الْحَسَنِ، فَأَيْنَ هَذَا مِنْ قَوْلِ ذَاكَ الْخَسَّافِ، المتفاصح أَبِي حَاتِمِ بنِ حِبَّان فِي عَارِمٍ۔②

''یعنی دیکھو حدیث میں امیر المؤمنین ابوالحسن (دارقطنی) کا قول کیا ہے اور ابن حبان کیا کہہ رہے ہیں''۔

اور یہاں بھی "محمد بن زکریا الغلابي" کے بارے میں امام دارقطنی کا قول ہم پیش کر چکے ہیں کہ ''وہ حدیثیں گھڑنے والا ہے''، تو اس کے مقابلے میں ابن حبان کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ ''اگر یہ ثقہ سے روایت کرے تو معتبر ہوگا'' بلکہ یہ بات ہی غلط ہے، ایک جھوٹا اور وضاع چاہے کسی ثقہ سے ہی کیوں نہ روایت کرے، اور نیز اس کذاب سے آگے بھی روایت کرنے والا کوئی ثقہ ہی کیوں نہ ہو، وہ جھوٹا اور وضاع ہی رہے گا، ثقہ نہیں ہو جائے گا، جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے راوی اپنی گھڑی ہوئی روایت کی سند میں ثقہ لوگوں کے نام ہی ڈالتے ہیں۔

---

①لسان الميزان بتحقيق ابي غدة، ج ١، ص ٢٠٨۔

②سير اعلام النبلاء، ج ١٠ ص ٢٦٧ طبع مؤسسة الرسالة بيروت۔

تیسرے نمبر پر گیاوی صاحب نے ''ابن عائشہ'' کا تعارف کروایا ہے، اور خود ہی "تهذيب التهذيب" کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

''اس کی وفات ۲۲۸ ہجری (یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً ۱۶۸ سال بعد) ہوئی، جبکہ اس روایت میں جو واقعہ بیان ہو رہا ہے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بتایا جا رہا ہے، یہاں ہمارا سوال ہے کہ اس روایت کے مطابق ''ابن عائشہ'' یہ بات اپنے والد سے نقل کر رہے ہیں، اور ''ابن عائشہ'' کی وفات گیاوی صاحب کے حوالے کے مطابق ۲۲۸ ہجری میں ہوئی ہے، تو اب گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ ''ابن عائشہ'' کے والد ''محمد بن حفص بن عمر'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (یعنی رجب ۶۰ ہجری سے پہلے) موجود تھے......

نیز ہم سمجھتے ہیں کہ یہ محمد بن حفص ایک ایسے راوی ہیں جن کی توثیق نہیں ملتی، ابن قطلو بغا السودونی (متوفی ۸۷۹ ہجری) کا انہیں اپنی کتاب "الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة" میں ذکر کرنا ان کو ثقہ ثابت نہیں کرتا، گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ''محمد بن حفص بن عمر'' کی صریح توثیق کسی متقدم امام سے ثابت کرتے۔

الغرض! ہمارے نزدیک یہ روایت نہ صرف یہ کہ "موضوع" ہے (جیسا کہ ابن جوزی نے اس کی صراحت کی ہے)، اور اس کا ایک راوی "محمد بن زكريا الغلابي" جھوٹا اور وضاع ہے، بلکہ یہ روایت منقطع بھی ہے، ''محمد بن حفص بن عمر'' (ابن عائشہ کے والد) نے بظاہر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

لیکن تعجب ہے گیاوی صاحب پر کہ وہ عنوان قائم کرتے ہیں:

''یزید کے فسق اور شرابی ہونے پر ناقابل انکار دلائل وشواہد''

اور پھر اس کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ابھی تک جو روایتیں نقل کی گئی ہیں، اور ان سے یزید کا شراب خور ہونا ثابت کیا گیا ہے، الگ الگ سب ضعیف روایتیں تھیں، اس لئے تعدد طرق کی بنا پر ان کو قابل استدلال قرار دیا گیا ہے''۔①

غور فرمائیں! یہ روایتیں گیاوی صاحب نے کسی عمل کی فضیلت بیان کرنے کے لیے نقل نہیں کیں، بلکہ ایک مسلمان پر ''شراب نوشی'' کا الزام ثابت کرنے کے لیے بطور شہادت پیش کی ہیں، اور گیاوی صاحب خود تسلیم بھی کرتے ہیں کہ ''یہ سب ضعیف ہیں'' (دراصل یہ تینوں روایتیں جھوٹی اور موضوع ہیں، کیونکہ واقدی، ابومخنف اور غلابی تینوں کوئی عام ضعیف نہیں بلکہ جھوٹے اور روایتیں گھڑنے والے ہیں)۔ کیا کسی مسلمان کو ''شرابی'' ثابت کرنے کے لیے شریعت کا یہی ضابطہ اور قانون ہے؟

یہاں کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ جیسے راویوں کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل اپنی رائے دیتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے اور فلاں ثقہ ہے، تو وہاں ان کی بات قبول کی جاتی ہے، تو اسی طرح یزید کی ذات پر علماء نے جو الزامات لگائے ہیں ان کی سند کیوں مانگی جاتی ہے؟ اور یہ کیوں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ''کوئی شرعی شہادت پیش کرو؟'' اس کا جواب ہم مضمون کے شروع میں عرض کر آئے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم جرح و تعدیل میں صرف ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے اس فن میں بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، نیز عام طور راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ اس کی مرویات کی بنا پر ہی ہوتا ہے، اس لئے ضروری

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴.

نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا ناقد محدث کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کر کے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے...... اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ راوی کی روایات کو پرکھ کر راوی کے بارے میں فیصلہ دینا اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور فقہی اجتہاد کی طرح جرح و تعدیل کے اس اجتہاد میں بھی مجتہد سے خطا و صواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی راوی سے متعلق ناقدین کے اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے کیوں کہ ہر ناقد اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہے، تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے......

نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو کیونکہ کسی کی ذات و کردار پر کوئی بھی الزام ثابت کرنے کے لیے شریعت کا اپنا قانون و ضابطہ ہے،

ایسے الزامات اجتہاد اور ظن سے ثابت نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان مکالمہ والی روایت:

اب آگے چلیے، گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب ایک صحیح روایت بھی اس کے شراب خور ہونے کے دلیل پیش کی جارہی ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اچھی طرح غور وفکر سے کام لیجئے، علامہ ذہبی اس کا مختصراً تذکرہ اپنی دو کتابوں میں کر رہے ہیں، اور ابن کثیر بھی البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۲۸ پر اس روایت کو مکمل طور پر نقل فرمارہے ہیں''۔①

اور پھر گیاوی صاحب نے وہ مشہور زمانہ روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت (سنہ ۶۳ ہجری میں) عبداللہ بن مطیع اور ان کے کچھ ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور ان کو بھی یزید کی بیعت توڑنے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کردیا، پھر عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بیان ہے، گیاوی صاحب نے اس گفتگو کا اردو ترجمہ محدث اعظمی رحمہ اللہ کا ہی نقل کیا ہے، ہم بھی وہی نقل کرتے ہیں:

''ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب مدینہ والوں کا وفد شام سے واپس آیا تو عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی ابن الحنفیہ کے پاس آئے، اور ان کو بھی خلع بیعت پر آمادہ کرنا چاہا، تو انہوں نے انکار کردیا، پھر ان میں اور عبداللہ بن مطیع میں یہ گفتگو ہوئی:

عبداللہ بن مطیع: یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے، اور کتاب اللہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴۔۲۵۔

کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔

ابن الحنفیۃ : میں نے وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم ذکر کرتے ہو، حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں، میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے۔

عبداللہ بن مطیع : وہ یہ سب آپ کو دکھانے کے لیے بناوٹ سے کرتا ہے۔

ابن الحنفیۃ : مجھ سے اس کو کیا خوف تھا یا کیا امید تھی کہ وہ میرے لئے خشوع ظاہر کرے گا، اچھا تم جو اس کی شراب خوری کا ذکر کرتے ہو تو کیا اس نے تم کو اس پر مطلع کیا ہے؟ اگر مطلع کیا ہے تو تم اس کے شریک (بزم و حریف بادہ) ہو اور اگر اس نے تم کو مطلع نہیں کیا ہے تو تمھارے لیے حلال نہیں ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کی شہادت دو۔

عبداللہ بن مطیع : ہمارے نزدیک تو وہ حق ہے، اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں ہے۔

ابن الحنفیۃ : اللہ نے شہادت دینے والوں کو اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ انکار کیا ہے، وہ فرماتا ہے ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ مگر جو حق بات کی گواہی دے دراں حالیکہ وہ اس کا تحقیقی علم بھی رکھتا ہو، اور میں تمہارے اس کام سے بیزار ہو، یا مجھ کو تمہارے اس کام سے کوئی سروکار نہیں......''①

استدراک:

یہ روایت یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے آگے یوں ہے:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۸-۲۹۔

”قَالُوا: فَلَعَلَّكَ تَكْرَهُ أَنْ يَتَوَلَّى الْأَمْرَ غَيْرُكَ، فَنَحْنُ نُوَلِّيكَ أَمْرَنَا. قَالَ: مَا أَسْتَحِلُّ الْقِتَالَ عَلَى مَا تُرِيدُونَنِي عَلَيْهِ تَابِعًا وَلَا مَتْبُوعًا. قَالُوا: فَقَدْ قَاتَلْتَ مَعَ أَبِيكَ. قَالَ جِيئُونِي بِمِثْلِ أَبِي أُقَاتِلُ عَلَى مِثْلِ مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ. فَقَالُوا: فَمُرِ ابْنَيْكَ أَبَا هَاشِمٍ وَالْقَاسِمَ بِالْقِتَالِ مَعَنَا. قَالَ: لَوْ أَمَرْتُهُمَا قَاتَلْتُ. قَالُوا: فَقُمْ مَعَنَا مَقَامًا تَحُضُّ النَّاسَ فِيهِ عَلَى الْقِتَالِ. قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ! آمُرُ النَّاسَ بِمَا لَا أَفْعَلُهُ وَلَا أَرْضَاهُ؟! إِذًا مَا نَصَحْتُ لِلّٰهِ فِي عِبَادِهِ. قَالُوا: إِذًا نُكْرِهُكَ. قَالَ: إِذًا آمُرُ النَّاسَ بِتَقْوَى اللهِ، وَأَلَّا يُرْضُوا الْمَخْلُوقَ بِسَخَطِ الْخَالِقِ. وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ"①

”(ہم اس روایت کے اس بقیہ حصے کا ترجمہ بھی کرتے ہیں): تو انہوں نے (محمد بن حنفیہ سے) کہا: شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بنا لیتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قتال کر رہے ہو، میں تو اس کو سرے سے جائز ہی نہیں سمجھتا، مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟، انہوں نے کہا: آپ تو اپنے والد (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ - ناقل) کے ساتھ مل کر قتال کر چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا: کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انہوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے، ایسے لوگ لے کر تو آؤ، وہ کہنے لگے: آپ اپنے بیٹوں ابوالقاسم اور قاسم کو ہی ہمارے ساتھ مل کر (یزید کے خلاف - ناقل) لڑائی کا حکم دے دیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود کیوں نہ تمہارے ساتھ

① دیکھیں: البدایة والنهایة، ج ۱۱ ص ۶۵۴ طبع دار هجر.

شریک ہو جاؤں؟، انہوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کام کو میں خود نہیں کرنا چاہتا اور نہ اسے پسند کرتا ہوں اس کا حکم کیسے دوں؟، اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملے میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں ہوں، وہ کہنے لگے: پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض نہ کرو، اور پھر (محمد بن حنفیہ) مکہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے''۔

قارئین محترم! اس روایت کا مکمل مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کا محمد بن حنفیہ کے ساتھ ایک قسم کا اچھا خاصہ مناظرہ اور مباحثہ ہوا تھا، اور محمد بن حنفیہ نے ان کی ہر بات کا جواب دیا تھا، اور وہ محمد بن حنفیہ کی باتوں کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے، اسی بات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے، غور سے پڑھیں:

"وَاعْتَزَلَ النَّاسَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ "زَيْنُ الْعَابِدِينَ" وَكَذَلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عمر بن الخطاب لم يخلعا يزيد، ولا أحد من بيت ابن عمر، وَقَدْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ لِأَهْلِهِ: لَا يَخْلَعَنَّ أحد منكم يزيد فتكون الْفَيْصَلُ وَيُرْوَى الصَّيْلَمُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَسَيَأْتِي هَذَا الْحَدِيثُ بِلَفْظِهِ وَإِسْنَادِهِ فِي تَرْجَمَةِ يَزِيدَ، وَأَنْكَرَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ فِي مُبَايَعَتِهِمْ لِابْنِ مُطِيعٍ وَابْنِ حَنْظَلَةَ عَلَى الْمَوْتِ، وَقَالَ: إِنَّمَا كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ، وَكَذَلِكَ لَمْ يَخْلَعْ يَزِيدَ أَحَدٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَقَدْ سئل محمد بن الحنفية في ذلك فامتنع

عن ذلك أشد الامتناع، وَنَاظَرَهُمْ وَجَادَلَهُمْ فِي يَزِيدَ وَرَدَّ عَلَيْهِمْ مَا اتهموا يزيد به من شرب الْخَمْرَ وَتَرْكِهِ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ كَمَا سَيَأْتِي مَبْسُوطًا فِي تَرْجَمَةِ يَزِيدَ قَرِيبًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ"۔①

سیدنا علی بن الحسین یعنی زین العابدین اور اسی طرح عبداللہ بن عمر بن الخطاب دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، اور نہ ہی ابن عمر کے خاندان میں سے کسی نے توڑی تھی، ابن عمر نے تو اپنے اہل وعیال سے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی تو میرا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، یہ حدیث الفاظ اور سند کے ساتھ یزید کے تعارف میں آئے گی، (اسی طرح ابن عمر) نے اہل مدینہ کی اس بات کو ناپسند کیا تھا جو انہوں نے (عبداللہ) بن مطیع اور (عبداللہ) بن حنظلہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی اور فرمایا تھا کہ ہم صرف اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کیا کرتے تھے کہ ہم فرار اختیار نہ کریں گے، اسی طرح بنوعبدالمطلب میں سے بھی کسی نے بھی یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، یہاں تک کہ محمد بن حنفیہ سے یہ (بیعت توڑنے کا) کہا گیا تو انہوں نے سختی سے منع کردیا، بلکہ ان سے یہ مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ انہوں نے یزید کے بارے میں مناظرہ ومجادلہ کیا اور جو انہوں نے یزید پر شراب نوشی اور بعض نمازیں ترک کرنے کی تہمت لگائی تھی اس میں ان لوگوں کا رد کیا جیسا کہ تفصیل کے ساتھ یزید کے تعارف میں آئے گا ان شاء اللہ۔

یہ ہے تحقیق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی، وہ صاف لکھتے ہیں کہ زین العابدین رحمہ اللہ

① البداية والنهاية، ج۸ ص۲۳۸ طبع دار هجر.

اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سمیت ''بنو عبدالمطلب'' کے کسی فرد نے بھی یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، بلکہ محمد بن حنفیہ کے پاس جب وہ لوگ بیعت توڑنے کا مطالبہ لے کر آئے تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا اور جب ان لوگوں نے یزید پر شراب نوشی وغیرہ کی تہمت لگائی تو محمد بن حنفیہ نے ان کے ساتھ باقاعدہ مناظرہ ومجادلہ کیا اور ان کی تہمت کی تردید کی، اس بات کو خود گیاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۔۳۱ پر مع ترجمہ نقل کیا ہے، لیکن اپنی مناظرانہ طبیعت سے مجبور ہو کر "جادَلَهم" کا مفہوم ''کٹ حجتی'' سے بیان کیا ہے۔ ① اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ گفتگو صرف ''محمد بن حنفیہ'' کی طرف سے کٹ حجتی تھی، ورنہ دلائل عبداللہ بن مطیع کے ہی مضبوط تھے...... جی تو چاہتا ہے کہ میں گیاوی صاحب سے پوچھوں کہ حضرت! گستاخی معاف، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرمایا ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ②

تو کیا اس آیت میں "جادِلهم" کا مفہوم کٹ حجتی والا ہی ہوگا؟ لیکن ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو بات لکھی ہے اس میں ''مناظرہ'' ''مجادلہ'' اور تہمت لگانے والوں کی ''تردید'' تینوں باتیں مذکور ہیں۔

لیکن گیاوی صاحب کی ''کاریگری'' ملاحظہ فرمائیں، ان کا سارا مقدمہ اس بات پر قائم ہے کہ

''چونکہ سیدنا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں، اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یزید

① دیکھیں: صفحہ ۳۲.

② النحل: ۱۲۵.

شراب پیتا ہے، اگرچہ انہوں نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ ہم نے اسے شراب پیتے نہیں دیکھا، اس کے باوجود ان کی یہ بات تسلیم کرنا ضروری ہے، اور ان کی بات کا انکار کرنا ایک صحیح حدیثی روایت کا انکار کرنا ہو گا''۔ (خلاصہ)

ہم یہاں گیاوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہ یہ فتویٰ دیں کہ

''محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے چونکہ عبد اللہ بن مطیع کی یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر قتال کرنے کو ناپسند کیا اور اسے مخلوق کی رضا کے لیے خالق کو ناراض کرنے سے تعبیر فرمایا لہٰذا وہ ایک صحیح حدیثی روایت کے منکر ٹھہرے''...... بینوا توجروا۔

نیز گیاوی صاحب یہ فتویٰ دیں کہ

''کسی پر شراب نوشی کا الزام ثابت کرنے کے لیے صرف ایک آدمی یا چند لوگوں کا یہ کہنا کافی ہے کہ اگرچہ ہم نے اس شخص کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ شرابی ہے......''

(جبکہ وہ اپنے اس علم کا ذریعہ بھی نہ بتائیں)...... ہمت کریں، جاری کریں فتویٰ۔

دید اور شنید کا تقابل ہو تو دید کو ترجیح دی جاتی ہے:

ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یہاں ''دید'' اور ''شنید'' کا تقابل ہے، اسی روایت میں محمد بن الحنفیۃ نے عبد اللہ بن مطیع کی سنی سنائی بات کو اپنی عینی شہادت سے رد کیا ہے، کیا گیاوی صاحب کے نزدیک ''محمد بن الحنفیۃ'' نے جھوٹ بولا؟ واضح بات کریں، ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ (بفرض صحت روایت) عبد اللہ بن

مطیع کا بیان کسی بھی طرح شرب خمر کے اثبات کے لیے شرعی شہادت نہیں بن سکتا، کیونکہ انہوں نے خود اقرار کیا کہ ''میں نے اسے شراب پیتے نہیں دیکھا''، یعنی انہوں نے یہ بات کسی اور سے سنی ہے، اور ان کے علم کا ذریعہ کیا ہے؟ یہ انہوں نے نہیں بتایا، اب گیاوی صاحب یہ بتادیں کہ عبداللہ بن مطیع نے یہ بات کس سے سنی تھی؟ یا انھیں کس نے بتایا تھا؟ تاکہ ہم اس مجہول مخبر کی بھی تحقیق کرلیں، نیز یہ معلوم ہو کہ عبداللہ بن مطیع کو یہ بات بتانے والے کتنے تھے؟ پھر یہ کوئی کسی حکم شرعی کی وضاحت یا تشریح کا معاملہ نہیں کہ وہاں صحابی اور غیر صحابی کے قول کی بحث کی جائے، بلکہ ایک مسلمان پر ''شرب خمر'' کا الزام ثابت کرنے کی بات ہے، اور اس کے لیے شریعت میں ایک ضابطہ ہے، اور وہ ضابطہ صحابی وغیر صحابی سب کے لیے ہے (ہم یہاں عبداللہ بن مطیع کو صحابی ہی فرض کر کے یہ بات لکھ رہے ہیں، اس پر کچھ مزید ہم آگے عرض کریں گے)،

لہٰذا یہاں تقابل صرف عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کی بات کا ہی نہیں تھا بلکہ دید اور شنید کا تقابل بھی تھا، محمد بن حنفیہ اپنا مشاہدہ بیان کررہے تھے اور عبداللہ بن مطیع محض سنی سنائی بات، اور دید وشنید میں دید کو ہی پسند کرنا یا اس کا پسند آنا نہ صرف یہ کہ قرین عقل وقیاس ہے بلکہ تعلیم نبوی بھی ہے، چنانچہ کتب میں آنحضرت ﷺ کی ام ولد (ماریہ رضی اللہ عنہا) کا واقعہ مذکور ہے کہ بعض منافقین نے ان کو ان کے چچازاد بھائی (جن کا نام مابور بتایا جاتا ہے) سے متہم کردیا، آنحضرت ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مابور کو جاکر قتل کردو، سیدنا علی رضی اللہ عنہ گئے اور اس کو پکڑنے کے لیے جو اپنی طرف کھینچا تو اسی کش مکش میں اس کا ستر کھل گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پیدائشی طور پر اس کا عضو مخصوص ہی نہ تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل کیے بغیر واپس آگئے اور آنحضرت ﷺ کو ساری بات آکر بتلادی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"الشَّاهِدُيَرَى مَالَايَرَى الْغَائِبُ"①

''یعنی حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا''۔

فقہاء نے بھی اس اصول کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ ایک جگہ ایک مسئلہ کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ليس الخبر كالمعاينة"②

نیز مسند احمد کی صحیح روایت ہے:

"حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:

"لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ"③

''یعنی کسی کی دی گئی خبر، خود دیکھنے کا مقابلہ نہیں کرسکتی''۔

دیکھ لیجئے! یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ''دید'' کو ''شنید'' پر ترجیح دی گئی۔

پھر اگر یہی بات ہے کہ ایک صحابی نے (اس اقرار کے ساتھ کہ میں نے خود دیکھا نہیں) یہ کہہ دیا تو وہ کسی کو ''شرابی'' یا ''زانی'' ثابت کرنے کے لیے کافی ہے تو پھر ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی شہادت دی ان شہادت دینے والوں میں صحابی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن یہ گواہی ضابطہ شہادت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے رد ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی اور ان سے فرمایا کہ ''اگر یہ اپنی

① البداية والنهاية، ج۸ ص ۲۳۰ طبع دار هجر.

② الهداية، ج۳ ص ۱۷۰ مكتبه شركت علميه ملتان.

③ مسند احمد، حديث نمبر: ۱۸۴۲ طبع مؤسسة الرسالة.

غلطی مان کر توبہ کرلیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہوجائیں گے'' لیکن انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا۔①

گیاوی صاحب فرمائیں کہ وہ یہاں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر ''زنا'' کا الزام ثابت مانتے ہیں؟ یا وہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو کالعدم اور صرف الزام کہتے ہیں؟ یا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف جاری کرنے میں غلطی پر کہیں گے؟۔ یاد رہے یہ گواہی دینے والے متفقہ صحابی ہیں۔

اسی طرح ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں کہ کسی صحابی کو کسی کی بات سے غلط فہمی ہوجانا ناممکن نہیں، نیز آیئے ایک اور مثال پڑھ لیں:

سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا تھا کہ

اللہ کی قسم یہ بھی محض دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں ......وَإِنْ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا ......②

اسی طرح کی بات سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، آپ نے اہل مکہ (یعنی سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں) کے بارے میں فرمایا:

... يَقْتَتِلُونَ عَلَى الدُّنْيَا، يَتَهَافَتُونَ فِي النَّارِ تَهَافُتَ الذُّبَابِ فِي الْمَرَقِ...③

یعنی یہ تو دنیا پر لڑ رہے ہیں اور آگ میں ایسے گر رہے ہیں جیسے مکھی شوربے

---

①دیکھیں: صحیح البخاری، ج۳ ص ۱۷۰ باب حد القاذف والسارق والزانی، طبع دار طوق النجاۃ اور فتح الباري، ج۵ ص ۲۵٦ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

②صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۷۱۱۲۔

③السنن الکبری للبیهقی، ج۳ص ۱۷۳ طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔

میں گرتی ہے۔

گیاوی صاحب فرمائیں! سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آپ کے نزدیک خالص دین کے لیے لڑ رہے تھے یا خالص دنیا کے لیے؟ اگر خالص دنیا کے لیے تو تصریح فرمائیں، اگر خالص دین کے لئے لڑے تھے تو بتایئے سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی اس بات میں آپ غلطی پر کہتے ہیں یا کیا؟۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔

اس لیے یہ جذباتی بیان یہاں نہیں چلنے والے کہ عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں لہٰذا انہوں نے بات کہہ دی تو اب کسی ضابطہ شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہی، کیونکہ فیصلہ تو اصول شہادت کی بنیاد پر ہی کیا جائے گا، ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو رد نہ فرماتے، اصل بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک آدمی پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر ایک امر غیر واقع کو امر واقع یقین کر لیتا ہے، یہ صحابیت یا تابعیت کے منافی نہیں، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ بعض اہل مدینہ، وہاں موجود ان شرپسندوں کے پروپگنڈہ سے متأثر ہو کر یہ باتیں کر رہے ہوں جن کا کام ہی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے سازشیں کرنا تھا اور جن کے آباء واجداد اس سے پہلے جمل و صفین میں یہی کام کر چکے تھے، کیونکہ یہ اقرار تو حضرت عبداللہ بن مطیع خود کر رہے ہیں کہ انہوں نے بچشم خود یزید کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا، ایسی صورت میں یہ محض ان کی شنید ہوئی، اور شنید و دید میں تعارض کے وقت دید کا قابل پسندیدگی ہونا نص حدیث سے ثابت ہے۔

گیاوی صاحب نے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی ''دید'' کو غیر اہم ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ:

''اس کا ایک جواب تو خود عبداللہ بن مطیع نے دے دیا ہے کہ یہ سب کچھ ریاکاری اور تصنع کی وجہ سے تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ پہلے گئے تھے وہ موجودہ حالت کے بارے میں نہیں بتا رہے، اور عبداللہ بن مطیع ابھی ان کے بعد گئے ہیں اس لیے ان کا بیان موجودہ حالت کے متعلق ہے، دونوں کے جانے کے درمیان تقریبا ایک سال کا وقفہ ہے''۔①

گیاوی صاحب نے یہ بات اپنے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کی کتاب② سے نقل کر کے صرف دفع الوقتی فرمائی ہے، اس پر عرض ہے کہ

جہاں تک عبداللہ بن مطیع کی طرف سے محمد بن حنفیہ کو یہ جواب دینے کا تعلق ہے کہ ''یہ سب کچھ وہ ریاکاری اور تصنع کی وجہ سے کرتا تھا''......

تو ہم گیاوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ عبداللہ بن مطیع کے بارے میں ''عالم الغیب'' ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟؟ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ریاکاری اور تصنع کی وجہ سے تھا؟ پھر گیاوی صاحب یہ کیوں بھول گئے کہ عبداللہ بن مطیع کی اس بات کا ''جواب الجواب'' بھی محمد بن حنفیہ نے دیا ہے، جس کا جواب عبداللہ بن مطیع نہ دے سکے۔ رہی دوسری بات کہ محمد بن حنفیہ یزید کے پاس پہلے گئے تھے اور عبداللہ بن مطیع بعد میں ہو کر آئے تھے لہٰذا ان کا بیان موجودہ حالت کے متعلق ہے، تو یہ بات گیاوی صاحب تب کریں جب عبداللہ بن مطیع نے یہ کہا ہو کہ ''میں جب یزید کے پاس گیا تو میں نے اسے یہ سب کام کرتے دیکھا''، تب محمد بن حنفیہ کی ''دید''

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۰۔
② استخلاف یزید، صفحہ ۲۲۴ طبع اول۔

اور عبداللہ بن مطیع کی ''دید'' کا تقابل کیا جا سکتا ہے، لیکن یہاں تو عبداللہ بن مطیع خود واضح طور پر اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ ''ہم نے خود ایسا کرتے نہیں دیکھا''، گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ محمد بن حنفیہ کی ''عینی شہادت'' کے مقابلے میں ان کے یزید کے پاس جانے بعد کے زمانے کی کوئی اور ''عینی شہادت'' ہی پیش کرتے، تب ہم یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ محمد بن حنفیہ سال پہلے کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یہ دوسری عینی شہادت موجودہ حالت کی ہے، لیکن اس روایت میں تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ ''ہم جب یزید کے پاس گئے تو ہم نے اسے یہ یہ کام کرتے دیکھا یا پایا ہے''، تو پھر گیاوی صاحب کیوں ان کی طرف وہ بات منسوب کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے کی ہی نہیں؟، یاد رہے کہ یہاں گیاوی صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ محمد بن حنفیہ جس زمانہ کی گواہی دے رہے ہیں وہ ایک سال پہلے کی بات ہے۔

نیز یہاں خود گیاوی صاحب نے دبے لفظوں میں تسلیم کر لیا کہ واقعہ حرہ (یعنی ۶۳ ہجری) سے ایک سال پہلے تک (اگر واقعی محمد بن حنفیہ کا یزید کے پاس جانا اور وہاں ٹھہرنا واقعہ حرہ سے ایک سال پہلے کا ہی واقعہ فرض کر لیا جائے تو) یزید شراب نوشی وغیرہ کے الزامات سے بری تھا اور نماز کا پابند اور احکام شریعت پر عمل کرنے والا تھا کیونکہ اس پر محمد بن حنفیہ کی عینی شہادت موجود ہے، کیا گیاوی صاحب اس بات سے علی الاعلان اتفاق کریں گے؟ کیونکہ اس سے تو گیاوی صاحب کی وہ دلیلیں ھباءً منثوراً ہو جاتی ہیں جن سے وہ یزید کا کم عمری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی شرابی ہونا ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں، یا گیاوی صاحب کے نزدیک محمد بن حنفیہ کی واقعہ حرہ سے سال بھر پہلے کے زمانہ کے بارے میں گواہی بھی قابل قبول نہیں؟

ہم یہاں ایک اور بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شراب نوشی اور زنا کاری جیسے جرائم دو طرح ہی انجام دیئے جا سکتے ہیں، ایک تو کھلے عام، دوسرے چھپ کر، اگر تو یزید یہ افعال کھلے عام انجام دیتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ دو چشم دید گواہ بھی ہمیں نہیں مل رہے، اس صورت میں تو چشم دید گواہوں کا ایک جم غفیر ہونا چاہئے تھا، نیز اگر وہ کھلے عام یہ کام کرتا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی وہ اکثریت جنہوں نے اس کی بیعت خلافت کی تھی کیا انہوں نے ایک کھلے شرابی اور زانی کی بیعت کی تھی؟، اور اگر وہ یہ کام چھپ چھپ کر کرتا تھا، تو سوال ہے کہ ان راویوں کو یہ کیسے علم ہوا کہ وہ یہ کام چھپ چھپ کر کرتا تھا؟ کیا یہ راوی خود اس کی مجلس میں شریک رہے تھے یا یزید نے ان کے سامنے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ میں شراب بھی پیتا ہوں اور حرام کاری بھی کرتا ہوں؟ (یہی وہ سوال ہے جو محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اٹھایا تھا اور جس کا تسلی بخش جواب کوئی نہیں آیا تھا)۔

کیا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں؟:

ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مطیع کو صحابی کہا جائے (البتہ اس صورت میں وہ صغار صحابہ میں ہی شمار ہوں گے)، لیکن اہل علم نے ان کے بارے میں صرف "له رؤية" لکھا ہے، مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"عبد الله ابن مطيع ابن الأسود العدوي المدني له رؤية و كان رأس قريش يوم الحرة"①

عبداللہ بن مطیع ابن الاسود العدوی المدنی انہیں (صرف) رؤیت حاصل ہے، اور یہ حرہ والے دن (بیعت توڑنے والے- ناقل) قریش کے

① تقریب التهذیب، ج ۱ ص ۳۲۴ نمبر: ۳۶۲۶ طبع دار الرشید سوریا۔

سردار تھے۔

لہٰذا اگر کسی نے انہیں ''صحابہ'' میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف ''رؤیت'' کے لحاظ سے صحابی ہیں، جبکہ دوسری طرف بہت سے علماء کے نزدیک ''صحبت'' اور ''رؤیت'' میں فرق ہے، چند مثالیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم ''محمود بن الربیع'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمود بن الربيع ويقال ابن ربيعة الخزرجي الانصاري مديني أدرك النبي ﷺ وهو صبي ليست له صحبة وله رؤية"①

''کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے جب یہ بہت چھوٹے بچے تھے لہٰذا انہیں صحبت حاصل نہیں صرف رؤیت حاصل ہے''۔

ایک جگہ ''یوسف بن عبداللہ بن سلام'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

"يوسف بن عبد الله بن سلام المديني أبو يعقوب رأى النبي ﷺ وليست له صحبة"②

''یوسف بن عبداللہ بن سلام نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے لیکن انہیں صحبت حاصل نہیں''۔

ابن مندۃ العبدی (متوفی ۳۹۵ ہجری) ''بشیر بن فدیک'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

"له رؤية، ولأبيه صحبة"③

---

①الجرح والتعديل، ج۸، ص ۲۸۹، دار احياء التراث العربي بيروت۔

②ايضاً، ج ۹ ص ۲۲۵۔

③معرفة الصحابة لابن مندة، ج ۱ ص ۲۵۳ طبع جامعة الامارات العربية المتحدة/ ايضاً معرفة الصحابة لابي نعيم الاصبهاني، ج ۱ ص ۴۰۲ طبع الرياض/ اسد الغابة، ج ۱ ص ۳۹۵ طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

''انہیں ''رویت'' حاصل ہے اور ان کے والد کو ''صحبت''۔

اسی طرح علامہ ابن الاثیر الجزری نے "عبد اللہ بن خباب بن الارت" کے بارے میں لکھا ہے:

"لہ رؤیۃ ولأبیہ صحبۃ"①

''انہیں صرف رویت حاصل ہے، جبکہ آپ کے والد کو صحبت حاصل ہے''۔

فراس بن عمرو اللیثی کے بارے میں بھی ایسے ہی الفاظ ہیں:

"لَہُ رؤیۃ، ولأبیہ صحبۃ"②

ابن ابی حاتم اپنے والد (ابو حاتم رازی رحمہ اللہ) کے واسطے سے اسحاق بن منصور سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ:

"قُلْتُ لِیَحْیَی مُحَمَّدُ بْنُ حَاطِبٍ لَہُ رُؤْیَۃٌ أَوْ صُحْبَۃٌ قَالَ رُؤْیَۃٌ"③

''محمد بن حاطب کو رویت حاصل ہے یا صحبت؟ تو انہوں نے فرمایا: رویت''

اسی طرح امام ابو حاتم رازی نے ''طارق بن شہاب'' کے بارے میں فرمایا:

"طَارِقُ بْنُ شِہَابٍ لَہُ رُؤْیَۃٌ وَلَیْسَتْ لَہُ صُحْبَۃٌ"④

''طارق بن شہاب کو ''رویت'' تو حاصل ہے لیکن ''صحبت'' نہیں''۔

لہٰذا جن علماء کے نزدیک ''رویت'' اور ''صحبت'' میں فرق ہے، ان کے مطابق عبد اللہ بن مطیع صحابی نہیں بلکہ صرف "لہ رؤیۃ" والے ہی ہوں گے۔

---

①أسد الغابة، ج۳ ص ۲۲۳۔

②ایضاً، ج۴، ص ۳۳۷۔

③المراسیل لابن ابی حاتم، صفحہ ۱۸۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

④ایضاً، صفحہ ۹۸۔

الغرض! عبداللہ بن مطیع کا صحابی ہونا مختلف فیہ کہا جا سکتا ہے اور اگر انہیں صحابہ میں ہی شمار کیا جائے تو بھی وہ صغار صحابہ میں ہی ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وأحکم

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ان کے صحابی ہونے یا نہ ہونے سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ اسلام کا ضابطہ شہادت صحابی اور غیر صحابی سب کے لیے ایک ہی ہے الا من استثناہ اللہ ورسولہ، خود مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے بھی عبداللہ بن مطیع کی صحابیت کے مختلف فیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے:

''اگر اس واقعہ میں صرف عبداللہ بن مطیع ایک ہی صحابی رسول ﷺ ہوتے تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے، لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جاتا ہے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی''۔①

اگرچہ یہ لکھ چکنے کے بعد جب آنجناب کو کسی نے اس پر متنبہ کیا تو کچھ صفحات کے بعد اپنی اس بات کی یوں تاویل کرنے کی کوشش کی کہ:

''عبداللہ بن مطیع کے تابعی ہونے والی بات مرجوح قول کی بنیاد پر صحیح کہی گئی ہے ورنہ بقول راجح سیدنا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں''۔② لیکن یہاں بھی وہ ان کے صحابی ہونے کو متفق علیہ نہیں کہہ سکے۔

گیاوی صاحب کی غلط بیانی:

قارئین محترم! گیاوی صاحب نے عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کی محمد

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲۔
② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۵۔

بن حنفیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر مشتمل روایت حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی کے حوالے سے خود نقل کی ہے، بلکہ اپنی دلیل کے طور پر پیش کی ہے، اس روایت کو اول تا آخر پڑھ جائیں آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ ''محمد بن حنفیہ کے ساتھ ہونے والی اس بات چیت میں عبداللہ بن مطیع کے ساتھ مزید فلاں فلاں صحابی نے بھی یزید کے شرابی ہونے کی بات کی تھی''، لیکن گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس موقع پر ان کے ساتھ (یعنی عبداللہ بن مطیع کے ساتھ- ناقل) صحابہ میں بھی متعدد صحابہ موجود ہیں''۔①

جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے صرف عبداللہ بن مطیع کی بات کی تردید نہیں کی بلکہ بہت سے صحابہ کی بات کی تردید کی، یہ گیاوی صاحب کے اپنے ذہن کا استنباط تو ہوسکتا ہے، لیکن اس روایت میں عبداللہ بن مطیع کے علاوہ (اگر انہیں صحابی ہی تصور کرلیا جائے تو بھی) کسی دوسرے صحابی کا ذکر تک نہیں۔

قارئین محترم! یہ تھی وہ ''اکلوتی'' اور بقول گیاوی صاحب ''صحیح روایت''، جسے انہوں نے یزید کے شرابی ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، ہم گیاوی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ اگر اس سے یزید کا شرابی ہونا ثابت ہوتا تھا تو ایک ثقہ اور جلیل القدر تابعی محمد بن حنفیہ نے تو اس شہادت کو کافی نہیں سمجھا تھا، تو کیا آپ کا یہ دعوی ہے کہ آپ کا شریعت اور دین کا علم محمد بن حنفیہ سے زیادہ ہے؟؟ ذرا سوچ کر جواب دیں۔

واضح رہے کہ ہم نے یہ تمام تفصیل گیاوی صاحب کے اس دعوے کو درست فرض کر کے عرض کی ہے کہ:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲.

یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور پختہ ہے، کسی قیل وقال کی قابل ذکر کوئی وجہ نہیں ہے۔①

نیز لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے ایک بار پھر یہ عرض کردوں، یہ تاریخی بات یا کمزور ضعیف یا غیر معتبر روایت نہیں ہے کہ صرف پڑھ کر کوئی گذر جائے، بلکہ یہ روایت نہایت مضبوط سند کے ساتھ مروی ہے اور روایت کرنے والے عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ جیسے صحابی اور محمد بن حنفیہ جیسے عالم اور تابعی سے مباحثہ وتکرار کے درمیان نقل کر رہے ہیں اس لیے یہ صرف کسی تاریخی روایت کا انکار نہیں ہے بلکہ صحیح الاسناد اور احکام کو ثابت کرنے والی حدیثی روایت کا انکار کرنا ہے''...... آگے لکھتے ہیں......''روایت متصل الاسناد اور صحیح ہے''۔②

گیاوی صاحب سے ایک سوال:

لیکن ہم بھی یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اصولی موقف پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ روایت صحیح ہو یا ضعیف ہو، بلکہ اگر صحیح تسلیم کی جائے تو اصول شریعت اور ضابطہ شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ روایت ہمارے موقف کی دلیل ہے نہ کہ گیاوی صاحب کے موقف کی، البتہ ہمارا یہاں گیاوی صاحب سے اصول حدیث کی رُو سے ایک طالب علمانہ سوال ضرور ہے کہ آپ نے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب "البداية والنهاية" کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے، اور خود لکھا ہے کہ ''ابن

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۷.
② ایضاً: صفحہ ۲۸.

کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت بحوالہ المدائنی لکھی ہے''، تو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ولادت ۷۰۱ ہجری کے لگ بھگ ہوئی، جبکہ مدائنی کی وفات ۲۱۵ ہجری سے ۲۳۴ ہجری کے درمیان (باختلاف اقوال) ہوئی، درمیان میں تقریباً پونے پانچ صدیوں کا فاصلہ ہے، اسی طرح آپ نے امام ذہبی کا حوالہ بھی دیا اور امام ذہبی کی پیدائش ۶۷۳ ہجری کی ہے، لہٰذا گیاوی صاحب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ سے مدائنی تک کی درمیانی سند بھی کہیں سے ڈھونڈھ کر لائیں، یا یہ ثابت کریں کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مدائنی کی فلاں کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے، تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور پختہ ہے اور تاکہ گیاوی صاحب کا یہ دعوی درست ثابت ہو سکے کہ ''یہ روایت متصل الاسناد ہے''۔ دیدہ باید۔

کیونکہ گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب (جنہوں نے اپنی کتاب ''استخلاف یزید'' میں اپنے موقف کے حق میں جی بھر کر ضعیف اور غیر مستند روایات نقل کی ہیں اور گیاوی صاحب نے بھی وہیں سے بہت سا مواد بلا تحقیق نقل کر دیا ہے) انہوں نے تو اپنے موقف کے خلاف آنے والی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی مدائنی ہی کے حوالے سے نقل کردہ ایک روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''یہ قول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف مدائنی نے منسوب کیا ہے اور اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی ہے، المدائنی کو یہ قول کس سند سے پہنچا ہے، معلوم نہیں ...... ایضاً یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ حافظ ابن کثیر کو مدائنی کی یہ روایت کس ذریعہ سے پہنچی جب کہ دونوں کی وفیات میں ساڑھے پانچ سو سال کا فرق ہے''۔ ①

① استخلاف یزید، صفحہ ۲۰۲۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول انہی مدائنی کے حوالے سے علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ ہجری) نے نقل کیا ہے جس میں یزید کو صالح کہا گیا ہے، اس کے بارے میں بھی لعل شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ قول غیر مستند ہے۔①

لہٰذا گیاوی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی ہوگی کہ سید لعل شاہ صاحب کی تحقیق درست ہے یا ان کی؟۔

گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی ایک کٹ حجتی:

قارئین محترم! جیسا کہ گیاوی صاحب نے خود بحث کا آغاز صحیح بخاری کی اس روایت سے کیا ہے جس میں جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کو حدیثی وعیدیں سنا کر اس عمل سے روکا تھا نیز اپنے متعلقین اور اہل عیال کو یہاں تک فرما دیا تھا کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی، میرا اس سے کوئی تعلق نہ رہے گا، ہم نے اسی البدایۃ والنہایۃ سے جس کا حوالہ گیاوی صاحب نے اپنے حق میں پیش کیا ہے، یہ نقل کر دیا ہے کہ واقعہ حرہ میں مدینہ میں موجود اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرد نے بھی یزید کی بیعت نہ توڑی تھی، بلکہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے خروج نہیں کیا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین اور بھائی محمد بن حنفیہ (رحمۃ اللہ علیہما) کا تو نام لے کر ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے بیعت توڑنے والوں کی بات نہیں مانی تھی اور یزید کی بیعت پر قائم رہے تھے، بلکہ محمد بن حنفیہ نے تو بیعت توڑنے والے حضرات کے ساتھ (بقول حافظ ابن کثیر) مناظرہ ومجادلہ کیا اور ان کی بات کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور انہوں نے یزید پر جو اتہام لگائے تھے ان کی تردید کی۔ یہ ایسی بات ہے جس کا انکار نہ گیاوی صاحب نے کیا ہے اور نہ

① استخلاف یزید، صفحہ ۲۰۳۔

ان کے کسی ہم نوا نے کیا ہے، لیکن وہ یہاں ایک ''کٹ حجتی'' پیش کرتے ہیں، جو گیاوی صاحب کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے، وہ لکھتے ہیں:

''زین العابدین اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑنے کا انکار کر کے اعتزال اور سب سے الگ تھلگ رہنے پر اکتفاء فرمایا، نہ بیعت توڑنے والوں سے الجھے، نہ یزید کی حمایت میں شریک جنگ ہوئے، نہ اس کے شام سے آئے ہوئے لشکر میں شریک ہوئے، نہ خلیفہ وقت یزید کی حمایت میں جنگ کے اندر شریک ہوئے، بلکہ ایک طرف کنارے ہو گئے حالانکہ انہوں نے یزید کی طرف منسوب کئے گئے شراب نوشی اور ترک نماز وغیرہ کا الزام صرف جھوٹ و خالص الزام وتہمت سمجھا ہوتا تو ان کی ذمہ داری تو صرف علیحدہ ہو جانے اور ایک طرف کنارے ہو جانے سے وہ شرعی ذمہ داری سے بری نہ ہو جاتے''۔①

یہاں گیاوی صاحب یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں (اور اکثر یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے) کہ مدینہ میں موجود حضرات نے (بشمول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور زین العابدین رحمہ اللہ وغیرہ) نے یزید کی بیعت توڑنے سے جو انکار کیا تھا وہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ یزید کو شرابی وغیرہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ صرف جنگ و جدل اور خون ریزی سے بچنا چاہتے تھے، ورنہ وہ یزید کی طرف سے باقاعدہ جنگ میں شریک ہوتے، لیکن انہوں نے ایک طرف غیر جانبدار ہو کر بیٹھ جانا بہتر سمجھا، حالانکہ ان کی شرعی ذمہ داری تھی کہ اگر وہ یزید پر لگائے گئے الزامات کو غلط سمجھتے تو یزید کی حمایت میں نکل کر بیعت توڑنے والوں سے جنگ کرتے۔

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲.

یہ صرف ایک کٹ حجتی اور مغالطہ ہی ہے، مندرجہ بالا اقتباس میں ایک تو گیاوی صاحب نے جان بوجھ کر محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا نام نہیں لکھا، کیونکہ وہ خود اس روایت کو صحیح لکھ چکے ہیں جس میں ہے کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے بڑی شد و مد کے ساتھ یزید پر لگائے جانے والے الزامات کو غلط بتایا اور ان کی تردید فرمائی، تو کیا گیاوی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے ان الزامات کو غلط سمجھنے کے باوجود چونکہ یزید کی فوج کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ نہیں لیا اس لیے انہوں نے اپنی ''شرعی ذمہ داری'' پوری نہیں کی تھی؟؟ پھر کیا گیاوی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور زین العابدین رحمہ اللہ نے خود یہ کہا ہو کہ

> ''سمجھتے تو ہم بھی یزید کو شرابی اور فاسق و فاجر ہی ہیں، لیکن فتنہ اور خون ریزی کے خوف سے ہم اس کے خلاف خروج اور اس کی خلع بیعت کو درست نہیں سمجھتے''؟؟

اگر تو ایسی بات ان حضرات نے کہیں فرمائی ہے تو وہ پیش کی جائے، ورنہ اپنے دماغ سے مفروضے بنا کر ان حضرات کے ذمہ نہ لگائے جائیں، اور پھر آنکھیں کھول کر محدث اعظمی رحمہ اللہ کا یہ اقتباس غور سے پڑھیں:

> ''مہتمم صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یزید باتفاق صحابہ، فاسق ہوتا تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس فاسق و فاجر کے ساتھ ساتھ ہرگز لگے نہ رہتے، ہماری عقیدت اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتی کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی، ایک شرابی، زانی اور بے نمازی امیر کی مجلسوں میں برابر شریک ہوں گے، اس کی طرف سے سفارت کی

خدمت انجام دیں گے اور اس کی طرف سے حمص کے امیر بن کر اس کی حکومت کو قوت پہنچائیں گے۔ اسی طرح ہماری عقیدت اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتی کہ ایک شرابی و بے نمازی و زانی کی بیعت توڑنے والوں کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ مجتہد، عالم باعمل اور متقی و پاک باز صحابی یہ حدیث سنانے جائیں گے کہ:

''جو امام کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی''......''اور جو اس حال میں مرے کے اس کی گردن میں امام کی بیعت کا قلادہ نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا''۔① اس موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث کو سنانا صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر نہیں سمجھتے تھے، اگر فاسق و فاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سناتے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے......''②

علاوہ ازیں، گیاوی صاحب فرمائیں کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یزید کی بیعت توڑنے سے منع کرنے والے حضرات نے ایسا صرف ''فتنہ کے خوف اور خون ریزی'' سے بچنے کے لیے کیا تھا، تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات کے نزدیک ایسے حالات میں بھی حاکم کی بیعت توڑنا اور اس کے خلاف خروج اور قتال کرنا درست نہیں تھا؟؟ تو گیاوی صاحب، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کے

---

① دیکھو مسلم ۱۲۸/۲۔
② محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب: صفحہ: ۷۴۔۷۵۔

مقابلے میں عبداللہ بن مطیع کے موقف کو کیوں صحیح اور درست ثابت کرنے پر بضد ہیں؟ جن کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے؟ اور پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور زین العابدین و محمد بن حنفیہ (رحمۃ اللہ علیہما) کے موقف کی تائید میں اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق بھی ہو چکا کہ حاکم کے فسق کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز نہیں (جس کے حوالے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں اور مزید آگے آ رہے ہیں)۔

نیز گیاوی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یزید کی بیعت نہ توڑنے والے بلکہ دوسروں کو اس سے سختی کے ساتھ منع کرنے والے ایک طرف غیر جانبدار ہو کر بیٹھ گئے تھے؟ اور انہوں نے بیعت توڑنے والوں کے خلاف حکومتی اقدام کی کسی طرح کی بھی حمایت نہیں کی تھی؟۔

نیز کیا گیاوی صاحب کوئی ایسی مستند روایت پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ عبداللہ بن مطیع یا ان کے کسی ساتھی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا سیدنا زین العابدین رحمہ اللہ کے سامنے بھی یزید کے شرابی ہونے کا ذکر کیا ہو جس کا ذکر انہوں نے محمد بن حنفیہ کے سامنے کیا؟؟ پھر آپ نے ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ کس بنیاد پر لکھ دیا کہ:

> ''انہوں نے یزید کی طرف منسوب کئے گئے شراب نوشی اور ترک نماز وغیرہ کا الزام صرف جھوٹ و خالص الزام سمجھا ہوتا تو صرف علیحدہ ہو جانے اور ایک طرف کنارے ہو جانے سے وہ شرعی ذمہ داری سے بری نہ ہو جاتے؟؟؟''

آپ کو پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا زین العابدین رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یزید پر شراب نوشی کا الزام لگایا اور ان حضرات نے اس الزام

کو سن کر خاموشی اختیار کی اور اس کی تردید نہیں کی، اس کے بعد آپ کا یہ سوال قابل غور ہوگا۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کو سمجھانے تشریف لائے تو ان حضرات نے ان کے سامنے یزید کی شراب نوشی والا الزام پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں کی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ:

واقعہ حرہ کے وقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مطیع کے پاس تشریف لائے، تو عبداللہ بن مطیع نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ: ابو عبدالرحمن (یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما) کے لیے تکیہ یا نشست لگاؤ، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: میں یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا، بلکہ میں تم کو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سنانے آیا ہوں کہ آپ نے فرمایا: جس نے (اطاعت امیر) سے ہاتھ کھینچ لیا (یعنی بیعت توڑ دی) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی...... الیٰ آخر الحدیث۔①

تو جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ان حضرات نے یہ شراب نوشی والا الزام دہرایا ہی نہیں تھا اور اگر عبداللہ بن مطیع کے پاس کوئی مضبوط دلیل ہوتی تو وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی ضرور بیان کرتے، جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں اتنی سخت حدیثی وعید سنا رہے ہیں، تو پھر یہ مفروضہ کہاں سے نکال لیا گیا کہ انہوں نے خلع بیعت سے اس لیے نہیں روکا تھا کہ وہ یزید پر شراب نوشی کے الزام کو غلط سمجھتے تھے؟

①صحیح مسلم: "بَابُ الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ الْفِتَنِ وتحذير الدعاة إلى الكفر" حدیث نمبر: ۱۸۵۱ طبع دار احیاء التراث العربي بیروت.

شراب نوشی کی حد سے متعلق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے استدلال:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳۔۳۴ پر یہ بحث شروع کی ہے کہ شرب خمر پر حد کے وجوب کے لیے کیا شرائط وشواہد ہونے کافی ہیں، چنانچہ وہ صحیح بخاری سے ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُورَةَ يُوسُفَ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا هَكَذَا أُنْزِلَتْ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: أَحْسَنْتَ، وَوَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الخَمْرِ، فَقَالَ: أَتَجْمَعُ أَنْ تُكَذِّبَ بِكِتَابِ اللَّهِ وَتَشْرَبَ الخَمْرَ فَضَرَبَهُ الحَدَّ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) علقمہ بن قیس نخعی سے روایت ہے کہ ہم لوگ حمص میں تھے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ یوسف کی تلاوت فرمائی، اس پر کسی شخص نے کہا اس طرح یہ سورت نازل نہیں کی گئی، تو عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی اسی طرح پڑھا ہے، تو اس نے کہا: آپ نے صحیح کہا۔ اور آپ نے اس شخص سے شراب کی مہک محسوس کی اور فرمایا: تو اللہ کی کتاب کو جھٹلاتا ہے اور شراب نوشی بھی جمع کرتا ہے، پھر اس پر حد خمر جاری فرمائی۔

پھر اس پر گیاوی صاحب یوں تبصرہ فرماتے ہیں، غور سے پڑھیے:

''دیکھیے سیدنا عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ نے صرف شراب کی مہک پر حد خمر جاری فرمادی، جبکہ شراب پینے کے دیکھنے والے گواہوں کو طلب نہیں

فرمایا، شارحین اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: ممکن ہے اس شرابی نے پینے کا اعتراف واقرار کرلیا ہو، اس لئے اس پر حد جاری کردی گئی، میں (گیاوی صاحب- ناقل) کہتا ہوں کسی صحیح السند روایت سے نہ اس کا اقرار واعتراف ثابت کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت کیا جانا آسان ہے، لیکن اگر ثابت بھی ہوجائے تو یہ بات حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہوگی، صرف شراب نوشی اور فسق کے لیے اس کی کوئی ضرورت ہرگز نہیں، اس کے فسق کا ثبوت یا اس کے شراب نوش ہونے کے لیے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز ہرگز ضروری نہیں ہے، صرف اتنی بات کا ثبوت ایک گواہ یا اس کے منہ سے شراب کی مہک کا پایا جانا بھی کردے گا، صرف اتنی بات کے لئے مہک کا پانا کافی ہے، عینی شاہد کا ہونا ضروری نہیں، بنابریں سیدنا عبداللہ بن مطیع کا صاف صاف یہ کہنا کہ ہم نے اگرچہ پیتے دیکھا نہیں ہے مگر یزید کے شراب پینے کا علم ہمارے پاس تحقیق ہے، یہ بات سیدنا عبداللہ بن مطیع کو شہادت کا حق دیتی ہے، اور اس سے انکار کسی بھی قرآنی آیت کے خلاف نہیں ہے''۔①

قارئین محترم! میں چاہوں گا کہ آپ مندرجہ بالا اقتباس دوبارہ غور سے پڑھیں، اور پھر گیاوی صاحب کے اس فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس سے پہلے کہ میں گیاوی صاحب کے ''مغالطہ'' بلکہ ''تلبیس'' کا جواب دوں، یہاں گیاوی صاحب سے میرے چند سوال ہیں:

سوال نمبر ۱: کیا عبداللہ بن مطیع یا ان کے کسی ساتھی نے یہ گواہی دی تھی کہ ''ہم نے یزید

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۴۔۳۵۔

کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے''؟ اگر ایسی کوئی بات کہی تھی تو حوالہ دیں، اور اگر نہیں کہی تھی تو پھر آپ جیسے عالم اور مناظر کو اس ''مہک'' والی روایت پر قیاس کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے تھا کہ آپ قیاس مع الفارق کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوال نمبر ۲: کیا گیاوی صاحب کے پاس کوئی ایک عینی گواہ ہی موجود ہے جس نے یہ گواہی دی ہو کہ ''میں نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے''؟ تا کہ ان کے اس فلسفہ پر غور کیا جائے کہ ''کسی کے شرابی ہونے کا ثبوت صرف ایک گواہ یا مہک کا پایا جانا ہی کر دے گا''۔

سوال نمبر ۳: آپ نے لکھا کہ کسی کے شراب نوش یا فاسق ہونے کے لیے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز ہرگز ضروری نہیں، تو میرا سوال ہے کہ وضاحت فرمائیں کہ ایک شخص کسی پر الزام لگائے کہ ''یہ شراب پیتا ہے''، لیکن نہ کوئی عینی گواہ پیش کر سکے اور خود بھی یہ اعتراف کرے کہ میں نے بھی اسے شراب پیتے نہیں دیکھا بلکہ مجھے کہیں اور سے پتہ چلا ہے، یا لوگوں میں یہ بات مشہور ہے، تو آپ کے بقول اس صورت میں ملزم پر شرب خمر کی حد تو نہیں لگے گی، لیکن یہ فرمائیں کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ اس الزام لگانے والے پر ''حد قذف'' لگانے کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟؟ اور اس پر حد قذف لگے گی یا نہیں؟ اگر لگے گی تو کیوں؟ اور اگر آپ کے نزدیک اس پر حد قذف نہیں لگائی جا سکتی تو اس کی دلیل دیں۔

سوال نمبر ۴: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ کسی پر شراب نوشی یا کسی اور گناہ کبیرہ کا الزام لگانے والا صرف یہ کہہ دے کہ ''اگرچہ میرے پاس کوئی عینی شہادت نہیں، نہ ہی

میں نے اسے ایسا کرتے دیکھا ہے، لیکن میرے پاس اس بات کا تحقیقی علم ہے کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے'' (اوراس تحقیقی علم کا ذریعہ بھی نہ بتایا جائے) تو اس شخص کی یہ گواہی شرعاً معتبر سمجھی جائے گی۔ اور ایسی گواہی پر ملزم کو شرابی سمجھا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

سوال نمبر ۵: گیاوی صاحب بطور ایک حنفی عالم، اپنا مذہب و مسلک صاف صاف بتائیں کہ ان کے نزدیک کیا صرف ''مہک'' محسوس ہونے سے شرب خمر کی حد لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا وہ صحیح بخاری کی اس روایت کو نہیں مانتے؟۔

سوال نمبر ٦: اگر کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے دو عینی گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایک گواہ یا مہک کا پایا جانا ہی کافی ہے، تو گیاوی صاحب فرمائیں کہ ہم نے پہلے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ پر سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زنا کی گواہی کا واقعہ باحوالہ نقل کیا ہے، اس واقعہ میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زنا کی حد اس لیے نہیں لگائی تھی کہ گواہی کا نصاب پورا نہ تھا، لیکن ایک گواہ جو کہ صحابی بھی ہیں یعنی سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ، وہ اپنی گواہی پر مصر رہے تھے، اور ان پر حد قذف جاری کی گئی تھی، تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا زنا کرنا تو ثابت ہوگیا، البتہ حد لگنے کے لیے جو گواہی ضروری تھی وہ پوری نہ ہوئی؟ کیا فرماتے ہیں گیاوی صاحب؟

اب ہم آتے ہیں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تحقیق کی طرف جو گیاوی صاحب نے یہاں بلاوجہ اور بغیر کسی تعلق کے پیش کی ہے، کیونکہ ہمارے زیر بحث موضوع میں کسی نے یہ بات کی ہی نہیں کہ ''میں نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے''، لیکن گیاوی صاحب دوبارہ لکھتے ہیں:

''صرف مہک ملنا بھی شراب نوشی ثابت کر دیتا ہے''۔

یہی بات بخاری کی روایت میں عبداللہ بن مسعود سے اور اس روایت کی تشریح میں شارحین بخاری بھی فرمارہے ہیں، علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

''اقرار اور شہادت ثابت کرنے میں مجھے کلام ہے ان کے الفاظ ہیں:

فِيهَا نظر لِأَن الْمَنْقُول عَن ابْن مَسْعُود أَنه كَانَ يرى وجوب الْحَد بِمُجَرَّد وجود الرَّائِحَة...وَقد قَالَ بِهِ مَالك وَأَصْحَابه وَجَمَاعَة من أهل الْحجاز"①

''امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے''۔

گیاوی صاحب کی علمی خیانت:

قارئین محترم! ہمارا یہ عنوان آپ کو بظاہر سخت لگے گا، لیکن علامہ عینی کی محولہ بالا عبارت نقل کرنے میں گیاوی صاحب نے ایک بہت بڑی علمی خیانت کی ہے اور اس عبارت سے وہ بات ثابت کرنا چاہی ہے جو علامہ عینی کی بات کے بالکل خلاف بلکہ ضد ہے، ہم یہاں ''علمی خیانت'' کا لفظ نہ لکھتے لیکن کیا کریں، خود گیاوی صاحب نے محدث اعظمی رحمہ اللہ کے بارے میں اپنی کتاب میں ''مولانا اعظمی کی علمی خیانت''، ''مولانا اعظمی کی ناشائستہ تحریر''، ''مولانا اعظمی کا علمی مغالطہ''، ''مولانا اعظمی اور بے جا جرأت مندانہ تحریر'' ''مولانا اعظمی کی غفلت'' جیسے عناوین باندھے ہیں (گیاوی صاحب کی کتاب کی فہرست عناوین دیکھ لی جائے)، تو عرض ہے کہ علامہ عینی کی ''عمدۃ القاری'' سے گیاوی صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے، اس میں انہوں نے "بِمُجَرَّد

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵۔

وجود الرَّائِحَة کے بعد نقطے (......) لگائے ہیں اور پھر اگلی عبارت "وَقد قَالَ بِهِ مَالك وَأَصْحَابه..." کے الفاظ نقل کیے ہیں اور یہ تأثر دیا ہے کہ جیسے یہ تمام بات علامہ عینی کی ہی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے، ہم آپ کے سامنے مکمل عبارت رکھتے ہیں:

وَقَول النَّوَوِيّ: على أَن الرجل اعْترف بشربها بِلَا عذر وإلاَّ فَلَا يحد بِمُجَرَّد رِيحهَا فِيهَا نظر لِأَن الْمَنْقُول عَن ابْن مَسْعُود أَنه كَانَ يرى وجوب الْحَد بِمُجَرَّد وجود الرَّائِحَة. وَقَالَ الْقُرْطُبِيّ: فِي الحَدِيث حجَّة على من يمْنَع وجوب الْحَد بالرائحة كالحنيفة، وَقد قَالَ بِهِ مَالك وَأَصْحَابه وَجَمَاعَة من أهل الْحجاز"۔①

اور نووی کا (عبد اللہ بن مسعود کی اس روایت کے بارے میں) یہ کہنا کہ اس آدمی نے شراب پینے کا بلا عذر اعتراف کر لیا تھا وگرنہ صرف مہک سے حد جاری نہیں ہوتی، تو (نووی کی اس بات میں نظر ہے) کیونکہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ ان کی رائے میں صرف مہک پائے جانے سے حد واجب ہو جاتی تھی۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ (دیکھیں یہاں سے قرطبی کی بات شروع ہو رہی ہے- ناقل): اس حدیث میں ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صرف مہک پائے جانے سے حد واجب نہیں ہوتی جیسا کہ حنفی مسلک والے کہتے ہیں، جبکہ امام مالک، ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت اس کے قائل ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں، کیسے گیاوی صاحب نے عبارت کے درمیان میں (......) لگا کر عبارت کا درمیان والا ٹکڑا حذف کر دیا تا کہ کوئی گیاوی صاحب سے یہ نہ پوچھ لے کہ

① عمدة القاري، جلد ۲۰ صفحہ ۳۷ طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔

اس بارے میں احناف کا کیا مسلک ہے، نیز انہوں نے ''قرطبی'' کی بات کو بھی علامہ عینی کی بات بنا کر پیش کیا۔

نوٹ: خود گیاوی صاحب نے ایسی ہی ایک تعریض محدث اعظمی رحمہ اللہ پر بھی کی ہے کہ انہوں نے علامہ ذہبی کی "المنتقی" میں لکھی ایک عبارت کو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔①

صرف یہی نہیں، بلکہ گیاوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی کے مطابق اس بات میں کلام ہے کہ اس شخص نے اقرار واعتراف کرلیا تھا......لیکن گیاوی صاحب نے علامہ عینی کی اس سے متصل آگے آنے والی عبارت جان بوجھ کر ذکر نہیں کی جس سے ان کے دعوے کی تردید یہیں پر موجود ہے، علامہ عینی نے قرطبی کی بات کا جواب بھی دیا ہے اور کیا لکھتے ہیں، غور سے پڑھیں:

"وَقَالَ الْقُرْطُبِيّ: فِي الحَدِيث حجَّة على من يمْنَع وجوب الْحَد بالرائحة كالحنيفة، وَقد قَالَ بِهِ مَالك وَأَصْحَابه وَجَمَاعَة من أهل الْحجاز. قلت: لَا حجَّة عَلَيْهِم فِيهِ لِأَن ابْن مَسْعُود مَا حد الرجل إلاَّ باعترافه، لِأَن نفس الرّيح لَيْسَ بقطعي الدّلَالَة على شرب الْخمر لاحْتِمَال الِاشْتِبَاه أَلا يُرى أَن رَائِحَة السَّفَرْجل الْمَأْكُول يشبه رَائِحَة الْخمر، فَلَا يثبت إلاَّ بِشَهَادَة أَو باعتراف"۔

قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان کے خلاف دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ (شراب کی) مہک آنے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی جیسے کہ احناف کا مسلک ہے، جبکہ امام مالک، ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۳۔

اس کے قائل ہیں ۔ میں (یعنی علامہ عینی) کہتا ہوں: اس میں ان (یعنی احناف) کے خلاف کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر حد نہیں لگائی تھی مگر اس کے اعتراف کے بعد، کیونکہ صرف مہک آنا شراب نوشی کی قطعی دلیل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اس میں اشتباہ ہوسکتا ہے، کیا کھائے جانے والے سفرجل (ایک قسم کا پھل ہے ناقل) کی مہک شراب کی مہک جیسی نہیں ہوتی؟ (تو ممکن ہے کہ کسی کے منہ سے شراب کی مہک جیسی مہک آ رہی ہو لیکن اس نے شراب نہ پی ہو بلکہ سفرجل کھایا ہو ناقل) پس شراب نوشی نہیں ثابت ہوگی مگر شہادت یا اعتراف واقرار کے ساتھ۔

ملاحظہ فرمائیں! علامہ عینی تو علامہ قرطبی کی طرف سے احناف کے خلاف پیش کردہ استدلال کا جواب دے رہے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں کہ

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر اس کے اعتراف کے بعد ہی حد لگائی تھی''۔

اور پھر لکھ رہے ہیں کہ

''شراب نوشی کا ثبوت شہادت یا اعتراف سے ہی ہوگا۔''

اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ وہ علامہ عینی کی طرف سے علامہ قرطبی کو دیے گئے اس جواب سے متفق ہیں یا نہیں؟ کیونکہ علامہ عینی کو تو آپ ہی نے اپنے حق میں پیش کیا ہے اور آپ نے ان کی طرف یہ بات منسوب کی کہ

''علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اقرار اور شہادت ثابت کرنے میں مجھے کلام ہے''۔ ①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵.

جبکہ آپ کی پیش کردہ (ناقص) عبارت سے چند ہی سطریں بعد علامہ قرطبی کے جواب میں علامہ عینی صاف لکھ رہے ہیں کہ:

قلت: لَا حجَّةَ عَلَیہِم فِیہِ لِأَنَّ ابْنَ مَسْعُود مَا حد الرجل إلاَّ باعترافه"

میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں احناف کے خلاف کوئی حجت نہیں کیوں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر حد اس کے اعتراف کے بعد ہی لگائی تھی۔

اور پھر علامہ عینی نے صرف مہک کی بناء پر شرب خمر کے اثبات کا رد بھی کیا ہے۔

گیاوی صاحب کے مغالطے

جیسا کہ معلوم ہوا، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے گیاوی صاحب کے استدلال کا مقصد اور غرض وغایت صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی پر شرب خمر کا الزام ثابت کرنے کے لئے عینی شہادت کا ہونا ضروری نہیں، وہ اس طرح اس حقیقت سے جان چھڑانا چاہتے ہیں کہ یزید پر شراب خوری اور حرام کاری جیسے الزامات کو ثابت کرنے کے لیے ایک بھی شرعی شہادت کا کہیں بھی وجود نہیں، لیکن انہیں یزید کو شرابی اور حرام کار ثابت بھی کرنا ہے، تو وہ یہ دُور کی کوڑی ڈھونڈھ کر لائے، اب گیاوی صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں اور ان کی تحقیق کی داد دیں، لکھتے ہیں:

''امام مالک اور نیز اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے، پس عبداللہ بن مطیع اور دیگر یزیدی بیعت توڑنے والے ساتھی اہل حجاز ہیں، اور اہل حجاز کی ایک جماعت امام مالک سمیت شراب کی مہک ملنے پر حد واجب کرتی ہے، فسق یزید بھی ان کے نزدیک ثابت ہوگا اس لئے اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو (صحابہ نہیں، بلکہ صرف ایک مختلف فیہ صحابی عبداللہ بن مطیع کو ناقل) حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہاں سے عبداللہ بن مطیع کا محمد بن حنفیہ پر علمی تفوق اور برتری بالکل واضح ہوگئی، اور تمام اشکالات رفع ہوگئے اور بالاجماع یہ معلوم ہوگیا کہ وجوب حد اور ''ثبوت فسق'' (کس

چالاکی سے یہاں ''شرب خمر'' کے بجائے ثبوت فسق کا لفظ لکھا گیا، غور فرمائیں ناقل) دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور بات وجوب حد کے لیے کافی نہ ہو تو وہ ثبوت فسق کے لیے کافی ہو سکتی ہے''۔①

ہمیں نہایت افسوس سے یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ مولانا گیاوی صاحب کی یہ عبارت ایک نہیں بلکہ بہت سے مغالطوں پر مشتمل ہے، ہم نمبروار اِن کا ذکر کرتے ہیں:

مغالطہ نمبر ۱:

گیاوی صاحب دلیل یہ دے رہے ہیں کہ امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک صرف شراب کی مہک پائے جانے سے شرب خمر کا یقینی ثبوت ہو جاتا ہے، اگر مہک بھی نہ پائی جائے اور گواہ بھی نہ ہوں تو شرب خمر کا ثبوت ہی نہیں ہوگا)، اور پھر گیاوی صاحب صریح مغالطہ دے رہے ہیں کہ چونکہ عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی بھی اہل حجاز ہیں (اگرچہ وہ امام مالک سے پہلے کے ہیں) اس لیے ان کی بات سے یزید پر شرب خمر کا ثبوت ہو جائے گا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ''ہمارے پاس کوئی گواہ تو نہیں، لیکن ہم نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک محسوس کی ہے''، کیا گیاوی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ عبداللہ بن مطیع نے شراب کی مہک پائے جانے کا کہیں کوئی بیان دیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے عبداللہ بن مطیع کی سنی سنائی بات کو اس پر قیاس کرنا کہاں کا انصاف ہے؟، کیا امام مالک اور اہل حجاز کا یہ مسلک بھی تھا کہ کسی کا کسی کے بارے میں بھی یہ کہہ دینا کہ ''ہم

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵.

نے سنا ہے کہ وہ شرابی ہے، اور ہمارے خیال میں یہ بات درست ہے'' بھی کسی پر شرب خمر اور حد کو واجب کر دیتا ہے؟۔ ہمیں گیاوی صاحب جیسے مناظر سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ''دعوی'' اور ''دلیل'' میں مطابقت اور عدم مطابقت سے اتنے ناواقف ہیں۔

مغالطہ نمبر ۲:

چونکہ گیاوی صاحب کو اچھی طرح علم تھا کہ، صرف مہک پائے جانے سے شرب خمر کا ثبوت، احناف کے نزدیک نہیں ہوتا، (اور گیاوی صاحب خود بھی نہ صرف حنفی ہیں بلکہ حنفی مناظر ہیں) تو متوقع سوال سے بچنے کے لیے انہوں نے حفظ ما تقدم کے طور پر یہ لکھ دیا کہ:

> ''اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے''۔

یہاں گیاوی صاحب نے دوسری بار وہی مغالطہ دیا ہے کہ جیسے عبداللہ بن مطیع نے یہ کہا تھا کہ ''ہمارے پاس چشم دید گواہ تو کوئی نہیں، لیکن ہم نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے''، جبکہ عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے کہیں بھی مہک وغیرہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، نیز یہاں گیاوی صاحب نے لفظ ''صحابہ'' (جمع) لکھا ہے، جبکہ جو روایت بحوالہ حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی انہوں نے پیش کی ہے اس میں محمد بن حنفیہ کے ساتھ بات چیت کرنے والوں میں صرف ایک مختلف فیہ صحابی ''عبداللہ بن مطیع'' کا ہی ذکر ہے، کسی دوسرے صحابی کا اشارہ تک نہیں۔ نیز یہاں ایک تو گیاوی صاحب نے یہ تسلیم کرلیا کہ چونکہ یزید کی شراب نوشی پر کوئی عینی شہادت موجود نہیں، اس لیے حنفی

مسلک میں اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہوسکتا، اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ اس کے خلاف ''شراب کی مہک پائے جانے'' کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں، اس لیے امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت کے (گیاوی صاحب کے بتائے ہوئے) مسلک کے مطابق بھی اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر گیاوی صاحب اب کوئی مسلک ایسا سامنے لائیں جو یہ کہے کہ

''چاہے کسی کے منہ سے شراب کی مہک تک نہ محسوس ہوئی ہو، اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی چشم دید گواہ ہو، لیکن کوئی بھی یہ کہہ دے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے''۔

تو بھی اس پر شراب نوشی کا الزام ثابت ہو جائے گا، تو ہم اس مسلک پر غور کر سکتے ہیں۔ گیاوی صاحب اپنی تحقیق کے گھوڑے دوڑائیں، شاید ایسا بھی کوئی فقہی مسلک وہ ڈھونڈ ھ نکالیں۔

واضح رہے کہ گیاوی صاحب نے یہاں اپنے ہی مسلک کے خلاف ایک خطرناک بات لکھی ہے کہ

''اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے''،

یعنی وہ یہ بتا رہے ہیں کہ ان کا اپنا حنفی مسلک ''صحابہ'' کے قول وعمل کے خلاف ہے، اس طرح کے مزید دو تین اور وکیل احناف کو مل جائیں تو مخالفین کو احناف کے خلاف کچھ کہنے لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

مغالطہ نمبر ۳:

گیاوی صاحب نے ایک مغالطہ یہ دیا ہے کہ:

''کسی پر شراب نوشی کی حد جاری کرنے کے لیے ثبوت الگ چیز ہے اور اس کے مطلقاً شرابی ہونے کے لیے ثبوت الگ چیز ہے''،

وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم کا اعتراف یا شریعت کے ضابطہ کے مطابق چشم دید گواہوں کا ہونا یا گیاوی صاحب کے پیش کردہ اس استدلال کی روشنی میں شراب کی مہک کا پایا جانا، یہ سب چیزیں ملزم پر حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہیں، اور جہاں تک تعلق ہے اس کے شرابی ثابت ہونے کا تو وہ محض کسی کے بھی یہ کہہ دینے سے بھی ہو جائے گا کہ ''ہمارے پاس نہ کوئی چشم دید گواہ ہے، نہ ہی ملزم کا اپنا اعتراف ہے اور نہ ہی شراب کی مہک پائے جانے کی کوئی دلیل ہے، لیکن چونکہ ہم نے سنا ہے کہ وہ شرابی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہ بات درست ہے لہٰذا اسے شرابی مانا جائے''۔ یاللعجب!، اگر اس سے کسی کا مجرم ہونا ثابت ہوجاتا ہے تو اس بناء پر حد کیوں نہیں لگ سکتی؟ نیز پھر گیاوی صاحب ذرا ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ شریعت میں حد قذف نامی جو چیز ہے وہ کیا ہے؟ اور کیوں لگائی جاتی ہے؟ اور کسی پر تہمت لگانا کسے کہتے ہیں؟۔ بینوا توجروا۔

مغالطہ نمبر ۴:

پھر گیاوی صاحب نے امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی بھی مکمل تفصیل بیان نہیں کی یا یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فقہ مالکی کی کتب دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، اور یہ باور کرلیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر کسی ایک آدمی نے بھی کسی کے منہ سے شراب کی مہک سونگھ لی تو اس سے حد واجب ہوجائے گی، جبکہ فقہاء مالکیہ کی کتب میں یہ

بات اس طرح لکھی ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فَصْلٌ: وَأَمَّا بِمَاذَا يَثْبُتُ هَذَا الْحَدُّ، فَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ يَثْبُتُ بِالْإِقْرَارِ وَبِشَهَادَةِ عَدْلَيْنِ۔ وَاخْتَلَفُوا فِي ثُبُوتِهِ بِالرَّائِحَةِ، فَقَالَ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ وَجُمْهُورُ أَهْلِ الْحِجَازِ: يَجِبُ الْحَدُّ بِالرَّائِحَةِ إِذَا شَهِدَ بِهَا عِنْدَ الْحَاكِمِ شَاهِدَانِ عَدْلَانِ۔ وَخَالَفَهُ فِي ذَلِكَ الشَّافِعِيُّ، وَأَبُو حَنِيفَةَ وَجُمْهُورُ أَهْلِ الْعِرَاقِ، وَطَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَجُمْهُورُ عُلَمَاءِ الْبَصْرَةِ فَقَالُوا: لَا يَثْبُتُ الْحَدُّ بِالرَّائِحَةِ"۔①

مفہوم: یہ حد (یعنی شراب نوشی کی حد) کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ اقرار اور دو عادل گواہوں سے شہادت سے ثابت ہوتی ہے، ہاں مہک سے ثابت ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک اور جمہور اہل حجاز کا قول ہے کہ حد، مہک سے بھی واجب ہوجاتی ہے اگر حاکم کے سامنے اس بات کی گواہی دو عادل گواہ دیدیں تو، جبکہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، جمہور اہل عراق اور اہل حجاز کی ایک جماعت نیز بصرہ کے جمہور علماء نے اس بات سے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مہک (یا اس کی گواہی ناقل) سے حد واجب نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا کہ صرف مہک سے حد کا وجوب امام مالک کے نزدیک بھی اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کم ازکم دو عادل گواہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ ''ہم نے اس شخص کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے''، یعنی دارومدار یہاں بھی گواہوں کی

①بداية المجتهد ونهاية المقتصد لابن رشد الحفيد، ج۴ ص۲۲۷ باب في شرب الخمر، طبع دار الحديث القاهرة۔

گواہی پر ہی ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک کسی کے منہ سے صرف شراب کی مہک سونگھنے کی گواہی کی بنیاد پر حد واجب نہیں ہوتی، جب تک اس بات کی صریح گواہی نہ ہو کہ ''ہم نے اسے شراب پیتے دیکھا ہے''، تو گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ انہوں نے خوامخواہ یہ بحث یہاں چھیڑ دی جبکہ ان کے پاس یزید کے منہ سے شراب کی مہک آنے پر بھی کوئی گواہی موجود نہ تھی اور نہ وہ ایسی کوئی گواہی پیش کر سکتے ہیں، اور نہ ہی انہیں اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی مکمل معلومات تھیں۔

قارئین محترم! گیاوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں جابجا ایک اور مغالطہ بھی دیا ہے اور جذبات کے ساتھ کھیل کر اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ جھوٹے، کذاب اور وضاع راویوں کی روایات سے استدلال کرتے ہیں، یا پھر منقطع الاسناد روایات پیش کرتے ہیں، اور پھر ان باطل اور جھوٹی روایتوں کی بنیاد پر اپنا موقف صحیح فرض کر کے ایسے الفاظ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا اعظمی رحمہ اللہ کو عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مزید کئی دیگر صحابہ کے بارے میں محمد بن حنفیہ کی طرف تکذیب کی نسبت کرتے ہوئے جرأت کیسے ہوئی؟ اور صحابہ کی طرف غلط بیانی اور جھوٹ بولنے کا الزام رکھتے وقت مولانا اعظمی کی غیرت ایمانی اور عقیدہ صحابہ کا جذبہ کہاں چلا گیا تھا، اگر اس واقعہ میں صرف عبداللہ بن مطیع ایک ہی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو کہا جا سکتا تھا وہ صحابی نہیں تھے، لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جائے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی، پھر جھوٹ بولنے والا شخص جس کی محمد بن حنفیہ جیسا عالم ربانی تکذیب کرتا ہو وہ کسی طرح بھی مسلم شریف جیسی کتاب میں راوی بننے کا اہل باقی رہ جائے

گا؟ جبکہ عبد اللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ مسلم شریف کے راویوں میں بالاتفاق شامل ہیں اور اس موقع پر ان کے ساتھ صحابہ میں بھی متعدد صحابہ موجود ہیں اور وہ سب بھی اس غلط بیانی اور کذب بیانی میں شریک ہیں؟ مولانا اعظمی نے جرأت اور بے باکی کے ساتھ تکذیب کر ڈالی اور محمد بن حنفیہ کے سر اس تکذیب کو ڈال دیا ہے......''①

ہم نے گیاوی صاحب کا یہ طویل اقتباس صرف یہ بتانے کے لیے نقل کیا ہے تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ وہ کیسے ''صحابی صحابی'' کا نعرہ لگا کر اس بات سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں کہ اسلام کا قانون شہادت صحابی اور غیر صحابی سب کے لیے برابر ہے، اگر کسی صحابی کو (جب کہ عبد اللہ بن مطیع کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے) کسی معاملے میں غلط فہمی ہو گئی اور شریعت کا قانون و ضابطہ اس غلط فہمی کو درست ثابت نہ کرتا ہو تو اس غلط فہمی کو غلط فہمی ہی کہا جائے گا، قرآن و سنت میں ہرگز ایسی کوئی استثناء نہیں کہ اگر کسی صحابی کو کوئی غلط فہمی لگ گئی تو اس بات کو ہر صورت درست سمجھنا ضروری ہے، اور مولانا اعظمی رحمہ اللہ نے بالکل درست لکھا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے سیدنا عبد اللہ بن مطیع کی اس بات کی اصول شہادت کی بنیاد پر تغلیط کی تھی، جو کہ خود گیاوی صاحب کی پیش کردہ (ان کے بقول صحیح) روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور سیدنا عبد اللہ بن مطیع نے بھی خود واضح طور پر یہ اقرار کیا تھا کہ ''ہم نے خود ایسا نہیں دیکھا''، کیا گیاوی صاحب یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ ''محمد بن حنفیہ نے عبد اللہ بن مطیع کی بات کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی''؟ ہمت کریں، کیا وہ یہ لکھ سکتے ہیں کہ ''محمد بن حنفیہ نے عبد اللہ بن مطیع کی بات کی تصدیق کی تھی''؟ اگر تصدیق نہیں کی تھی اور خاموش بھی نہیں رہے تھے تو کیا کیا تھا؟

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۱۔۳۲.

''تکذیب'' یا کچھ اور؟، اور ہاں ''تکذیب'' کا یہاں صرف اتنا مطلب ہے کہ محمد بن حنفیہ نے عبداللہ بن مطیع کی اس بات کو اصول شہادت کی رو سے درست نہیں سمجھا تھا، یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ ''آپ جھوٹ بول رہے ہیں'' رہا عبداللہ بن مطیع کا اپنا خیال، تو وہ جو بھی ہو ان کی حد تک ہی رہے گا، اس کی بنیاد پر کسی پر شرابی کا حکم نہیں لگ سکتا تھا اور اسلام کے قانون شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ گواہی کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے ہرگز کافی نہیں تھی۔

باقی یہ محض گیاوی صاحب کی سینہ زوری اور مغالطہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ

''اس موقع پر (یعنی محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس مناظرہ و مباحثہ کے وقت) عبداللہ بن مطیع کے ساتھ اور بھی متعدد صحابہ موجود تھے''۔

جبکہ گیاوی صاحب نے جو بزعم خود اکلوتی صحیح روایت پیش کی ہے اس میں تو عبداللہ بن مطیع کے ساتھ کسی ایک صحابی کا بھی ذکر نہیں، گیاوی ثابت کبھی بھی ان متعدد صحابہ کے نام ہمیں نہیں بتا سکتے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اور اگر گیاوی صاحب اپنی مناظرانہ عادت سے مجبور ہیں کہ وہ اپنی طرف سے مفروضے بنا کر پیش کریں اور پھر ان کا اصرار ہو کہ ان مفروضوں کو دلیل سمجھ لیا جائے تو اس کے جواب میں اصولی طور پر ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ عبداللہ بن مطیع کی محمد بن حنفیہ کے ساتھ بات چیت والی اس روایت کی مکمل سند (حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی سے مدائنی تک والا حصہ بھی) سامنے لائیں، یا اس مصدر کے بارے میں ہمیں بتائیں جہاں سے حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی نے مدائنی کی یہ روایت لی ہے، پھر ہم دیکھیں گے کہ آیا عبداللہ بن مطیع نے یہ بات کی بھی تھی یا نہیں؟۔ بات اصول پر ہو گی، نہ کہ جذبات کی بنیاد پر۔ یا آپ کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابی سیدنا ابوبکرہ

رضی اللہ عنہ پر حد قذف غلط لگائی تھی (جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں)۔

گیاوی صاحب کے پیش کردہ مزید دلائل وشواہد کا جائزہ:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے ''فسق یزید پر مزید دلائل وشواہد'' کا عنوان باندھا ہے۔① یوں ''شراب نوشی'' کے الزام سے ایک دم فسق کی طرف رخ کیا ہے، اور پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارات اور آراء ذکر کی ہیں، اس کے بعد ایک دم واقعہ حرہ کی طرف چلے گئے ہیں۔

چونکہ گیاوی صاحب اپنی طرف سے محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا ''علمی محاسبہ'' کر رہے ہیں، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یزید کی ''شراب نوشی'' اور ''فسق'' پر ہم صرف اصولی بحث کرنے کے پابند ہیں، یزید کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مؤرخ کی ذاتی رائے سر آنکھوں پر لیکن اس کی حیثیت ان کی ذاتی رائے سے زیادہ کچھ نہیں، شریعت نے کسی بھی مسلمان پر ''فسق و فجور'' یا ''شراب نوشی'' یا ''حرامکاری'' وغیرہ جیسے الزامات کے اثبات کے لیے ایک ضابطہ اور قانون مقرر کیا ہوا ہے، ہمیں صرف اسی اصول وضابطہ کی بنیاد پر ہی فیصلہ کرنا ہے، لہٰذا محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اپنے تبصرہ کے خلاصہ مباحث میں جو لکھا ہے وہ ذہن میں ہر دم رہنا ضروری ہے، اور ان کی یہ بات اگر غلط ہے تو اسے دلیل کے ساتھ غلط ثابت کرنا چاہیے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''یزید کافر و مرتد نہیں تھا، بلکہ اس کے فسق کا بھی کوئی لائق اعتماد ثبوت نہیں ہے، علماء اسلام نے اس کے مسلمان ہونے کی تصریح کی ہے، اور کسی مسلمان کو بلا ثبوت و دلیل فاسق کہنا جائز نہیں ہے، کوئی شہرت جو عینی

① دیکھیں: صفحہ ۳۶۔

شاہدوں کی شہادت پر مبنی نہ ہو لائق اعتماد و حجت نہیں ہے۔"①

نیز اسی جگہ لکھتے ہیں:

"عقیدہ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے"۔②

لہٰذا یہاں اس بحث کی کوئی اہمیت نہیں کہ یزید کے زمانہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مؤرخ نے اس کے بارے میں کیا لکھا ہے، اور پھر اس طرح کی کتابیں لکھی جائیں کہ "یزید علماء کی نظر میں"، بلکہ اہم یہ ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق یہ دیکھا جائے کہ جو الزام اس پر لگائے جاتے ہیں ان کا قطعی، یقینی اور اصول شریعت کی رُو سے کوئی قابل اعتماد ثبوت بھی ہے یا نہیں۔

جیسا کہ بیان ہوا، گیاوی صاحب نے یزید کے فسق کو ثابت کرنے کے لیے اب واقعہ حرہ کی طرف رخ کیا ہے، اور ان کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یزید کے حکم سے مدینہ کے ان لوگوں کے خلاف (جنہوں نے اسلامی سلطنت کے مسلمان حاکم کی بیعت توڑ کر اپنے میں سے کچھ لوگوں کی بیعت کی اور پھر حاکم کے خلاف مسلح خروج کیا) کارروائی کا حکم دیا تھا اور ان کی اس شورش کو کچلنے کے لیے لشکر بھیجا تھا اور اس میں بقول گیاوی صاحب، چونکہ صحابہ کا قتل بھی ہوا تھا اور صحابی کا قتل فسق ہے لہٰذا اس کا یہ عمل فسق تھا، یعنی گیاوی صاحب یہ تسلیم کر گئے کہ یزید "فاسق" واقعہ حرہ

①② محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ نمبر: ۱۰۹ طبع مئو، انڈیا۔

کے بعد ہوا تھا، جبکہ محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اپنے تبصرہ میں واقعہ حرہ پر سوائے اس روایت کے جس میں عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان بات چیت کا ذکر ہے اور کچھ زیادہ نہیں لکھا تھا، لیکن گیاوی صاحب صاحب شاید واقعہ حرہ سے بھی اپنے حق میں استدلال کرنا چاہتے ہیں اس لیے انہوں نے اس پر بھی تفصیل سے لکھا ہے، لیکن ہماری کوشش یہ ہوگی کہ گیاوی صاحب نے اپنی اس ۱۵۲ صفحے کی کتاب میں جتنی بھی روایات کتب حدیث یا کتب تاریخ سے پیش کی ہیں، ان کا تحقیقی جائزہ پہلے مکمل کیا جائے، اس کے بعد آخر میں ہم واقعہ حرہ کی طرف آئیں گے، لہٰذا یہاں سردست گیاوی صاحب کی خدمت میں انہی کا لکھا ایک اقتباس پیش کر کے آگے چلتے ہیں جو انہوں نے اپنے حق میں ایک بے سند بات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یزید کو بری کرنے والے اس کے حمایتی جو یزید کو بالکل کلین چٹ دے رہے ہیں، ان کے پاس کوئی معتبر مستند اور صحیح روایت ہے؟ وہ بھی تو سامنے لائیں تا کہ سب پر غور کیا جائے یا صرف ان کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ کمزور، غیر معتمد صرف تاریخی روایت یا صرف چند علماء کے اقوال ہیں جن کو محقق محقق کہہ کر صرف رعب جما رہے ہیں اور در حقیقت اس قول میں کوئی دم نہیں''۔①

تو ہم بھی گیاوی سے عرض کرتے ہیں کہ آپ کو یہ اصول معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یا اس پر لگائے گئے الزامات سے اس کی براءت کے لیے دلائل دینے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس کے خلاف لگائے گئے الزامات کے حق میں کوئی قابل اعتماد اور شرعی طور پر پکی دلیل یا ثبوت پیش کیا جائے،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۲.

لہٰذا آپ کے پاس بھی ابومخنف، واقدی اور محمد بن زکریا جیسے جھوٹوں کی روایات نیز منقطع وضعیف روایتوں کے سوا کچھ ہے تو پیش کریں، یا اگر ضابطہ شریعت کے مطابق کوئی عینی شہادت ہے تو وہ سامنے لائیں، ورنہ چند علماء کی ذاتی آراء سے صفحے سیاہ کر کے رعب نہ جمائیں، ہم نے آپ کی پیش کردہ ایک ایک روایت کی حقیقت کھول دی ہے اور آگے بھی کھولیں گے۔

گیاوی صاحب کے اصول، اپنے لئے الگ، دوسروں کے لیے الگ:

گیاوی صاحب نے ایک جگہ اپنا غصہ نکالتے ہوئے محدث اعظمی رحمہ اللہ کی طرف سے ابن کثیر کے حوالے سے نقل کردہ ایک بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

''جواباً عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرماویں''۔①

پھر لکھا ہے کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ یا امام غزالی یا ملا علی قاری یا کسی عالم اور محقق کی تحریر پیش کر دینے سے کوئی حقیقت نہیں بدل جاتی''۔②

کاش خود گیاوی صاحب کو بھی یہ علم ہوتا کہ ''قابل اعتماد سند'' کیا ہوتی ہے؟ اور کاش وہ بھی یہ بات ذہن میں رکھتے کہ ''کسی عالم یا محقق کی تحریر پیش کر دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی''۔

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۷
② ایضاً: صفحہ ۵۹۔

اب آیئے گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ سے متعلق جو روایات نقل کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے عبداللہ بن مطیع کے صحابی یا تابعی ہونے پر چند سطور لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ

''سیدنا عبداللہ بن مطیع بقول راجح صحابی ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کو اصابہ میں صحابی تسلیم کیا ہے''،

تو عرض ہے کہ انہی حافظ ابن حجر نے عبداللہ بن مطیع کے بارے میں لکھا ہے کہ:

عبدالله ابن مطيع ابن الأسود العدوي المدني له رؤية"①

عبداللہ بن مطیع ابن الاسود العدوی المدنی انہیں (صرف) رؤیت حاصل ہے۔

اور ہم پہلے تفصیل سے عرض کر آئے ہیں کہ جن علماء کے نزدیک ''رؤیت'' اور ''صحبت'' میں فرق ہے ان کے نزدیک عبداللہ بن مطیع، اصطلاحی صحابی نہیں ہیں، اور ''رؤیت'' و ''صحبت'' میں فرق کرنے والے قلیل تعداد میں نہیں بلکہ کثیر علماء ہیں، اس لیے عبداللہ بن مطیع کو ''راجح صحابی'' لکھنا بھی درست نہیں، ان کی ''صحبت'' مختلف فیہ ہی ہے۔

واقعہ حرہ سے متعلق چند روایات کی حقیقت:

یہاں گیاوی صاحب نے عبداللہ بن مطیع کے تعارف میں حافظ ابن حجر کے حوالے سے ''زبیر بن بکار'' کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، جو ''زبیر بن بکار'' اپنے ''چچا'' (مصعب الزبیری) سے نقل کرتے ہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

①تقریب التهذیب، ج ۱ ص ۳۲۴ نمبر: ۳۶۲۶ طبع دار الرشید سوریا۔

قال الزّبير بن بكّار: حدثني عمي، قال: كان ابن مطيع من رجال قريش شجاعة ونجدة وجلدا، فلما انهزم أهل الحرة قتل عبيد الله بن طلحة، وفر عبد اللہ بن مطيع فنجا حتى توارى في بيت امرأة من حيث لا يشعر به أحد، فلما هجم أهل الشام على المدينة في بيوتهم ونهبوهم دخل رجل من أهل الشام دار المرأة التي توارى فيها ابن مطيع، فرأى المرأة فأعجبته فواثبها، فامتنعت منه، فصرعها فاطلع ابن مطيع على ذلك، فدخل فخلّصها منه، وقتل الشامي، فقالت له المرأة۔ بأبي أنت وأمي! من أنت؟ ثم سكن عبد اللہ بن مطيع مكة"۔①

''(ترجمہ از گیاوی صاحب) زبیر بن بکار کہتے ہیں میرے چچا نے مجھے بتایا کہ عبداللہ بن مطیع قریش کے مردوں میں بہادر مضبوط اور جواں مرد تھے، جب اہل حرہ کی شکست ہوگئی اور عبیداللہ بن طلحہ قتل ہو گئے تو سیدنا عبداللہ بن مطیع نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، وہ ایک عورت کے گھر میں چپکے سے چھپ گئے، کسی کو بھی پتہ نہیں چل سکا، جب مدینہ پر شام والوں نے ہلہ بولا اور ان کے گھروں کو لوٹنا شروع کیا تو ایک شامی شخص عبداللہ بن مطیع جس عورت کے گھر چھپے تھے اسی میں گھس گیا، وہ عورت اس شخص کو پسند آ گئی، وہ شامی اس عورت پر کود پڑا، عورت اس سے بچنے کی ہر طرح کوشش کرنے لگی، اس شامی مرد نے عورت کو پچھاڑ دیا، عبداللہ بن مطیع نے دیکھا تو جا کر اس شامی سے عورت کو چھڑایا اور شامی کو قتل کر دیا، اس پر عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کون ہیں؟

① الاصابة، ج۳ ص ۶۵ القسم الثاني۔

پھر عبد اللہ بن مطیع مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے''۔①

نوٹ: اس روایت میں ذکر ہے کہ "قتل عبيد الله بن طلحة"، جبکہ "الاصابة" کے کچھ نسخوں میں اس کی جگہ "قتل عبدالله بن حنظلة" ہے۔②

الغرض! یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، زبیر بن بکار کے چچا ''مصعب بن عبداللہ الزبیری'' ۲۳۶ ہجری میں ۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔③ اور تہذیب الکمال جلد ۲۸ صفحہ ۳۶ طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت میں ان کا تعارف یوں ہے:

مصعب بن عَبد الله بُن مصعب بُن ثابت ابن عَبد الله بن الزبير بن العوام القرشي الأسدي، أَبُو عَبْداللهِ الزبيري المدني عم الزبير بُن بكار"

''مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن عوام القرشی الاسدی ابوعبداللہ الزبیری المدنی یہ زبیر بن بکار کے چچا ہیں''

اور حرہ کا واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے، یوں وہ اس واقعہ کے تقریباً ۹۳ سال بعد پیدا ہوئے تھے، دوسرا اس روایت کے جھوٹے ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو اسی روایت میں بیان ہوا ہے کہ عبداللہ بن مطیع واقعہ حرہ میں بچ کر مکہ چلے گئے تھے اور سب کو معلوم ہے کہ وہ اہل شام کے سخت خلاف بھی تھے، تو اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا تو انہیں تو یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہنا چاہیے تھا اور اسے پھیلانا چاہیے تھا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لہٰذا اب گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ثابت کریں کہ ''مصعب بن عبداللہ الزبیری'' جن سے اس روایت میں یہ واقعہ بیان کروایا جا رہا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۵۔۴۶۔

② دیکھیں: الاصابة، جلد ۸ صفحہ ۳۶ طبع دار ھجر۔

③ تاریخ بغداد، ج ۱۵ ص ۱۳۸ دار الغرب الاسلامي بیروت۔

ہے، وہ سنہ ۶۳ ہجری میں موجود تھے؟ یا بتائیں کہ انہوں نے کس سے یہ بات نقل کی؟

اس کے بعد گیاوی صاحب نے بیہقی کے حوالے سے ایک روایت یہ پیش کی ہے:

"أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ قَالَ: أَنْهَبَ مُسْرِفُ بْنُ عُقْبَةَ الْمَدِينَةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَزَعَمَ الْمُغِيرَةُ أَنَّهُ افْتُضَّ فِيهَا أَلْفُ عَذْرَاءَ" ①

ہم کو ابوالحسن بن فضل نے خبر دی ان کو عبداللہ بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث یعقوب بن سفیان نے بیان کی، ان سے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور ان کو عبداللہ بن جریر نے خبر دی (سند میں عبداللہ بن جریر نہیں بلکہ صرف ''جریر'' ہے، گیاوی صاحب کو ترجمہ میں غلطی لگی ہے، وہ خود آگے جہاں راویوں کا تعارف کروا رہے ہیں اس کا نام ''جریر بن عبدالحمید'' لکھتے ہیں ناقل) اور وہ مغیرہ بن مقسم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مسرف بن عقبہ نے تین دنوں تک مدینہ میں لوٹ کھسوٹ مچائی، مزید کہا: واقعہ حرہ میں ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کی گئی۔ ②

یہ روایت بھی باطل اور مردود ہے، ''مغیرہ بن مقسم'' کی وفات خود گیاوی صاحب نے سنہ ۱۳۶ ہجری لکھی ہے، لہٰذا کبار تابعین سے بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں اور نہ ہی انہوں نے واقعہ حرہ کا زمانہ پایا ہے، اور نہ ہی انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ

① دلائل النبوۃ للبیہقی، ج۶ ص ۴۱۸۔
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۷۔۴۸۔

بات انہیں کس نے بتائی۔

نیز یہ ''مغیرہ بن مقسم'' تیسرے درجہ کے مدلس ہیں۔① اور یہاں وہ سماع کی تصریح تو کیا اپنے استاد کا نام بھی ذکر نہیں کررہے، پھر غور کریں اس روایت میں ایک نہیں بلکہ ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کا ذکر ہے، کیا خیر القرون کی اسلامی فوج کا یہی حال تھا؟ پھر جھوٹ اور تہمتوں کا سلسلہ یہیں نہیں بند ہوجاتا بلکہ تہمت پرستوں نے ان ہزاروں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی سے بچے بھی پیدا کردیئے اور یہ ایسے بیان کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص باقاعدہ رجسٹر لے کر ان تمام باتوں کا اندراج کیا کرتا تھا۔لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

گیاوی صاحب کی ایک ناشائستہ تحریر:

اور گیاوی صاحب کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ ایک تو اس جھوٹی روایت کے آخری الفاظ "فَزَعَمَ الْمُغِيرَةُ أَنَّهُ افْتُضَّ فِيهَا أَلْفُ عَذْرَاءَ" کا ترجمہ یوں کیا:

مزید کہا: ''واقعہ حرہ میں ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کی گئی''،

جبکہ درست ترجمہ یوں ہے: ''مغیرہ کا گمان ہے کہ مدینہ میں ہزار کنواری عورتوں کی عصمت دری کی گئی''۔

بلکہ انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ یہ بھی لکھ مارا کہ:

''ظاہر ہے ان بدکاریوں کا شکار ہونے والی عورتوں میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زناکاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی''۔②

---

① دیکھیں: طبقات المدلسین لابن حجر، صفحہ ۴۶ طبع مکتبۃ المنار عمان۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۹.

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی شخص تعصب اور ضد میں اس حد تک جا سکتا ہے جبکہ اس کی شہرت ایک عالم کی بھی ہے؟ لیکن ابو مخنف جیسے رافضی، واقدی جیسے جھوٹے اور الغلابی جیسے جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے کی وکالت کرنے والوں سے آپ اور توقع بھی کیا کر سکتے ہیں؟ میرا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ دروغ بر گردن راوی، یہ فرمائیں کہ ایک ہزار کنواری عورتوں کی عزت لوٹی گئی اور ان میں گیاوی صاحب پر نازل ہونے والی وحی کے مطابق خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی (نعوذ باللہ)، لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود مدینہ میں موجود وہ صحابہ اور خاندان اہل بیت کے وہ تمام افراد، یزید کی بیعت نہیں توڑتے اور اپنے اسی موقف پر قائم رہتے ہیں جو پہلے تھا، آپ ان حضرات کو کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟، آپ فرمائیں اگر آپ وہاں ہوتے تو آپ کی غیرت جوش مارتی یا نہیں؟، کیا آپ ''خیر القرون'' کا درست نقشہ پیش کر رہے ہیں؟

اب آگے دیکھئے، گیاوی صاحب ان ہزار کی ہزار کنواری عورتوں کے ہزار بچے بھی پیدا کر رہے ہیں، لکھتے ہیں:

''حافظ ابن کثیر مدائنی سے نقل کرتے ہیں: قَالَ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ أَبِي قُرَّةَ قَالَ: قَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ: وَلَدَتْ أَلْفُ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْدَ الْحَرَّةِ مِنْ غَيْرِ زَوْجٍ، ①

مدائنی ابو قرۃ سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ ان کو ہشام بن حسان نے بتایا کہ مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے واقعہ حرہ کے بعد بغیر شوہر کے بچہ جنا''۔

اور خود گیاوی صاحب ہی ہمیں یہ بھی بتا رہے ہیں کہ (اس جھوٹی روایت کے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۸

مطابق) ہزار بچوں کا رجسٹر رکھنے والے ان ''ہشام بن حسان'' کی وفات سنہ ۱۴۸ ہجری میں ہوئی①۔

اب یہ گیاوی صاحب کو ہی ثابت کرنا ہے کہ اپنی وفات سے ۸۵ سال پہلے یعنی سنہ ۶۳ ہجری میں ''ہشام بن حسان'' کی عمر کتنی تھی کہ انہوں نے پورے ایک ہزار بچوں کا ریکارڈ جمع کیا۔ نیز گیاوی صاحب ذرا حافظ ابن کثیر سے لے کر مدائنی تک کی سند بھی ڈھونڈھ کر لائیں یا یہ بتائیں کہ یہ بات حافظ ابن کثیر نے مدائنی کی کس کتاب سے نقل کی ہے؟

اس کے بعد گیاوی صاحب نے خوب مرچ مصالحہ لگا کر واقعہ حرہ بیان کیا ہے جس پر ہم آخر میں روشنی ڈالیں گے کہ شریعت کا حکم بیعت توڑ کر خروج کرنے والوں کے بارے میں کیا ہے، نیز کیا کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ اس واقعہ میں کوئی صحابی شہید ہوا؟ اور اگر ہوا تو کس نے شہید کیا؟ یزید کی فوج نے یا اس کے خلاف خروج کرنے والوں نے؟، ہم گیاوی صاحب کی پوری تسلی کروائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب، یزید کو لکھے گئے ایک خط کی حقیقت:

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۱ پر گیاوی صاحب نے علامہ ابن اثیر کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید کو اس کے ایک خط کے جواب میں لکھے گئے ایک خط کا ذکر کیا ہے اور اس کے چند الفاظ نقل کیے ہیں، اور لکھا ہے کہ جسے دونوں خط دیکھنے ہوں وہ ابن اثیر کی تاریخ کامل کی طرف رجوع کرے، گیاوی صاحب کے بقول، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یزید کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

كَيْفَ وَقَدْ قَتَلْتَ حُسَيْنًا وَفِتْيَانَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مَصَابِيحَ الْهُدَى وَنُجُومَ

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۹.

الْأَعْلَامِ غَادَرَتْهُمْ خُيُولُكَ بِأَمْرِكَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ مُرَمَّلِينَ بِالدِّمَاءِ، مَسْلُوبِينَ بِالْعَرَاءِ، مَقْتُولِينَ بِالظِّمَاءِ، لَا مُكَفَّنِينَ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) کس منہ سے تو یہ بات کر رہا ہے جب کہ تو نے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور عبدالمطلب کے نوجوانوں کو بھی قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور رہنماؤں کے ستارے تھے، ان کو تیرے گھوڑوں نے تیرے حکم سے روند کر چھوڑا ایک زمین میں حالانکہ وہ خون میں لت پت چٹیل میدان میں برہنہ حالت میں (یہ ''برہنہ حالت میں'' کس عربی لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ گیاوی صاحب بتائیں گے ناقل) اور شدت پیاس سے مقتول پڑے تھے، ان کو کفن بھی نصیب نہ تھا۔①

اس بارے میں عرض ہے کہ خود گیاوی صاحب نے اسی صفحہ ۶۱ کے نیچے ایک حاشیہ دیا ہے جس میں لکھا ہے:

یزید اور ابن عباس کے دونوں خطوط مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰۔ ۲۵۱ پر بحوالہ طبرانی منقول ہیں اور علامہ نورالدین ہیثمی فرماتے ہیں:

رواه الطبراني وفيه جماعة لم اعرفهم②

یہاں گیاوی صاحب نے چالاکی یہ دکھائی کہ علامہ نورالدین ہیثمی کا ''فرمان'' صرف عربی میں نقل کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ نہیں کیا، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

''اس بات کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایسی جماعت

① الکامل في التاریخ، ج ۳ ص ۲۲۴ دار الکتاب العربي بیروت۔

② مجمع الزوائد، ج ۷ ص ۲۵۲ الطبراني المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳۔

ہے جنہیں میں نہیں جانتا، یعنی اس میں مجہول راویوں کی ایک پوری جماعت ہے، اور اس بات کا اقرار خود گیاوی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

''اس خط کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب و ثابت نہ ماننے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے، سوا اس کے کہ کہہ دیا جائے کہ یہ ایک تاریخی روایت ہے جس کی نہ کوئی قابل اعتماد سند ہے اور نہ اس سند کے رجال کا کوئی حال معلوم ہے، یہ بات ٹھیک ہے۔①

لیجئے! گیاوی صاحب اس بے سرو پا روایت سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قتل یزید کے حکم سے ہوا تھا۔ کیا تحقیق اسی کا نام ہے کہ خود تسلیم بھی کر رہے ہیں کہ اس بات کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں اور نہ ہی اس کے راویوں کا حال معلوم ہے، اور دوسری طرف اس بات کو اپنی دلیل بھی بنایا جا رہا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یزید کے بارے میں ایک قول:

آیئے صرف گیاوی صاحب کی طبیعت صاف کرنے کے لیے، ہم بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کیے دیتے ہیں، تعجب ہے کہ گیاوی صاحب کو تاریخی روایات میں ایسی روایات کیوں نظر نہیں آتیں؟، ملاحظہ فرمائیں، علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ ہجری) امام مدائنی (متوفی ۲۱۵ ہجری) سے نقل کرتے ہیں:

"الْمَدَائِنِيّ عَنْ عبد الرحمن بْن مُعَاوِيَة قَالَ، قَالَ عامر بْن مسعود الجمحي: إنا لبمكة إذ مر بنا بريد ينعى مُعَاوِيَة، فنهضنا إلى ابن عباس وهو بمكة وعنده جماعة وقد وضعت المائدة ولم يؤت بالطعام فقلنا له: يا أبا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۱ ۔ ۶۲۔

العباس، جاء البريد بموت معاوية فوجم طويلًا ثم قَالَ: اللّٰهم أوسع لِمُعَاوِيَةَ، أما والله ما كان مثل من قبله ولا يأتي بعده مثله وإن ابنه يزيد لمن صالحي أهله فالزموا مجالسكم وأعطوا طاعتكم وبيعتكم، هات طعامك يا غلام، قَالَ: فبينا نحن كذلك إذ جاء رسول خالد بن العاص وهو على مَكَّة يدعوه للبيعة فَقَالَ: قل له اقض حاجتك فيما بينك وبين من حضرك فإذا أمسينا جئتك، فرجع الرسول فَقَالَ: لا بدّ من حضورك فمضى فبايع"①

عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گذرا، تو ہم اٹھ کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس چلے گئے، وہ مکہ میں ہی تھے اور ان کے پاس ایک جماعت بیٹھی تھی، اور دستر خوان لگایا جا چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں لایا گیا تھا، تو ہم نے کہا: اے ابو العباس! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی ہے، یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کافی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: اے اللہ! معاویہ پر اپنی رحمت وسیع فرما، یقیناً آپ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر چکے، لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی دیکھنے کو نہیں ملے گا، اور آپ کا بیٹا یزید، آپ کے خاندان کا نیک اور صالح شخص ہے، اس لیے تم لوگ اپنی اپنی جگہ اطمینان رکھو اور اس کی اطاعت اور بیعت کرو، (پھر نوکر سے کہا) اے غلام! کھانا لے آؤ، (عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ) ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص کا قاصد آیا، وہ اس

① انساب الاشراف، جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ طبع دار الفکر بیروت۔

وقت مکہ کے عامل تھے، انہوں نے عبداللہ بن عباس کو بیعت کے لیے بلایا تھا، تو عبداللہ بن عباس نے قاصد سے کہا کہ ان سے کہو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کرلیں، ہم شام کو آئیں گے، قاصد لوٹ گیا اور کہا کہ آپ ضرور آنا، تو سیدنا عبداللہ بن عباس تشریف لے گئے اور بیعت کرلی۔

گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ نے اپنی کتاب میں جتنی بھی روایات اپنے موقف کے حق میں پیش کی ہیں، ان سب کے مقابلے میں یہ روایت زیادہ مضبوط اور صحیح نہیں تو ان سے کم بھی نہیں، اس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یزید کو صالح کہنا بھی مروی ہے اور اس کی بیعت کرنا بھی، اگر آپ واقعی غیر جانبدار تحقیق فرما رہے تھے تو یہ اور اس جیسی مزید بہت سی روایات بھی انہی کتب میں منقول ہیں جن کے حوالے آپ دے رہے ہیں، تو آپ کو صرف ابومخنف، واقدی جیسوں کی روایات سے ہی پیار کیوں ہے؟

کیا ابن زیاد نے یزید کے فاسق ہونے کی گواہی دی؟:

آگے گیاوی صاحب نے یہ دعوی کیا ہے کہ ''عبیداللہ بن زیاد'' اور ''یزید کے اپنے بیٹے'' نے بھی یزید کے فاسق ہونے کی گواہی دی ہے، اور اس کی دلیل میں پہلے "البدایۃ والنہایۃ" کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے:

وَقَدْ كَانَ يَزِيدُ كَتَبَ إِلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زِيَادٍ أَنْ يَسِيرَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَيُحَاصِرَهُ بِمَكَّةَ، فَأَبَى عَلَيْهِ وَقَالَ: وَاللهِ لَا أَجْمَعُهُمَا لِلْفَاسِقِ أَبَدًا، أَقْتُلُ ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَغْزُو الْبَيْتَ الْحَرَامَ وَقَدْ كَانَتْ أُمُّهُ مَرْجَانَةُ قَالَتْ لَهُ حِينَ قَتَلَ الْحُسَيْنَ: وَيْحَكَ! مَاذَا صَنَعْتَ وَمَاذَا رَكِبْتَ، وعنفته تعنيفاً

شديداً"۔①

(ترجمہ از گیاوی صاحب) یزید بن معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا تھا کہ وہ عبد اللہ بن زبیر کی طرف نکلے مکہ میں ان کا محاصرہ کرے، لیکن اس نے یزید کا انکار کیا اور کہا: خدا کی قسم میں دونوں بات (باتیں ناقل) اس فاسق کے لیے جمع نہیں کروں گا، نبی کے نواسے کو بھی قتل کروں اور بیت اللہ پر فوج کشی بھی کروں؟ عبید اللہ بن زیاد کی ماں مرجانہ نے کہا جس وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس نے شہید کیا تھا: تیرا ناس ہو یہ تو نے کیا کیا اور کیسا کام کر ڈالا، اور ماں نے بہت سخت سست اس کو کہا تھا۔

پھر گیاوی صاحب اس روایت پر اپنے موقف کی بنیاد رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حافظ ابن کثیر کی منقولہ بالا روایت سے صرف عبید اللہ بن زیاد کا یزید کو فاسق کہنا یا سمجھنا نہیں ثابت ہوا بلکہ اس کے الفاظ **لاأجمعهما للفاسق أبداً، اقتل ابن بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأغزو البيت الحرام** سے صاف صاف یہ بھی ثابت ہوا کہ اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قتل بھی یزید کی مرضی اور حکم سے کیا تھا ورنہ فاسق کے لئے دونوں باتیں جمع کرنے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے''۔②

دیکھا آپ نے؟ جو روایت ابھی تک انہوں نے ثابت ہی نہیں کی اس غیر ثابت روایت کی بنیاد پر اپنے مفروضوں کا محل تعمیر کرنا شروع کر دیا، آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہاں گیاوی صاحب نے کیا کارستانی فرمائی ہے، وہ خوب اچھی طرح

① البداية والنهاية، جلد ۸ صفحه ۲۳۹ طبع دار احياء التراث العربي.
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۴.

جانتے تھے کہ ابن کثیر اور ابن اثیر دونوں نے یہ بات بلا سند ذکر کی ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے انہی دونوں کے حوالے سے یہ روایت پیش کی، جبکہ یہ روایت سند کے ساتھ تاریخ طبری میں موجود ہے لیکن گیاوی صاحب نے جان بوجھ کر وہاں سے نقل نہیں کی تاکہ کسی کی نظر اس کی سند پر نہ چلی جائے، طبری میں اس کی سند یوں ہے:

"حَدَّثَنَا ابن حميد قَالَ: حَدَّثَنَا جرير، عن مغيرة، قَالَ: كتب يَزِيد إِلَى ابن مرجانة: أن اغز ابن الزُّبَيْر ...... الخ①

یعنی اس بات کو بیان کرنے والے وہی ''مغیرۃ بن مقسم الضبی'' ہیں جن کا ذکر پہلے ایک روایت میں ہو چکا، ان کی وفات سنہ ۱۳۶ ہجری میں ہوئی ہے، ان کی تو کبار تابعین سے بھی ملاقات ثابت نہیں، کیا گیاوی صاحب بتا سکتے ہیں اپنی وفات سے تقریباً ۷۳ سال قبل کے جس واقعہ کا وہ ذکر کر رہے ہیں اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟، نیز جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا یہ ''مغیرہ بن مقسم'' تیسرے درجہ کے مدلس ہیں۔②

یہاں وہ سماع کی تصریح تو کیا اپنے استاد کا نام بھی ذکر نہیں کر رہے، مزید عرض ہے کہ طبری یہ بات اپنے استاد ''ابن حمید'' سے روایت کر رہے ہیں، جس کا نام ''محمد بن حمید الرازی'' ہے، یہ بھی شدید قسم کا مجروح راوی ہے، مثلاً:

امام ابو حاتم رازی نے اس کے بارے میں فرمایا:

"كذاب لا يحسن يكذب"③

ایسا جھوٹا جو جھوٹ بھی اچھے طریقے سے نہیں بول سکتا (اور ابو حاتم رازی نے جس وجہ سے یہ بات فرمائی وہ بھی تفصیل کے ساتھ یہاں مذکور ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر

①تاريخ الطبري، ج۵، ص ۴۸۳ طبع دار التراث بيروت.

②دیکھیں: طبقات المدلسين لابن حجر، صفحه ۴۶ طبع مكتبة المنار عمان.

③الضعفاء لابي زرعة الرازي، جلد ۲ صفحه ۷۳۹ طبع المدينة المنورة.

ہے)۔

امام بخاری نے فرمایا:

"فيه نظر" اس میں نظر ہے۔①

امام ابوزرعۃ نے بھی اس کے جھوٹے ہونے کا بتایا۔②

ابن خراش نے کہا: اللہ کی قسم یہ جھوٹا ہے③

امام نسائی نے کہا: "ليس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں۔④

امام نسائی نے ہی کہا: "ليس بثقة" یہ ثقہ نہیں ہے۔⑤

فضلک رازی کہتے ہیں:

"دخلت على محمد بن حميد وهو يركب الأسانيد على المتون"⑥

میں محمد بن حمید کے پاس گیا تو یہ متون کی سندیں وضع کر رہا تھا (یعنی جھوٹی سندیں بنا رہا تھا)۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

"كثير المناكير"⑦

یہ بہت زیادہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔

صالح بن جزرۃ نے کہا:

''ما رأيت أحذق بالكذب من ابن حميد ومن ابن الشاذكوني"⑧

میں نے دو آدمیوں سے زیادہ جھوٹ کا ماہر کوئی نہیں دیکھا، ایک محمد بن

---

①التاريخ الكبير، جلد ۱ صفحہ ۶۹ طبع انڈیا۔

②تهذيب التهذيب، جلد ۹ صفحہ ۱۳ طبع دائرۃ المعارف، انڈیا۔

③④تهذيب التهذيب، جلد ۹ صفحہ ۱۳۔

⑤ميزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ دار المعرفۃ بیروت۔

⑥⑦⑧ایضاً۔

حمید اور دوسرا ابن شاذکونی۔

امام ذہبی نے لکھا:

"محمد بن حمید الرازي-مُتَّهم"①

یہ وضع حدیث سے متہم ہے۔

امام سیوطی نے بھی اسے کذاب (بڑا جھوٹا) کہا ہے۔②

اور چونکہ یہ روایت گیاوی صاحب نے البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے نقل کی ہے، اس لیے ''محمد بن حمید رازی'' کے بارے میں حافظ ابن کثیر کی رائے بھی پیش ہے، اس کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ-وَهُوَ شِيعِيٌّ"③

''محمد بن حمید رازی نے کہا جو کہ شیعہ ہے''۔

الغرض! گیاوی صاحب کی پیش کردہ دوسری روایات کی طرح یہ روایت بھی ناقابل اعتماد اور غیر مستند ہے۔

یزید کے بیٹے کی طرف منسوب ایک جھوٹی بات:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے عنوان باندھا ہے: ''فسق یزید پر فرزند یزید کی شہادت''، اور لکھا ہے کہ:

''یزید کے فاسق ہونے کی گواہی عبید اللہ بن زیاد نے تنہا نہیں دی ہے بلکہ تاریخوں میں خود یزید کے بیٹے معاویہ کی گواہی بھی پائی جاتی ہے، علامہ

---

①تلخيص الموضوعات لابن الجوزي، صفحه ۳۴۹ مكتبة الرشد، الرياض.

②اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، جلد ۱ صفحه ۱۲ دار الكتب العلمية بيروت.

③البداية والنهاية، جلد ۸ صفحه ۲۰۹ طبع دار احياء التراث العربي.

ابن حجر ہیتمی مکی اپنی کتاب الصواعق المحرقۃ ص ۲۲۴ مطبوعہ استنبول میں ہے: معاویہ بن یزید نے جب اس کو یزید کے بعد ولایت اور حکومت سونپی گئی منبر پر آکر خطبہ دیا اور کہا یہ خلافت اللہ کی ایک رسی ہے میرے دادا معاویہ نے خلافت کے اہل سیدنا علی بن ابی طالب سے جو میرے دادا سے زیادہ حق دار تھے، ان کے ساتھ نزاع کیا اور تمھارے ساتھ جو کچھ کیا تم کو معلوم ہے یہاں تک کہ ان کو موت آگئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے پھر خلافت کا قلادہ میرے والد یزید کے گلے کا ہار بنا حالانکہ وہ اس خلافت کے اہل نہ تھے، انہوں نے رسول اللہ (ﷺ) کے نواسے سے جھگڑا کیا، اپنی عمر کو کھیل کود میں گذارا اور اپنی عاقبت کو برباد کرڈالا پھر اس کے بعد رونے لگا اور کہا:

"إِن من أعظم الأُمُور علينا علمنا بِسوء مصرعه وبئيس منقلبه وَقد قتل عترة رَسُول الله ﷺ وأباح الْحرم وَخرب الْكَعْبَة وَلم أذق حلاوة الْخلَافَة فَلَا أتقلد مرارتها فشأنكم أَمركُم"①

بڑی مصیبت ہم پر یہ ہے کہ ہم اس کے ٹھکانے کی برائی اس کی بدانجامی کو جانتے ہیں، اس نے آل رسول ﷺ کو قتل کیا ہے

(یہاں حاشیہ دیا ہے کہ ''یہ اقرار معاویہ بن یزید کو اپنے والد کے بارے میں ہے کہ اصل قاتل یزید ہے''۔ ناقل)

اور شراب کو مباح سمجھا اور کعبہ کی تخریب کی، میں نے خلافت کی حلاوت نہیں چکھی، اس لئے اس کی تلخی چکھنا نہیں چاہتا تم جانو اور تمہارا کام

① الصواعق المحرقۃ، ص ۲۲۴ طبع استنبول.

جانے۔①

قارئین محترم! میں نے گیاوی صاحب کی کتاب سے یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ یزید بن معاویہ کی کردار کشی کے شوق میں گیاوی صاحب اور ان کے ہمنوا کس طرح رافضیوں کی گھڑی ہوئی جھوٹی کہانیوں کا سہارا لیتے ہیں اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ یزید کے بیٹے کی طرف منسوب اس من گھڑت بات سے یزید کی ایسی تیسی کرنے کے چکر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں، غور فرمائیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ

''یہاں تک کہ ان کو موت آ گئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے''۔

میرا مولانا طاہر حسین گیاوی کو تا قیامت چیلنج ہے کہ وہ الصواعق المحرقة میں لکھی اس بات کی کوئی سند بیان کر دیں، اور اگر نہ بیان کر سکیں تو پھر لعنة الله علی الکاذبین پر آمین کہہ دیں، یاد رہے ابن حجر ہیتمی کی وفات ۹۷۲ ہجری میں ہوئی ہے، اور یزید کی وفات ربیع الاول ۶۴ ہجری میں ہوئی ہے، درمیان میں تقریباً ۹ صدیاں ہیں، گیاوی صاحب اگر تحقیق نامی کسی چیز سے واقف ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس روایت کی کوئی سند ڈھونڈھ کر لائیں، چاہے وہ ابومخنف، واقدی یا غلابی کی ہی کیوں نہ ہو...... دیدہ باید، ہم ایسی جھوٹی بے اصل کہانیوں کی بنیاد پر کسی کو بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں تبرا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے، چاہے وہ گیاوی صاحب ہوں یا ان کے مرجع و ماوی سید لعل شاہ بخاری ہوں۔②

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۴۔۶۵۔

② دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۴۱۲۔۴۱۳۔

گیاوی صاحب کی ''بزعم خود'' ایک اور صحیح روایت کا حال:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے پھر یہ دعوی کیا ہے کہ:

''اب ایک دوسری صحیح سند والی روایت پیش کر رہا ہوں'' اور پھر امام بیہقی کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابن سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُفَيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ فُلَيْحٍ أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنِ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيرَةِ وَفَدَ عَلَى يَزِيدَ فَأَكْرَمَهُ وَأَحْسَنَ جَائِزَتَهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْمِنْبَرِ - وَكَانَ مَرْضِيًّا صَالِحًا - فَقَالَ أَلَمْ أُحِبَّ أَنْ أُكْرَمَ وَاللهِ لَرَأَيْتُ يَزِيدَ ابْنَ مُعَاوِيَةَ يَتْرُكُ الصَّلَاةَ سُكْرًا فَأَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى خُلْعَانِهِ بِالْمَدِينَةِ فَخَلَعُوهُ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) ہم کو ابو الحسن بن المفضل نے خبر دی ان کو عبداللہ بن جعفر نے بتایا ان کو یعقوب بن سفیان نے کہا کہ میں نے ابن عفیر سے سنا اور انہوں نے کہا کہ ابن فلیح نے خبر دی کہ (عمرو بن حفص) (گیاوی صاحب نے ترجمہ میں یوں لکھا ہے، جبکہ روایت میں ''ابوعمرو بن حفص'' ہے۔ ناقل) بطور وفد یزید کے پاس بھیجے گئے (یہاں بھیجے گئے کے کوئی الفاظ نہیں بلکہ "وَفَدَ" کے لفظ ہیں، یعنی وہ یزید کے پاس آئے ناقل) تو یزید نے اکرام کیا اور اچھا انعام دیا (جو کہ یقیناً انہوں نے قبول کیا۔ ناقل) لیکن جب وہ مدینہ لوٹ کر آئے تو منبر کے قریب کھڑے ہوئے وہ نیک اور پسندیدہ شخص تھے انہوں نے کہا: میرا اکرام کیا گیا تو

میں کیوں ناپسند کروں لیکن بخدا میں نے یزید بن معاویہ کو نشے میں دیکھا کہ اس نے نماز ترک کردی پھر مدینہ والے اس کی بیعت توڑنے پر متفق ہو گئے اور یزید کی بیعت توڑ ڈالی''۔①

اور اس روایت پر گیاوی صاحب نے اپنی تحقیق یوں پیش کی ہے کہ:

''اس روایت کے اندر امام بیہقی کے کل پانچ راوی ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں''۔

اب گیاوی صاحب کی بلا جانے کہ راویوں کا ثقہ ہونا یا کسی روایت کا ''صحیح الاسناد'' ہونا اور چیز ہے اور روایت کا ''صحیح'' ہونا الگ چیز ہوتی ہے، منقطع السند روایت کے راوی بھی ممکن ہے سارے ثقہ ہی ہوں لیکن وہ صحیح نہیں ہوتی، بہر حال آیئے دیکھتے ہیں یہاں گیاوی صاحب نے کیا مغالطے دیئے ہیں۔

"ابن عفیر" اور "ابن فلیح" کون؟:

اس سند میں دو راوی آئے ہیں، ایک "ابن عفیر" جن سے یعقوب بن سفیان روایت کر رہے ہیں، اور دوسرے "ابن فلیح" جن سے یہ "ابن عفیر" روایت کر رہے ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ "ابن عفیر" کون ہیں؟ تو امام بیہقی نے اسی روایت کے بعد اسی جگہ آگے یہ بات بھی لکھی ہے:

قَالَ يَعْقُوبُ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ كَثِيرِ بْنِ عُفَيْرٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ: قُتِلَ يَوْمَ الْحَرَّةِ: عَبْدُ اللهِ بْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيُّ، وَمَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ، وَقُتِلَ مُعَاذُ بْنُ الْحَارِثِ الْقَارِيُّ وَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي عَامِرٍ "

(ترجمہ) یعقوب (بن سفیان) نے کہا کہ میں نے سعید بن کثیر بن عفیر

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۵۔۶۶.

الانصاری کو یہ کہتے سنا کہ: حرہ والے دن عبداللہ بن زید المازنی، معقل بن سنان الاشجعی، معاذ بن حارث القاری اور عبداللہ بن حنظلہ قتل ہوئے۔

اس طرح خود یعقوب بن سفیان نے بتا دیا کہ اس ابن عفیر سے مراد ''سعید بن کثیر بن عفیر انصاری'' ہیں، اب رہ گئی یہ بات کہ جس "ابن فلیح" سے یہ سعید بن کثیر بن عفیر روایت کر رہے ہیں وہ کون ہے؟ تو گیاوی صاحب نے یہاں دعوی کیا ہے کہ اس سے مراد "محمد بن فلیح المتوفی ۱۹۷ ہجری ہیں (دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷) لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ اس "ابن فلیح" سے مراد "یحییٰ بن فلیح بن سلیمان" ہے، اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ کتب رجال میں جب ہم "سعید بن کثیر بن عفیر" کا تعارف پڑھتے ہیں تو ان کے اساتذہ میں (یعنی جن سے انہوں نے روایت کی ہے) ہمیں "یحییٰ بن فلیح" کا نام ملتا ہے، جبکہ "محمد بن فلیح" کا نام نہیں ملتا، مثلاً امام مزی کی تہذیب الکمال دیکھیں، اس میں ہے:

سعید بن کثیر بن عفیر بن مسلم... روی عن: بسطام بن حریث المکي ...و...و...ویحییٰ بن فلیح... ①،

نیز بعض دوسری روایات میں جہاں یہی طریق ہے اس میں ''سعید بن کثیر'' کے استاد "ابن فلیح" کا مکمل نام بھی ملتا ہے، مثلاً یہی امام بیہقی اپنی دوسری کتاب "السنن الکبریٰ" میں ایک روایت کی سند یوں بیان کرتے ہیں:

" أَخْبَرَنَاهُ عَالِيًا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْفَارِسِيُّ، ثنا

① تهذیب الکمال في اسماء الرجال، جلد ۱۱ صفحه ۳۶، مؤسسة الرسالة بیروت.

يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ، ثنا سَعِيدُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ عُفَيْرٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ فُلَيْحٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ الشُّرَّابَ، كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالْأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالْعِصِيِّ، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ"۔ ①

یہ امام بیہقی کی ہی روایت ہے اور اس میں ''عبداللہ بن جعفر'' سے لے کر "ابن فلیح" تک بالکل وہی سند ہے جو گیاوی صاحب کی مستدلہ روایت کی ہے اور اس میں مکمل صراحت ہے کہ ''سعید بن کثیر'' کے استاد "یحیی بن فلیح" ہیں۔ اور رواۃ کے تعین کا ایک بڑا ذریعہ دوسری سندوں میں صراحت کے ساتھ نام آنا ہے جبکہ دوسرا ذریعہ کتب رجال میں اساتذہ وتلامذہ کا مذکور ہونا ہے، ان دونوں طریقوں سے ''سعید بن کثیر'' کے استاد "ابن فلیح" سے "یحیی بن فلیح" کا تعین ہوتا ہے۔

اب گیاوی صاحب کو یا تو علم ہی نہیں تھا کہ اس "ابن فلیح" سے مراد "یحیی بن فلیح" ہے، یا اگر علم بھی تھا تو انہوں نے جان بوجھ کر اسے "محمد بن فلیح" بنا کر پیش کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ "یحیی بن فلیح" کی توثیق پیش کرنا ان کے بس کی بات نہیں، بلکہ امام ابن حزم (متوفی ۴۵۶ ہجری) نے تو صاف لکھا ہے:

"يحيى بن فليح بن سليمان وهو مجهول البتة والحجة لا تقوم بمجهول" ②

یحییٰ بن فلیح تو یقینی طور پر مجہول الحال راوی ہے اور ایک مجہول کی روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

---

① السنن الکبری للبیهقی، جلد ۸ صفحہ ۵۵۶ طبع دار الكتب العلمية بیروت۔

② الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم، جلد ۷ صفحہ ۱۲۲۔ دار الآفاق الجديدة بیروت۔

پھر اس "ابن فلیح" نے بلا واسطہ "ابو عمرو بن حفص بن المغیرۃ" کا قول نقل کیا ہے (اور ان ابو عمرو بن حفص کو گیاوی صاحب نے صحابی بتایا ہے) جبکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ "ابن فلیح" نے صحابہ کا زمانہ پایا ہو کیونکہ اس کے والد "فُلَيحُ بنُ سُلَيمَانَ بنِ أَبِي المُغِيرَةِ بنِ حُنَينٍ الخُزَاعِيُّ وَيُقَالُ الأَسلَمِيُّ" کی پیدائش ہی طبقہ صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے، امام ذہبی ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"وُلِدَ: فِي آخِرِ أَيَّامِ الصَّحَابَةِ، وَهُوَ أَسَنُّ مِنْ مَالِكٍ بِقَلِيلٍ"①

ان کی ولادت صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے اور یہ (امام) مالک سے قدرے عمر میں بڑے ہیں۔

تو جب "یحییٰ بن فلیح" کے والد کی اپنی پیدائش ہی دور صحابہ کے بالکل آخری ایام میں ہوئی ہے تو خود "یحییٰ" نے کیسے دور صحابہ رضی اللہ عنہم پا لیا؟ لہٰذا گیاوی صاحب کو اب اس راوی یا راویوں کا پتہ بھی لگانا ہوگا جن کے واسطے سے یہ "ابن فلیح" صحابی سے روایت کر رہا ہے۔ یاد رہے گیاوی صاحب نے اس "ابن فلیح" سے مراد جو "محمد بن فلیح" لئے ہیں ان کے ساتھ ان کی وفات سنہ ۱۹۷ ہجری بھی لکھی ہے، تو بھی گیاوی صاحب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ "محمد بن فلیح" نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا، اور ان کی کسی صحابی سے ملاقات یا ان سے سماع ثابت ہے۔

اب آیئے آگے چلتے ہیں، اس روایت میں ایک نام ''ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ'' آیا ہے، اور گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ ''یہ صحابی ہیں'' اور اس پر "تهذیب التهذیب" اور "الاصابة" کے حوالے دیئے ہیں۔② اور اس روایت میں جو واقعہ بتایا

① سیر اعلام النبلاء، جلد ۷ صفحہ ۳۵۳ مؤسسة الرسالة بیروت۔

② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب کا صفحہ ۶۷

جا رہا ہے وہ سنہ ۶۳ ہجری یعنی واقعہ حرہ کے زمانے کا ہے، کیونکہ روایت میں اہل مدینہ کی طرف سے یزید کی بیعت توڑے جانے کا ذکر ہے، لیکن جب ہم ''ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ'' نامی صحابی کا تعارف پڑھتے ہیں تو وہ "تهذيب التهذيب" میں کچھ یوں ہے:

"أبو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن محزوم المخزومي وهو زوج فاطمة بنت قيس وقيل اسمه عبد الحميد وقيل أحمد، اسمه كنيته... صحابي خرج مع علي إلى اليمن لما أمره النبي ﷺ عليها فمات وقيل إنه بقي إلى خلافة عمر بن الخطاب"①

(ترجمہ) ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم المخزومی، یہ فاطمۃ بنت قیس کے شوہر تھے، ان کا نام عبدالحمید بھی بتایا گیا ہے اور احمد بھی، ان کی کنیت ہی ان کا نام بن گئی ...... یہ صحابی ہیں، جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو یہ ان کے ساتھ گئے تھے اور (وہیں) فوت ہو گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

اور الاصابۃ میں ان کا تعارف یوں ہے:

"أبو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم القرشي المخزومي، زوج فاطمة بنت قيس۔ وقيل: هو أبو حفص بن عمرو بن المغيرة۔ واختلف في اسمه، فقيل: أحمد، وقيل عبد الحميد، وقيل اسمه كنيته۔ وأمّه درّة بنت خزاعيّ الثقفية، وكان خرج مع عليّ إلى

① تهذيب التهذيب، جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۱ طبع دائرة المعارف۔

اليمن في عهد النبيّ ﷺ فمات هناك۔ ويقال: بل رجع إلى أن شهد فتوح الشام"①

(خلاصہ) ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ...... ان کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے احمد بتایا ہے، بعض نے عبدالحمید بتایا ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کا نام ان کی کنیت ہی ہے، ان کی والدہ کا نام درّۃ بنت خزاعی ہے، یہ نبی ﷺ کے زمانے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوگئی، بعض نے کہا ہے کہ انہوں شام کی فتوحات میں شرکت کی۔

اور "الاستیعاب" میں ان کا تعارف یوں ہے:

"أَبو عَمْرو بْن حفص بْن الْمُغِيرَةِ ويقال: أَبو عمرو بن حفص بن عمرو ابن حفص بْن الْمُغِيرَةِ بْن عَبْد اللَّهِ بْن عَمْرو بْن مخزوم القرشي المخزومي۔ قيل: اسمه عبد الحميد۔ وقيل اسمه أَحْمَد۔ وقيل: بل اسمه كنيته۔ بعثه رَسُول اللَّهِ ﷺ مَعَ عَلِيّ بْن أَبِي طَالِبٍ حين بعث عليًا أميرًا إِلَى اليمن، فطلق امرأته هناك فاطمة بنت قيس الفهرية، وبعث إليها بطلاقها، ثم مات هناك"۔②

خلاصہ اس کا بھی یہی ہے کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

اور اسد الغابۃ میں ان کا تعارف یوں ہے:

---

① الاصابة في تمييز الصحابة، جلد ۷ صفحہ ۲۳۹ طبع دار الكتب العلمية بيروت۔

② الاستيعاب في معرفة الاصحاب، جلد ۴ صفحہ ۱۷۱۹ طبع دار الجيل بيروت۔

"أبو عمرو بن حفص بن المغيرة قاله الزبير، وقيل: أبو حفص بن المغيرة۔ويقال: أبو عمرو بن حفص بن عمرو بن المغيرة القرشي المخزومي۔اختلف في اسمه، فقيل: أحمد، وقيل: عبدالحميد، وقيل: اسمه كنيته۔وأمه درة بنت خزاعي بن الحويرث الثقفي۔ بعثه رسول الله ﷺ مع علي حين بعث عليا إلى اليمن، فطلق امرأته فاطمة بنت قيس الفهرية هناك، وبعث إليها بطلاقها، ثم مات هناك وقيل: عاش بعد ذلك"①

اس کا بھی وہی خلاصہ ہے کہ ان کی وفات یمن میں ہوگئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس کے بعد بھی زندہ رہے تھے۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ''ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ'' نامی صحابی کی وفات آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہی یمن میں ہوگئی تھی، اور جو بعض اقوال اس کے خلاف ملتے ہیں وہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ ان کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہو چکی تھی، لہٰذا اب یہ گیاوی صاحب کا فرض ہے کہ وہ ہمیں بتائیں کہ یہ کون سے ''ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ'' صحابی تھے جو سنہ ۶۳ ہجری تک زندہ تھے اور جو یزید کے پاس گئے تھے۔

یاد رہے گیاوی صاحب کی محولہ بالا روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ ''ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ'' صحابی تھے، اور نہ ہی واقعہ حرہ میں کہیں ان کا ذکر ملتا ہے، بلکہ گیاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں جو واقعہ حرہ کے مقتولین کی فہرست گنوائی ہے اس میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ میں

① اسد الغابۃ، جلد ۶ صفحہ ۲۲۱ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

جس طرح قتل و غارت گری کا نقشہ کھینچا ہے اس میں ان کا ذکر ضرور ہونا چاہیے تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ کیونکہ بقول گیاوی صاحب یہ یزید کی شراب نوشی کے عینی گواہ تھے۔

قارئین محترم! یہ ہے "دلائل النبوۃ للبیهقی" کی اس روایت کا حال، لیکن گیاوی صاحب انتہائی تعلی کے ساتھ یہاں بھی لکھتے ہیں:

''یہ سند بھی اعلی درجہ کی صحیح سند ہے اور امام بیہقی جیسے عظیم محدث اسی سند سے روایت نقل فرما رہے ہیں، یہ روایت بھی یزید کا شراب پینا اور نشہ کی حالت میں رہنا بتا رہی ہے اور نماز چھوڑنا بھی فسق کی واضح دلیل ہے اور کوئی تاریخی روایت بھی نہیں ہے، اگر اب بھی یزید کا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوا تو کیا ثبوت کے لیے وحی نازل ہوگی؟''①

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ اس روایت کی سند کس درجہ کی ہے وہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے، یہ روایت گھڑنے والا اتنا جاہل تھا کہ اسے یہ علم ہی نہ ہوا کہ جس صحابی کے نام سے وہ یہ جھوٹ گھڑ رہا ہے وہ تو یزید کے پیدا ہونے سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے، لہٰذا گیاوی صاحب غصہ نہ کریں، کسی کو شرابی اور فاسق ثابت کرنے کے لیے واقعی نبی کریم ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل ہونے والی شریعت کے اصول و ضابطہ کے مطابق ثبوت کی ہی ضرورت ہے، اور جھوٹی سندوں والی اور غیر ثابت شدہ روایات کی بنیاد پر پیش کی گئی گواہیوں کی واقعی شریعت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں۔

اس روایت کے جھوٹی ہونے کے لیے ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ اس میں بیان ہے کہ ''تمام اہل مدینہ نے بالاتفاق یزید کی بیعت توڑ دی تھی'' جو کہ سراسر جھوٹ ہے،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ٦٧.

آپ کی ہی تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ اہل بیت بلکہ بنی عبد المطلب کے کسی فرد نے بیعت نہیں توڑی تھی، محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ، زین العابدین رحمہ اللہ، نے بھی نہیں توڑی تھی، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے متعلقین اہل عیال اور خاندان والوں نے نہیں توڑی تھی۔

ایک کٹ حجتی اور اس کا جواب:

کچھ لوگ یہاں یہ کٹ حجتی پیش کرتے ہیں کہ

''صحیح سند کے ساتھ ثابت کیا جائے کہ بنی عبد المطلب اور اہل بیت کے افراد نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی''۔

تو عرض ہے کہ آپ ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ ''اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑی تھی'' اور خاص طور پر ''عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن مطیع وغیرہما'' کا تو نام لے کر آپ بتاتے ہیں کہ وہ ان بیعت توڑنے والوں کے قائدین میں سے تھے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ان لوگوں کو بیعت توڑنے سے منع کرنا تو صحیح روایات میں بیان ہوا ہے، تو کیا آپ صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ

''اس سے پہلے تمام اہل مدینہ نے بشمول عبد اللہ بن عمر، زین العابدین، محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن مطیع نے یزید کی بیعت کی ہوئی تھی؟''

کیونکہ بیعت توڑنے کی بات تو تب ہی درست ہوگی اگر پہلے بیعت کی گئی ہو، میرا یہ سوال کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بیعت توڑنے کے واقعات تاریخ میں بیان کیے گئے ہیں تو ان میں ان معروف لوگوں کے نام بھی مذکور ہیں جنہوں نے واقعہ حرہ کے موقع پر یزید کی بیعت توڑی تھی، اور ان ناموں میں عبد اللہ بن حنظلہ و عبد اللہ

بن مطیع یا ان کے ساتھیوں کا ذکر تو آتا ہے لیکن کسی مؤرخ نے سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین) یا محمد بن حنفیہ یا ان کے خاندان کے کسی فرد کا نام بیعت توڑنے والوں میں ذکر نہیں کیا جبکہ مدینہ میں یہ حضرات اہم ترین اور معروف ترین تھے، لہٰذا ثابت آپ کو کرنا ہے کہ اہل بیت نبوت کے فلاں فلاں فرد نے بیعت توڑنے والوں کا ساتھ دیا، مؤرخین تو صراحت کے ساتھ یہ بات لکھتے ہیں کہ

> ''عبداللہ بن عمر اور اہل بیت کی جماعت نے اپنا عہد نہیں توڑا تھا اور یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت نہیں کی تھی''

اور

> ''آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی ایام حرہ میں خروج نہیں کیا تھا، اور جب مسلم بن عقبہ (یزید کی فوج کا سپہ سالار) آیا تو اس نے سیدنا زین العابدین کا اکرام کیا اور انہیں امان کا خط دیا''۔ ①

---

①البداية والنهاية، ج ١١ ص ٦٥٢ اور ص ٦٥٦ طبع دار هجر.

کتب اسماء الرجال میں یزید کی شراب نوشی کی تصریحات کا واویلا

ہم نے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ علم جرح وتعدیل میں عام طور پر ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے اس فن میں عام طور پر بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، کیونکہ کسی بھی راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ راوی کی بیان کردہ روایات (مرویات) کو دیکھ کر ہوتا ہے، جب ایک راوی ایسی روایات بیان کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایات کے مطابق ہوں تو ایسے راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ روایات کی موافقت جہاں اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی ''ضابط'' ہے یعنی اس کا حافظہ ٹھیک ہے، وہیں اس بات کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ راوی عادل بھی ہے کیوں کہ اس نے روایات میں تبدیلی نہیں کی، جب راوی کی توثیق یا تضعیف کے لئے عام طور سے راوی کی مرویات کو ہی بنیاد بنایا جاتا ہے تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی راوی کی توثیق وتضعیف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا عالم جرح وتعدیل کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کر کے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے اور راوی کے بارے میں یہ رائے خالص اجتہادی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی راوی کے بارے میں علماء کے اقوال میں اختلاف بھی ملتا ہے، ایک کے نزدیک ایک راوی ثقہ ہوتا ہے تو دوسرے کے نزدیک ضعیف، تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے

سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے......

نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو۔ لیکن گیاوی صاحب کے دلائل کا تھیلا چونکہ خالی ہو چکا، اس لیے اب آخری سہارے کے طور پر لکھتے ہیں:

> ''اسماء الرجال کے اندر بھی یزید کی شراب نوشی کی مزید تصریحات موجود ہیں، ان سب کو مسترد اور رد کر دیا جائے تو نہ اسماء الرجال کا کوئی اعتبار باقی رہے گا نہ علم حدیث اور سند کا کوئی بھروسہ رہ جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ دین بازیچہ اطفال ہو کر رہ جائے گا''۔①

یہ وہ مغالطہ ہے جو صرف گیاوی صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے ہم نوا اکثر دیتے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷۔

ہیں، اس کا جواب ہم اوپر دے چکے کہ کسی راوی کی ذات پر فاسق یا شرابی یا زانی وغیرہ کی جرح کا معاملہ اجتہادی نہیں ہوتا بلکہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی راوی پر ''شراب نوشی'' یا ''زنا کاری'' یا ''فسق'' کی کوئی جرح کرے تو اسماء الرجال میں بھی اس کے لیے شرعی شہادت درکار ہے اور شہادت بھی ان کی جو ملزم کے ہم عصر ہوں، ورنہ ایسی جرح کو مسترد کر دیا جاتا ہے، یہ کوئی اجتہادی معاملہ نہیں بلکہ اس کے لیے قطعی ثبوت درکار ہے اور اس کا ثبوت صرف اس طریقے سے ہوگا جو شریعت نے مقرر کیا ہوا ہے۔

زبیر ابن بکار کی ایک غیر مستند روایت اور امام مالک کی طرف منسوب ایک روایت:

آگے گیاوی صاحب نے پھر "الاصابة" کے حوالے سے "محمد بن ابي الجهم بن حذيفة العدوي" کی طرف منسوب ایک روایت نقل کی ہے، جو الاصابة میں ''تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی'' کے حوالے سے درج ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

ذكر الزبير أن محمدا هذا شهد الحرة فقتله مسلم بن عقبة بعد ذلك صبرا، وكان قبل ذلك وفد على يزيد فأجازه، فلما خرج أهل المدينة على يزيد شهد محمد عليه أنه يشرب الخمر وغير ذلك، فقال له مسلم بن عقبة: والله لا تشهد شهادة زور بعدها أبدا، وكذا ذكر يعقوب بن سفيان في تاريخه عن إبراهيم ابن المنذر عن محمد بن الضحاك عن مالك وزاد: وكانت الحرة سنة ثلاث وستين، وقتل يومئذ من حملة القرآن سبعمائة نفس"۔

(ترجمہ از گیاوی صاحب) زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے یہ محمد، واقعہ حرہ میں شریک تھے اور واقعہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے ان کو قید کر کے قتل

کردیا، اس سے پہلے انہوں نے ایک بار یزید سے ملاقات کی تھی اور یزید نے ان کو انعام بھی دیا تھا، لیکن محمد بن ابی الجہم نے یزید کے خلاف گواہی دی تھی کہ وہ شراب پیتا ہے اس کے علاوہ اور غلط باتوں کے بارے میں بھی بتایا تھا، اس پر مسلم بن عقبہ نے کہا: خدا کی قسم اس واقعہ کے بعد جھوٹی گواہی نہ دے گا، اس لئے ان کو قتل کر دیا، اور اسی طرح یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں ابراہیم بن المنذر عن محمد بن ضحاک عن مالک بیان کیا ہے، اور واقعہ حرہ ۶۳ ہجری کو پیش آیا تھا اور اس میں سات سو حاملین قرآن اس دن قتل کئے گئے۔①

اس کے بعد گیاوی صاحب پھر جوش میں آکر لکھتے ہیں:

''اس کے پہلے والی روایت میں ابوعمرو صحابی نے (جو یزید کے پیدا ہونے سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ناقل) واللہ لرأیت یزیدبن معاویہ فرمایا تھا کہ بخدا میں نے یزید کو دیکھا نشہ کی حالت میں نماز چھوڑتے ہوئے، اس روایت میں محمد بن ابی جہم رضی اللہ عنہ نے شہادت دی شراب پینے کی، کیا محمد بن ابی جہم جیسا صحابی جھوٹی اور بے دیکھے گواہی دے گا؟ ان کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم بھی نہ تھا؟ بعد کے لوگ شہادت کے معنی جان گئے، ان صحابی کو اس کا کوئی علم اور پتہ نہ تھا، کیا یہ بات باور کرنے کے لائق ہے، اس روایت کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، آخری راوی امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس پر روایت ختم ہوتی ہے''۔②

①② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷۔۶۸۔

قارئین محترم! گیاوی صاحب خوامخواہ جذباتی ہو رہے ہیں، ان کا کام تھا کہ وہ پہلے اپنا دعوی تو ثابت کرتے کہ جن دو صحابہ کی گواہی کا وہ ذکر کر رہے ہیں ان سے یہ باتیں بسند صحیح و متصل ثابت ہیں، کیا گیاوی صاحب کو علم نہیں کہ ''منقطع السند روایت'' اور ''مجہول الحال'' راویوں کی روایت سے کسی کے خلاف ''شرابی'' ہونے کی شرعی شہادت ثابت نہیں ہوسکتی، وہ پہلے یہ روایات تو اصول حدیث کے معیار پر ''صحیح'' ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ بات آئے گی کہ اس میں جو بات بیان ہوئی ہے وہ شرعی شہادت بن سکتی ہے یا نہیں۔

پھر ہم نے پہلے بطور مثال ایک واقعہ ذکر کیا تھا جس میں ایک صحابی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ''زنا'' کی گواہی دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گواہی رد کردی، اور ان پر حد قذف جاری کی گئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر یہ اپنی غلطی مان کر توبہ کرلیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہو جائیں گے، لیکن وہ اپنی گواہی پر مصر رہے، اب گیاوی صاحب وہاں بھی اسی جوش و جذبہ کے ساتھ فرمائیں کہ سیدنا ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم تھا یا نہیں؟ کیا سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جیسا صحابی جھوٹی گواہی دے گا؟ کیا یہ بات باور کرنے کے لائق ہے؟، اور پھر دوسری طرف یہ فرمائیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم تھا یا نہیں؟ انہوں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف کیوں لگائی؟۔ فماھو جوابکم فھو جوابنا۔

اور مزے کی بات یہ کہ مندرجہ بالا روایت کے بارے میں خود گیاوی صاحب بقلم خود اگلے ہی صفحے پر لکھتے ہیں:

''چونکہ امام مالک کی پیدائش، صحابی رسول جو گواہی دے رہے ہیں محمد بن

ابی الجہم کی شہادت کے بعد ہوئی، لہٰذا دونوں کے درمیان محدثین کے قاعدہ سے انقطاع یا ارسال ماننا ضروری ہے''۔①

گیاوی صاحب کی نئی اصطلاح منقطع السند صحیح روایت؟:

اور اگلی بات نہایت عجیب وغریب لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''پھر اس روایت میں مزید قوت ایک تیسری سند والی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں واقدی جیسا ضعیف راوی پایا جاتا ہے (یہ روایت، گیاوی صاحب آگے پیش کرنے جا رہے ہیں۔ ناقل)، دیگر صحیح منقطع السند روایتیں اس کو قوت پہنچاتی ہیں اس لیے اصول حدیث اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق وہ بھی قوی اور قابل استدلال قرار پائے گی''۔②

یوں جناب گیاوی صاحب نے خود ہی بتا دیا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب جو روایت انہوں نے پیش کی ہے وہ ''منقطع'' ہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی پیدائش ہی ''محمد بن ابی الجہم'' کی وفات کے بعد ہوئی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کا نام نہیں ذکر کیا جس سے انہوں نے یہ بات سنی ہے، اور یہ کوئی نماز روزے یا فقہ کا اجتہادی مسئلہ نہیں بلکہ شراب نوشی کی گواہی کی بات ہے، یہاں ہر چیز کا قطعی الثبوت ہونا ضروری ہے۔

باقی گیاوی صاحب کی اصطلاح ''صحیح منقطع السند روایتیں'' ہمارے لیے نئی ہے، شاید انہوں نے ''صحیح'' کی کوئی نئی قسم ایجاد کی ہے، ورنہ ''منقطع السند'' روایت صحیح کیسے ہوسکتی ہے؟ (جب تک اس کی سند کا انقطاع کسی اور طریق سے دور نہ کیا جائے)۔

①② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ٦٩-٧٠.

رہا گیاوی صاحب کا یہ دھوکہ کہ

''امام مالک کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جس سے بھی روایت کریں وہ ثقہ ہے سوائے عبدالکریم کے''۔

لہٰذا اس روایت کو بھی قبول کیا جائے، یہ صرف دھوکہ ہی ہے، کیونکہ یہ اس صورت کے بارے میں ہے جب امام مالک جس سے روایت کر رہے ہیں اس کا نام بھی لیں، ورنہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ عبدالکریم ہے یا کوئی اور؟ جبکہ ہماری زیر بحث روایت میں یہ بیان ہی نہیں کہ امام مالک نے یہ روایت کس سے لی ہے، فرض کرلیں میں یہ کہوں کہ امام مالک نے یہ روایت عبدالکریم سے لی ہے، تو گیاوی صاحب میری بات کی تردید کر سکتے ہیں؟

نوٹ: محمد بن ابی الجہم کے والد "ابو جهم بن حذيفة" فتح مکہ کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔① اور ان کے بیٹے محمد بن ابی الجہم کے بارے میں صرف یہ ملتا ہے کہ ان کی ولادت عہد نبوی میں ہوئی تھی۔②

اتنی ہی بات گیاوی صاحب کے ممدوح (جن کی کتاب سے گیاوی صاحب نے استفادہ کر کے اپنی کتاب لکھی ہے) سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی ذکر کی ہے۔③ اب آیا انہیں صحبت یا رویت نبوی بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیق درکار ہے۔

---

①الاستیعاب، جلد۴ صفحہ ۱۶۲۴ دار الجیل بیروت۔

②الاستیعاب، جلد۳ صفحہ ۱۳۶۸۔

③دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۹۳۔

سیدنا معقل بن سنان کی طرف منسوب روایت اور گیاوی صاحب کے مغالطے

در مغالطے:

گیاوی صاحب نے اپنے دلائل کی تھیلی جھاڑتے ہوئے ایک بار پھر "واقدی کذاب" کی ایک اور روایت بحوالہ مستدرک حاکم اور طبقات ابن سعد نقل کی ہے، اور نقل کرنے سے پہلے خود اس روایت کو ''واقدی والی ضعیف روایت'' بھی تسلیم کیا ہے، آیئے اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں، ہم یہاں گیاوی صاحب کی طرف سے کیا گیا اس روایت کا اردو ترجمہ ہی نقل کرتے ہیں، اور پھر مذکورہ دونوں کتابوں میں مذکور اس روایت کی سند کا جائزہ لے کر گیاوی صاحب کی تلبیسات پر کچھ عرض کرتے ہیں، گیاوی صاحب اردو میں یوں ترجمہ کرتے ہیں:

> ''معقل بن سنان اشجعی، نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ چکے تھے، فتح مکہ میں اپنی قوم کا جھنڈا لئے ہوئے تھے اور تر و تازہ نوجوان تھے اس کے بعد بھی زندہ تھے یہاں تک کے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے ان کو بھیجا اور وہ مدینہ کا گورنر تھا پھر مسلم بن عقبہ جو مسرف بن عقبہ سے معروف ہے دونوں جمع ہوئے، سیدنا معقل نے مسرف سے کہا: دونوں میں پہلے انس و گفتگو تھی یہاں تک کہ معقل نے یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا تو معقل نے بتایا کہ میں قہراً جبراً اس شخص یعنی یزید کی بیعت کے لئے نکلا لیکن قضاء قدر سے میرا اس کے پاس جانا ہو گیا وہ تو ایسا آدمی ہے کہ شراب پیتا ہے محرمات سے زنا کرتا ہے پھر وہی باتیں کہیں جو یزید کی عادت میں تھیں الخ''①

تو یہ ہے وہ روایت جس میں یزید کو ''شرابی'' اور ''زانی'' بتایا گیا ہے، آیئے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۰۔۷۱۔

اب اس کی سند کا جائزہ لیتے ہیں، طبقات ابن سعد میں اس کی سند یوں ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ زِيَادٍ الأَشْجَعِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ - ﷺ... الخ"

اور مستدرک میں امام حاکم نے اپنی سند یوں بیان کی ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَصْبَهَانِيُّ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْجَهْمِ، ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَرَجِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانِ بْنِ مُظَهِّرِ بْنِ عَرَكِيِّ بْنِ فَتَيَانَ بْنِ سُبَيْعِ بْنِ بَكْرِ بْنِ أَشْجَعَ شَهِدَ الْفَتْحَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ زِيَادٍ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ... الخ"

ان دونوں سندوں پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ دونوں سندوں میں ''محمد بن عمر واقدی'' کذاب و وضاع موجود ہے، جس کا مفصل تعارف ہم شروع میں کروا چکے، خود گیاوی صاحب بھی مجبوراً اسے ''ضعیف'' تسلیم کرتے ہیں، لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں بار بار اس سے دلیل پکڑتے ہیں، اگرچہ حقیقت میں وہ کوئی معمولی ضعیف نہیں بلکہ "کذاب" اور "وضاع" ہے لہٰذا روایت کے جھوٹا اور باطل ہونے کے لیے اس کا سند میں ہونا ہی کافی ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد کی سند میں ''محمد بن عمر واقدی'' جس سے روایت کر رہا ہے اس کا نام ''عبدالرحمن بن عثمان بن زیاد'' لکھا ہے، اور چونکہ ''عبدالرحمن'' اپنے والد سے روایت کر رہا ہے تو آخری راوی کا نام ہوا ''عثمان بن زیاد''۔

۳۔ جبکہ مستدرک حاکم کی سند میں ''محمد بن عمر واقدی'' جس سے روایت کر رہا ہے اس کا نام لکھا ہے ''ابو عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد'' اور آخری راوی اس سند میں بھی ہے ''عثمان بن زیاد''۔

۴۔ نیز امام حاکم کی سند میں ''محمد بن عمر واقدی'' سے روایت کرنے والے کا نام ہے ''حسین بن فرج'' اور اس سے روایت کرنے کا نام ہے "**حسن بن جهم**" اور اس سے روایت کرنے والے کا نام ہے "**ابو عبدالله الاصبهانی**" اور اس سے امام حاکم نے روایت کی ہے۔

اب گیاوی صاحب کی کاریگری ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم دونوں کتابوں میں مرور ایام اور طباعت کی غلطی کی وجہ سے راویوں کے نام غلط لکھے گئے ہیں، ان کے مطابق واقدی جس سے روایت کر رہا ہے اس کا صحیح نام ''عبد الرحمن بن زیاد بن عثمان'' ہے جو طبقات ابن سعد میں غلطی سے ''عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد'' لکھا گیا اور مستدرک میں غلطی سے ''ابو عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد'' لکھا گیا۔ اس کے بعد گیاوی صاحب شروع ہو گئے ہیں ''عبد الرحمن بن زیاد'' اور ''زیاد بن عثمان'' کی توثیق ثابت کرنے میں، لیکن راویوں کے نام تبدیل کر کے بھی ان کی بات نہ بن سکی، پہلے تو کسی ''عبد الرحمن بن زیاد'' نامی راوی کے بارے میں لکھا کہ اس کا ذکر فلاں فلاں کتاب میں ہے، اور یہ قباث بن اشیم صحابی سے روایت کرتے ہیں، اور حوالہ دیا ہے ابن حبان کی "**الثقات**"، ابن ابی حاتم کی "**الجرح والتعديل**" اور امام بخاری کی "**التاريخ الكبير**" اور علامہ قطلو بغا السودونی کی "**الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة**" کا، جب کہ ان میں سے کسی جگہ بھی یہ بیان نہیں کہ یہ ''عبد الرحمن بن زیاد'' وہی ہیں جو اپنے والد ''زیاد بن عثمان'' سے بھی روایت کرتے ہیں، اور نہ

ہی ان میں سے کسی کتاب میں ان کے دادا کا نام یعنی ''عثمان'' ساتھ لکھا ہے، گیاوی صاحب نے بس ''عبدالرحمن بن زیاد'' لکھا دیکھا اور جھٹ سے حوالے جڑ دیے اور یہ مغالطہ دینے لگے کہ یہ اس ''عبدالرحمن بن زیاد'' سے مراد وہی راوی ہے جو اپنے والد ''زیاد بن عثمان'' سے روایت کرتا ہے، تاہم یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جو روایت وہ پیش کر رہے ہیں اس میں سرے سے ''عبدالرحمن بن زیاد'' نام کا کوئی راوی ہے ہی نہیں، نہ طبقات ابن سعد میں اور نہ ہی مستدرک حاکم میں، اور گیاوی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں غلطی سے نام تبدیل ہو گئے ہیں، یہ ان کا خیال ہے جو یقینی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پھر گیاوی صاحب ''زیاد بن عثمان'' کا تعارف کرواتے ہوئے خود ہی امام ابن ابی حاتم اور علامہ ذہبی کے حوالے سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ''یہ مجہول ہے''۔

نوٹ: ابن ابی حاتم نے اپنے والد امام ابو حاتم رازی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"ھو مجھول" یہ مجہول ہے۔①

اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

"مجھول۔ عدادہ في التابعین۔ لا یعرف"②

یہ مجہول ہے، تابعین میں شمار کیا گیا ہے لیکن غیر معروف ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے:

"مجھول" یہ مجہول ہے۔③

اور ان کتب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس کی روایت صرف ''عباد بن زیاد''

---

①الجرح والتعدیل، ج۳ص ۵۳۹ طبع حیدرآباد دکن۔

②میزان الاعتدال، ج۲ ص ۹۲ دار المعرفۃ بیروت۔

③لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غدۃ، ج۳ ص ۵۳۵ طبع دار البشائر۔

سے ہی ملتی ہے۔

لیکن گیاوی صاحب کا اصرار ہے کہ اگرچہ یہ مجہول ہے، لیکن چونکہ ابن حبان نے اس کا نام اپنی کتاب "الثقات" میں لکھا ہے، نیز علامہ قطلو بغا السودونی نے اس کا نام اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لہٰذا اسے ثقہ ہی تسلیم کیا جائے، اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کا تعارف کیا ہے؟ ابوحاتم رازی (متوفی ۲۷۷ ہجری) نے بھی اسے "مجھول" ہی کہا ہے، تو اب گیاوی صاحب اس کی ''جہالت'' دور کرنے کی دلیل یوں دیتے ہیں کہ:

''زیاد بن عثمان سے روایت کرنے والے دو ہیں، ایک تو ان کے بیٹے عبدالرحمن بن زیاد ہیں اور دوسرے حجاج بن حجاج الاسلمی ہیں، اور اصول حدیث کا قاعدہ معلوم ہے کہ جس سے دو شخص روایت کرتے ہیں وہ مجہول نہیں کہا جا سکتا ہے (یعنی جن ائمہ فن نے اسے مجہول کہا ہے ان کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ ناقل) اس لئے عبدالرحمن بن زیاد کو بھی مجہول نہیں کہا جا سکتا ان سے محمد بن عمر واقدی اور یونس بن سیف روایت کرتے ہیں، غرض اس روایت میں واقدی کے سوا کوئی بھی نہ مجہول اور نہ غیر ثقہ یا ضعیف ہے''۔①

یہاں گیاوی صاحب نے سراسر مغالطہ دیا ہے، ''زیاد بن عثمان'' نامی راوی کے بارے میں جن کتب کے حوالے خود گیاوی صاحب نے اسی صفحے پر دیے ہیں ان میں سے کسی ایک جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ ''اس سے اس کا بیٹا عبدالرحمن بھی روایت کرتا ہے'' بلکہ یہ تک ذکر نہیں کہ یہ ''زیاد بن عثمان'' واقعی وہی ہے جس کے بیٹے کا نام ''عبدالرحمن'' ہے یا کوئی اور ہے؟ لہٰذا یہ گیاوی صاحب کا اپنا مفروضہ ہے کہ ''زیاد

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۲.

بن عثمان'' سے روایت کرنے والوں میں اس کا بیٹا ''عبدالرحمن بن زیاد'' بھی ہے، لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ''زیاد بن عثمان'' کی جہالت دور نہیں ہوسکتی، وہ مجہول راوی ہی ہے جیسے ائمہ فن نے تصریح کی ہے۔

الغرض! اس روایت کی سند میں صرف "واقدی کذاب" کا ہونا ہی اسے باطل اور مردود روایت ثابت کرنے کے لیے کافی تھا، نیز اگرچہ دونوں کتابوں کی سند میں نہ ہی ''عبدالرحمن بن زیاد'' نامی کوئی راوی ہے اور نہ ہی ''زیاد بن عثمان'' نامی کوئی راوی ہے لہٰذا ہم نے گزشتہ ساری تفصیل صرف گیاوی صاحب کے مغالطوں کو ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے ورنہ ہمیں ''عبدالرحمن بن زیاد'' اور ''زیاد بن عثمان'' نام کے راویوں پر بات کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔

آخر میں مستدرک حاکم کی روایت کی سند میں موجود ایک اور راوی ''الحسین بن الفرج'' کے بارے میں بھی جان لیں:

امام یحییٰ بن معین نے اسے "کذاب" اور ''نشہ کرنے والا'' (صاحب سکر) کہا ہے، ابوزرعہ نے اسے "لاشيء" (کچھ بھی نہیں) کہا۔①

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بفرض محال اس روایت کو ایک لمحے کے لیے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس میں ایسے کوئی الفاظ نہیں کہ سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو کہ ''میں نے یزید کو شراب پیتے اور زنا کرتے دیکھا ہے''، جبکہ ہم بار بار یہ بات عرض کرچکے ہیں کہ شریعت میں شراب نوشی اور زنا کی شہادت کے اصول و ضابطے معروف ہیں، اور یہ شہادت بھی ان ضابطوں کے مطابق نہیں بن سکتی، یہ بات گیاوی صاحب کے دماغ میں بھی تھی اس لیے انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر یہ لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: الجرح والتعدیل، ج ۳ ص ۶۲ طبع حیدرآباد دکن۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اصابہ کے اندر ج ۲ ص ۶۴۴ پر معقل بن سنان صحابی رضی اللہ عنہ سے بحوالہ واقدی یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

"انی قدمت علی هذا الرجل فوجدته یشرب الخمر وینکح الحرام... میں اس شخص کے پاس آیا تو اسے شراب پیتے ہوئے پایا اور حرام نکاح کرتے ہوئے''۔

اور پھر آگے خود ہی تشریح کرتے ہیں کہ:

''اس جگہ وجدتہ کے معنیٰ رأیتہ کے ہیں''۔①

دراصل گیاوی صاحب یہ اس لیے لکھ رہے ہیں تاکہ وہ اسے ''عینی شہادت'' ثابت کرسکیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ الفاظ جو نقل کیے ہیں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟؟ طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں تو نہیں، لہٰذا جب تک وہ مصدر نہیں مل جاتا جس میں یہ الفاظ ہیں اس وقت تک گیاوی صاحب کی یہ دلیل بھی قابل غور نہیں، کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مکمل سند بیان ہی نہیں کی اور نہ یہ بتایا ہے کہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت کہاں سے لی ہے۔

بہرحال جب یہ روایت ہے ہی سرے سے مردود اور باطل تو اس پر مزید وقت ضائع کرنا بھی بے فائدہ ہے، ہاں اگر گیاوی صاحب ''واقدی'' کی گواہی پر کسی کو شرابی اور زانی ثابت کرنے پر ہی بضد ہیں اور اسے عدل و انصاف سمجھتے ہیں تو ان کی مرضی۔

تاریخ ابن عساکر کی ایک روایت پر ایک نظر:

سیدنا معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک اور روایت بھی **"تاریخ مدینة دمشق"** المعروف بہ **"تاریخ ابن عساکر"** کے حوالے سے آج کل نقل کی جاتی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۳.

ہے، جس کا حوالہ اگرچہ مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب نے نہیں دیا لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے، وہ روایت مع مکمل سند یہ ہے:

"أخبرنا أبو غالب الماوردي أنا أبو الحسين بن الطيوري أنا أبو الحسن محمد بن عبد الواحد بن محمد بن جعفر أنا أبو بكر أحمد بن الحسن بن إبراهيم بن شاذان أنا أبو بكر أحمد بن محمد بن شيبة بن أبي شيبة البزاز أنا أبو جعفر أحمد بن الحارث الخراز نا أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن عوانة وأبي زكريا العجلاني عن عكرمة بن خالد أن مسلما لما دعا الناس إلى البيعة قال ليت شعري ما فعل معقل بن سنان الأشجعي وكان له مصافيا فخرج ناس من أشجع يطلبونه فأصابوه في قصر العرصة ويقال أصابوه في جبل أحد فقالوا له الأمير يسأل عنك فارجع إليه قال أنا أعلم به منكم إنه قاتلي قالوا كلا فأقبل معهم فقال له مسلم مرحبا بأبي محمد ويقال قال له أبا عبد الرحمن وبها كان يكنى أظنك ظمآنا وأظن هؤلاء قد أتعبوك قال أجل قال شوبوا له عسلا بثلج من العسل الذي حملتموه لنا من حوارين ويقال قال خوضوا له سويق اللوز بالثلج ففعلوا وسقوه فقال سقاك الله أيها الأمير من شراب الجنة قال لا جرم والله لا تشرب بعدها لا أم لك شرابا حتى تشرب من حميم جهنم قال أنشدك الله والرحم قال ألست القائل ليلة لقيتك بطبرية وأنت منصرف من عند أمير المؤمنين وقد أحسن جائزتك سرنا شهرا وحسرنا ظهرا ورجعنا صفرا نرجع إلى المدينة فنخلع الفاسق شارب الخمر ونبايع رجلا من المهاجرين أو أبناء المهاجرين ياتيس أشجع فيم

غطفان وأشجع من الخلع والتأمير إني والله عاهدت الله لا ألقاك في حرب أقدر فيها على قتلك إلا قتلتك وأمر به فقتل... "①

خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ: ''عکرمہ بن خالد'' نامی راوی کا بیان ہے کہ جب مسلم (بن عقبہ) نے مدینہ والوں کو (یزید) کی بیعت کی طرف بلایا (غالباً واقعہ حرہ کے دوران یا اس کے بعد) تو اس نے ''معقل بن سنان اشجعی'' کے بارے میں کہا کہ: کاش معقل نے ایسا نہ کیا ہوتا، پس اشجع قبیلہ کے لوگ ان (یعنی معقل بن سنان اشجعی) کی تلاش میں نکلے، تو انہیں قصر العرصہ نامی جگہ میں پایا (یہ مدینہ کے نواح میں ایک مقام ہے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں جبل احد میں پایا، تو ان لوگوں نے معقل سے کہا: امیر (یعنی مسلم بن عقبہ) آپ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو ان کے پاس لوٹ چلیں، معقل نے کہا: میں اسے تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں، وہ مجھے قتل کر دے گا، ان لوگوں نے کہا کہ: نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا، تو معقل ان کے ساتھ آ گئے، پس مسلم (بن عقبہ) نے ان سے کہا: خوش آمدید ''ابو محمد''، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے انہیں ''ابوعبدالرحمن'' کے ساتھ مخاطب کیا جو کہ ان کی کنیت تھی، اور کہا: میرا خیال ہے آپ پیاسے ہیں اور ان لوگوں نے آپ کو تھکا دیا ہے، تو (معقل نے) کہا: ہاں ایسی ہی بات ہے، تو (مسلم بن عقبہ) نے کہا کہ ان کے لیے وہ شہد برف ڈال کر لاؤ جو تم حوارین (ایک مقام کا نام) سے اپنے ساتھ لائے ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ ان کے لیے بادام کا

① تاریخ ابن عساکر، ج ۵۹ ص ۳۶۴-۳۶۵ دار الفکر بیروت.

ٹھنڈا مشروب تیار کرو اور انہیں پلاؤ، چنانچہ انہیں پلایا گیا، تو انہوں نے کہا: اے امیر! اللہ آپ کو جنت کا مشروب پلائے، تو جواب میں اس نے (یعنی مسلم بن عقبہ) نے کہا: وہ تو ضرور ہوگا، لیکن آپ اس کے بعد جہنم کے کھولتے پانی کے سوا کچھ نہیں پئیں گے، تو (معقل نے کہ): میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں رحم کریں، تو (مسلم) نے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں جس رات ہم طبریہ میں ملے تھے، اور آپ امیر المؤمنین (یعنی یزید) کے پاس سے ہو کر آرہے تھے جس نے آپ کو اچھا انعام واکرام دیا تھا، اور آپ نے اس وقت کہا تھا کہ: ہم نے مہینے کا سفر کیا، اور (سواری) کی پیٹھ تھکا دی، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا، پس ہم اس فاسق اور شرابی کی بیعت توڑ دیں گے اور مہاجرین یا مہاجرین کی اولاد میں سے کسی شخص کی بیعت کریں گے۔ اور پھر مسلم نے کہا کہ: میں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر آپ مجھے کسی جنگ میں ملے اور مجھے آپ کے قتل پر قدرت حاصل ہوئی تو میں آپ کو قتل کر دوں گا، پس اس کے حکم سے انہیں قتل کر دیا گیا۔''

اس روایت کو بھی یزید کے ''شراب نوش'' اور ''فاسق'' ہونے کی شہادت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ہم اس پر بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ اس روایت میں جس طرح یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو یہ واقعہ بیان کر رہا ہے وہ خود وہاں موجود نہ تھا بلکہ اس نے کسی اور سے یہ سنا ہے، ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ:

''قبیلہ والوں نے انھیں قصر العرصہ نامی جگہ میں پایا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں جبل احد میں پایا''۔

اور وہ یوں نہ کہتا کہ:

''مسلم بن عقبہ نے سیدنا معقل بن سنان کو ابو محمد کہہ کر مخاطب کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو عبدالرحمن کہہ کر مخاطب کیا''۔

پھر وہ یہ بھی نہ کہتا کہ مسلم بن عقبہ نے:

''شہد کا ٹھنڈا مشروب پلانے کا کہا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادام کا مشروب پلانے کا کہا''۔

اس طرزِ بیان سے صاف اور واضح ہوگیا کہ اگر یہ بات اس روایت کے مطابق ''عکرمہ بن خالد'' نامی راوی ہی بیان کر رہا ہے تو وہ اس واقعہ کے وقت مسلم بن عقبہ اور سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ ''یہ بھی کہا گیا ہے کہ......'' لہٰذا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ''عکرمہ بن خالد'' نے یہ واقعہ کس سے سنا ہے اور یہ باتیں کس نے کہیں؟۔ یاد رہے! اسے راوی کا وہم بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ یوں نہیں بیان کر رہا کہ ''مجھے بھول گیا کہ لوگوں نے معقل بن سنان کو قصر العرصۃ میں پایا یا جبل احد میں، اور مجھے یاد نہیں رہا کہ مسلم بن عقبہ نے سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کو ابو محمد کی کنیت سے مخاطب کیا یا ابو عبدالرحمن کی کنیت سے، اور مجھے یاد نہیں آ رہا کہ انہیں شہد کا مشروب پلانے کا کہا یا بادام کا''، بلکہ "ويُقال" کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ''یہ بھی کہا گیا ہے''، کہنے والا کون ہے؟ کوئی علم نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ''عکرمہ بن خالد'' نامی بھی دو آدمی ہیں اور دونوں کا زمانہ بھی تقریباً ایک ہی ہے، قاضی ابویعلی بغدادی حنبلی (متوفی ۵۸۰ ہجری) نے لکھا ہے:

"عكرمة بن خالد، اثنان مخزوميان أحدهما مكي وهو: عكرمة بن خالد بن سعيد بن العاص بن هشام... والآخر مدني وهو: عكرمة بن خالد بن

سلمة..."①

''عکرمہ بن خالد نام کے دو راوی ہیں اور دونوں مخزومی ہیں، ان میں سے ایک مکہ کے رہنے والے ہیں، ان کا نام عکرمۃ بن خالد بن سعید بن العاص بن ہشام ہے...... اور دوسرے مدینہ کے رہنے والے ہیں، ان کا نام عکرمۃ بن خالد بن سلمۃ ہے''۔

اب یہاں تاریخ ابن عساکر کی روایت میں آخری راوی صرف ''عکرمہ بن خالد'' مذکور ہے، اس کے بعد دادا یا پردادا کا نام نہیں لکھا تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقعہ چونکہ مدینہ کا ہے اس لیے یہ ''عکرمہ بن خالد بن سلمۃ مدنی'' ہے (اگرچہ واقعہ اس کا بھی چشم دید نہیں ہے بلکہ اس نے بھی کسی سے سنا ہے جیسا کہ واقعہ کے انداز بیان سے ظاہر ہے)، اور ''عکرمہ بن خالد بن سلمۃ'' کے بارے میں علماء جرح وتعدیل کا کہنا کچھ یوں ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے "منکر الحدیث" کہا۔②

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا۔③

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی "منکر الحدیث" کہا۔④

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا۔⑤

تیسری بات یہ کہ تاریخ ابن عساکر کی مندرجہ بالا روایت میں ''عکرمۃ بن

---

①تجريد الأسماء والكنى المذكورة في كتاب المتفق والمفترق للخطيب البغدادي، جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ طبع مركز النعمان، اليمن.

②التاريخ الكبير، ج۷، ص ۴۹ طبع حيدر آباد دكن / الضعفاء الصغير للبخاري، ص ۱۱۱ طبع حيدر آباد دكن.

③الضعفاء والمتروكون للنسائي، ص ۸۲ طبع در الوعي حلب.

④الجرح والتعديل، ج۷ ص ۹ طبع حيدر آباد دكن.

⑤تاريخ الاسلام، ج۳ ص ۲۸۲ طبع دار الوعي الاسلامي.

خالد'' سے روایت کرنے والے دو راوی مذکور ہیں، ایک "عوانة" اور دوسرے ''ابوزکریا العجلانی''، جبکہ اسی سند کے ساتھ یہی روایت (الفاظ کے فرق کے ساتھ) اسی تاریخ ابن عساکر جلد ۵۴ صفحہ ۱۸۱ پر بھی ہے، لیکن وہاں سند یوں ہے:

"عن أبي زكريا العجلاني عن عكرمة بن خالد وعوانة... الخ"

یعنی اکیلے "ابوزکریا العجلانی نے" "عکرمة بن خالد اور" "عوانه" دونوں سے روایت کیا ہے، اب کون سی سند درست ہے؟ واللہ اعلم۔

چوتھی بات یہ کہ "ابوزکریا العجلاني" مجہول راوی ہے اور اس کا تعارف یا توثیق وتعدیل ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں ملی، بلکہ ایک معاصر عالم شیخ أکرم بن محمد زیادة الفالوجي الأثري، جنہوں نے ان راویوں کی معجم ترتیب دی ہے جن سے ابن جریر طبری نے روایت کی ہے انہوں نے بھی "ابوزکریا العجلانی" کے بارے میں لکھا ہے:

"لم أعرفه، ولم أجد له ترجمة'' ①

''میں اسے نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے اس کا تعارف کہیں ملا ہے''۔

نیز اس روایت کی سند میں ایک راوی "عوانة"ہے، اگر اس سے مراد "عوانه بن الحکم"ہے تو اس کی توثیق بھی کہیں نہیں ملتی، امام ذہبی نے بھی اتنا لکھا ہے:

"أخباريٌ مشهور عراقيٌ ...... وَقَلَّ أَنْ رَوَى حديثًا مسندًا، ولهذا لم يُذكر بجرح ولا تعديل، والظاهر أَنَّهُ صدوق" ۔②

''تاریخی روایات بیان کرنے والا مشہور عراقی ہے، بہت کم روایتیں سند

---

① المعجم الصغير لرواة الامام ابن جرير الطبري، جلد ۲ صفحه ۷۰۴ طبع دار ابن عفان، القاهرة

② تاريخ الاسلام للذهبي، جلد ۴، صفحه ۷۴ ا طبع دار الغرب الاسلامي

کے ساتھ بیان کرتا ہے اسی لئے نہ اس پر کوئی جرح ملتی ہے اور نہ اس کی تعدیل ملتی ہے، ظاہری طور پر لگتا ہے کہ یہ صدوق ہے''۔

حافظ ابن حجر اسی "عوانة بن الحکم" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"كان أبوه عبدا خياطا وأمه أمة وهو كثير الرواية عن التابعين قل أن روى حديثا مسندا وأكثر المدائني عنه"۔①

اس کا باپ ایک غلام تھا جو کہ درزی تھا اور اس کی ماں ایک باندی تھی، وہ تابعین سے بہت سی باتیں روایت کرتا ہے لیکن بہت کم ایسا ہے کہ اس نے کوئی بات مسند بیان کی ہو، مدائنی نے اس سے بہت زیادہ روایات لی ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ "عوانہ بن الحکم" کی تعدیل و توثیق کہیں نہیں ملتی نیز اس کی اکثر روایات غیر مسند ہی ہوتی ہیں۔

پانچویں بات یہ کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور پھر ٹھنڈا شربت پلایا، اور جب انہیں یہ کہا کہ میں آپ کو قتل کرنے لگا ہوں، تو انہوں نے مسلم بن عقبہ کو اللہ کا واسطہ دے کر رحم کرنے کی درخواست کی، یہ بات ہضم ہونے والی نہیں، کیونکہ اگر واقعی سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جو فیصلہ انہوں نے کیا وہ بالکل درست تھا تو انہیں رحم کی اپیل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اس روایت کے ان الفاظ سے ایک صحابی کی ذات پر حرف آتا ہے کہ جب انہوں نے موت سامنے دیکھی تو رحم کی درخواست کرنے لگے اور مسلم بن عقبہ کو ''امیر'' کہہ کر بلانے لگے، اور یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اگر مسلم بن عقبہ نے انہیں قتل ہی کرنا تھا تو پھر ان کی تواضع ٹھنڈے

①لسان الميزان بتحقيق شيخ ابي غدة، ج ٦ ص ٢٤٧ طبع دار البشائر الاسلامية.

مشروبات سے کیوں کی؟۔

چھٹی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرض کرلیا جائے کہ یہ روایت سنداً و متناً دونوں حیثیتوں سے صحیح اور متصل ہے تو بھی اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات کی دلیل ہو کہ سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے یوں گواہی دی کہ ''میں نے یزید کو شراب پیتے دیکھا اور اسے فلاں فسق والا کام کرتے دیکھا ہے''، بلکہ یہاں صرف اتنا مذکور ہے کہ مسلم بن عقبہ نے معقل بن سنان رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ آپ کو یاد ہے جب ہم فلاں جگہ پر ملے تھے تو آپ نے کہا تھا کہ ہم مدینہ جاکر اس فاسق اور شرابی کی بیعت توڑ کر مہاجرین یا ان کے بیٹوں میں سے کسی کی بیعت کریں گے، لہٰذا فرض کریں اگر سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا بھی ہو تو ان کا یہ کہنا شرعی طور پر ایسی شہادت نہیں قرار دی جاسکتی جس کی بنیاد پر کسی پر شرابی یا فاسق کا الزام ثابت کیا جائے۔

گیاوی صاحب کی تعلّی:

گیاوی صاحب نے اس کے بعد عنوان باندھا ہے:

''مذکورہ بالا تاریخی دستاویزوں کی روشنی میں فسق یزید آشکارا، مگر مولانا اعظمی رحمہ اللہ کا غیر معقول موقف''

اور پھر لکھتے ہیں:

''اگر بے ادبی معاف ہو تو اس جگہ عرض کردوں کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی اور قاضی ابوبکر ابن عربی اور امام غزالی رحمہ اللہ کو دکھا دیجئے کہ سیدنا عمرو بن حفص صحابی (ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ۔ ناقل) اور سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ دو گواہ چشم دید شہادت یزید کے شراب پینے کی دے رہے ہیں،

اب آپ حضرات صحابہ کو جھٹلا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں''۔①

اس پر ہم بھی گیاوی صاحب سے دست بستہ عرض کرتے ہیں، اگر جسارت معاف ہو تو آپ جو سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کی گواہی کا ذکر کر رہے ہیں اس کا دار مدار ''محمد بن عمر واقدی'' جیسے ''کذاب''، ''وضاع''، ''بالاتفاق متروک'' اور ''بالاجماع ضعیف'' شخص پر ہے، اسی طرح آپ نے جو ''ابو عمرو بن حفص بن مغیرۃ صحابی'' کا نام لیا ہے، یہ صحابی تو یزید کے پیدا ہونے سے کئی سال پہلے فوت ہو چکے تھے، یہ بات انہی کتابوں میں لکھی ہے جن کے حوالے سے آپ نے ان کا صحابی ہونا بتایا ہے، نیز یہ کہ آپ کی اس گواہی کا دار و مدار "یحییٰ بن فلیح" ایک مجہول الحال راوی پر ہے، اس کے والد "فُلَيحُ بنُ سُلَيمَانَ بنِ أَبِي المُغِيرَةِ بنِ حُنَينٍ الخُزَاعِيُّ وَيُقَالُ الأَسلَمِيُّ" کی پیدائش ہی طبقہ صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے، جیسا کہ امام ذہبی کے حوالے سے گذر چکا کہ:

"وُلِدَ فِي آخِرِ أَيَّامِ الصَّحَابَةِ، وَهُوَ أَسَنُّ مِنْ مَالِكٍ بِقَلِيلٍ"

ان کی ولادت صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے اور یہ (امام) مالک سے قدرے عمر میں بڑے ہیں، تو "یحییٰ بن فلیح" نے صحابہ کا زمانہ کیسے پایا ہوگا؟، لہٰذا گستاخی معاف! قاضی ابوبکر بن العربی، امام غزالی اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی (رحمۃ اللہ علیہم) کو یہ ''چشم دید'' شہادتیں دکھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں کہ آپ کی گواہی کی بنیاد واقدی جیسے کذاب و وضاع اور یحییٰ بن فلیح جیسے مجہول راوی پر ہے۔ نیز آپ یہ بھی بتانا چاہ رہے ہیں کہ آپ کے ایک عینی گواہ ایسے صحابی بھی ہیں جو یزید کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، غور فرمالیں کیا آپ اس کے لیے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۷.

اپنا علم اور اپنا زورِ قلم استعمال کر رہے ہیں؟، کیا آپ ''واقدی'' و "ابن فلیح" جیسے گواہوں کی بات کو دلیل بناتے ہوئے مولانا اعظمی رحمہ اللہ پر یہ تعریض کر رہے ہیں کہ:

''مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کی اس تحریر کا کیا معنی ہے: نیز یہ کہ یزید جمہور اہل سنت کی تصریح کے بموجب مسلمان تھا، اور کسی مسلمان کو فسق و فجور کے ساتھ متصف ماننے اور ثابت کرنے کے لئے شرعی اصول سے ضروری ہے کہ اس کے فسق و فجور کی چشم دید شہادتیں موجود ہوں''۔①

ہمیں حیرت ہے کہ گیاوی صاحب کو مولانا اعظمی رحمہ اللہ کی اس سادہ سی بات کا معنی ابھی تک سمجھ نہیں آیا، اگر نہیں آیا تو ہم مزید سمجھا دیتے ہیں کہ نہ صرف چشم دید شہادتیں درکار ہیں بلکہ وہ شہادتیں دینے والے ''عادل'' بھی ہوں، اب گیاوی صاحب ''واقدی''، "ابو مخنف"، "محمد بن زکریا الغلابی" اور "ابن فلیح" جیسوں کی روایات کی بنیاد پر اپنی شہادتیں پیش کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں لیکن پہلے ان سب کو ''عادل'' ثابت کریں...... امید ہے اب آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی ہوگی۔

دراصل گیاوی صاحب کو غصہ اس بات کا ہے کہ مولانا اعظمی رحمہ اللہ نے امام غزالی رحمہ اللہ کے شاگرد، اور قاضی عیاض رحمہ اللہ کے استاذ، حافظ حدیث و مفسر قرآن قاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۳ ہجری) کی کتاب "العواصم من القواصم" سے یہ الفاظ نقل کیے تھے کہ:

"فإن قيل۔ كان يزيد خمارًا۔ قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه..."

"اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہیں گے کہ دو عینی شاہدوں کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۷.

شہادت کے بغیر ایسا کہنا جائز نہیں، پس بتاؤ کہ کس نے اس کے خلاف چشم دید گواہی دی ہے؟''

اس پر گیاوی صاحب نے قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کو بھی کوسنا شروع کر دیا، اور یہاں تک ان پر تعریض کر دی کہ:

''باقی رہی بات قاضی ابوبکر عربی کی ان کے سامنے تو دو عینی شاہد سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو (درست ''ابوعمرو'' ہے۔ ناقل) بن حفص رضی اللہ عنہ پیش کر دیئے البتہ ان کو یہ ضرور یاددہانی کرا دینے کی ضرورت ہے کہ وہ مالکی ہیں اور گذر چکا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب اور اہل مدینہ کا مسلک شراب کے معاملہ میں عینی شاہد کا تقاضا کرنا خود ان کے مسلک کے خلاف ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا''۔①

ملاحظہ فرمائیں! گیاوی صاحب کے نزدیک وہی مرغ کی ایک ہی ٹانگ ہے، بار بار عینی شاہدوں اور چشم دید گواہوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن جن روایات کی بنیاد پر یہ دعوی کرتے ہیں انھیں خود وہ غیر ثابت اور غیر مستند بھی مانتے ہیں، یا گیاوی صاحب بتائیں کہ کیا چودہ سو سال بعد ان کے سامنے ان دو صحابہ نے اپنی چشم دید شہادت قلم بند کروائی ہے؟ اگر نہیں اور یقینا نہیں تو پھر آپ کے اس دعوے کی بنیاد وہ راوی ہوئے ناں جن کے واسطے سے آپ تک یہ بات پہنچی؟ تو آپ کو پہلے ان راویوں کو 'عادل' ثابت کرنا ہے، اور پھر سند کو بھی متصل ثابت کرنا ہے اس کے بعد آپ ان صحابہ کی طرف اس گواہی کی قطعی نسبت کرنے کے مجاز ہوں گے۔ پھر آپ کو خود مالکی مسلک سمجھنے میں غلطی لگی، ذرا فقہ مالکی کی کتب کا مطالعہ فرمالیں، آپ کو کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۸.

''امام مالک کے نزدیک کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے عینی شاہد کی ضرورت نہیں''، بلکہ ان کے مسلک میں یہ لکھا ہے کہ

''اگر دو عادل عینی شاہد یہ گواہی بھی دے دیں کہ ہم نے فلاں شخص کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے''۔

تو اس گواہی کی بنیاد پر بھی اس پر حد جاری ہوگی۔ (ہم نے ابن رشد مالکی کی کتاب کا حوالہ پہلے نقل کر دیا ہے)، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ''صرف مہک سونگھنے'' کے عینی شاہد بھی ہوں تو اس سے حد واجب نہیں ہوگی، بلکہ گواہ ایسے ہونے چاہئیں جو یہ گواہی دیں کہ ''ہم نے اس شخص کو شراب پیتے دیکھا ہے''، اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ گیاوی صاحب نے کوئی ایک گواہ ایسا ابھی تک نہیں پیش کیا جس نے یہ کہا ہو کہ ''میں نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی'' کہ ان کو امام مالک کے مسلک کا بار بار ذکر کرنا کوئی مفید ہو۔

اب ہم گیاوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ آپ فرمائیں! امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق جن کے آپ فقہ میں مقلد بھی ہیں، کسی پر شراب نوشی کا الزام ثابت کرنے کے لیے کم از کم ایسے دو عدد عادل چشم دید گواہ ہونا ضروری ہیں یا نہیں جو یہ گواہی دیں کہ ہم نے خود فلاں شخص کو شراب پیتے دیکھا ہے؟؟۔ بینوا توجروا۔

گیاوی صاحب کا غصہ اس پر بس نہ ہوا تو قاضی ابوبکر ابن العربی کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''اب یہ بھی سن لیجئے کہ ابن عربی (درست ابن العربی ہے ناقل) اپنی

اوقات سے زیادہ بڑھ کر لکھنے بولنے کے لئے جانے جاتے ہیں''۔①

اس پر ہم کیا کہیں؟ صرف اتنا عرض ہے کہ گیاوی صاحب اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں، رائے کا اختلاف الگ چیز ہے لیکن پانچویں چھٹی صدی ہجری میں گذرے امت مسلمہ کے ایک جانے مانے حافظ الحدیث و مفسر قرآن، امام غزالی کے شاگرد اور قاضی عیاض مالکی استاد کے بارے میں یہ طرز تخاطب درست نہیں، پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ گیاوی صاحب پاکستان کے ایک صاحب اور چودھویں صدی کے عالم ''سید لعل شاہ بخاری'' کی ایک متنازعہ کتاب ''استخلاف یزید'' کے حوالے سے قاضی ابوبکر ابن العربی کے استدلال کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ کسی کی رائے سے دلائل کے ساتھ اختلاف کوئی معیوب بات نہیں، لیکن حفظ مراتب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نوٹ: جن ''سید لعل شاہ بخاری'' صاحب کا تذکرہ گیاوی صاحب نے کیا ہے، انہوں نے تو ''صحیح بخاری'' کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سیدنا ام حرام رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے کہ

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندری سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا اس نے اپنے لیے (رحمت و مغفرت اور جنت) واجب کر لی......
اور میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے''۔

جس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

"أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۸۔

رَسُولَ اللهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا"①

اس حدیث کے بارے میں ''سید لعل شاہ بخاری'' لکھتے ہیں:

''میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خودساختہ ہے، آنحضور ﷺ نے أول جيش — أوجبوا — مدينة قيصر — مغفور لهم کے الفاظ نہیں فرمائے۔''②

اس ایک مثال سے سید لعل شاہ بخاری صاحب (جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے) کے نظریات کا اندزہ ہوجاتا ہے، چونکہ اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی منقبت نکلتی تھی، تو بجائے کوئی تاویل کرنے کے انہوں نے سیدھا صحیح بخاری کی اس روایت کو ہی ''خودساختہ'' لکھ دیا۔

اسی طرح لعل شاہ بخاری صاحب نے ''صحیح مسلم'' کی ایک روایت کے بارے میں لکھا کہ:

''میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے، یہ روایت بجميع اجزاءها و مقاصدها باطل ہے''۔③

لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ یہی لعل شاہ صاحب، اپنی اسی کتاب میں محمود احمد عباسی صاحب پر طنز کرتے ہوئے ایک جگہ عنوان قائم کرتے ہیں: ''تعصب نے اندھا کردیا- صحیحین کی روایات کا انکار'' اور پھر اس پر کئی صفحات لکھے ہیں کہ ''محمود احمد عباسی نے بخاری و مسلم کی فلاں فلاں روایت کا انکار کیا ہے

① صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۹۲۴ باب ماقیل في قتال الروم.

② استخلاف یزید، صفحہ ۳۲۰.

③ ایضاً صفحہ ۱۳۳.

اور فلاں فلاں روایت کے مضامین کو باطل قرار دیا ہے، شاید ان کے ذہن میں نہ رہا ہو کہ وہ خود بھی یہی کام پہلے کر آئے ہیں''۔①

بہر حال! اس کے بعد گیاوی صاحب نے دو صفحے (۷۹ اور ۸۰) اس بات پر لکھے ہیں کہ کسی امام یا عالم کی طرف سے کسی خلیفہ یا بادشاہ کو ''امیر المؤمنین'' کے لقب کے ساتھ یاد کرنے سے اس بادشاہ کا عادل اور ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ فاسق حکمران کو بھی ''امیر المؤمنین'' کہا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے (مثلاً امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے) یزید کی وفات کے بعد بھی یزید کو ''امیر المؤمنین'' کہا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اسے فاسق نہیں سمجھتے تھے۔

ہم اس پر یہ عرض کرتے ہیں کہ گیاوی صاحب یہ فرمائیں کہ کسی بادشاہ کو اس کے سامنے نہیں بلکہ اس کے مرنے کے بعد ''امیر المؤمنین'' کے لقب سے یاد کرنا اس کے ادب و احترام پر بھی دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ادب و احترام پر بھی دلالت نہیں کرتا تو کیا آپ خود یزید کو ''امیر المؤمنین یزید بن معاویہ'' کہنا اور لکھنا ناپسند تو نہیں کریں گے؟ اگر آپ ایسا نہیں پسند کرتے تو کیوں؟ کیا ایک فاسق کو ''امیر المؤمنین'' کہنا آپ کے نزدیک درست نہیں؟

مزید گیاوی صاحب یہ فرما دیں کہ ان جیسے یزید کے باب میں غلو کرنے والے اور اسے ہر حال میں فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہوئے محققین، سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے اس اثر کو بہت اچھالتے ہیں جس میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو صرف اس بنا پر بیس کوڑے مارے تھے کہ اس نے یزید کو ''امیر المؤمنین'' کہہ دیا تھا،

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۶۲۰ وما بعد.

اور خود گیاوی صاحب نے مندرجہ بالا اثر کو بحوالہ ابن حجر ہیتمی صحیح بتایا ہے اور محدث اعظمی رحمہ اللہ کی اس بات کا رد کیا ہے جس میں انہوں نے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے شخص کو کوڑے مارنے والے اثر کو ایک دوسرے اثر سے معارض بتایا تھا۔①

تو کیا گیاوی صاحب اور ہمنوا ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید کو ''امیر المؤمنین'' کہنے والے کو کوڑے کیوں لگوائے ہوں گے؟؟ کیا اس شخص نے اسے ''امیر المؤمنین'' کہہ کر کوئی گناہ کر دیا تھا؟ یا اس کی تعریف کر دی تھی؟

نوٹ: عمر بن عبدالعزیز کے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے شخص کو کوڑے لگوانے والی روایت غیر مستند اور غیر ثابت ہے، یہاں تفصیل کا مقام نہیں۔

گیاوی صاحب کا صحابہ کی تنقیص کے مرتکب ایک شخص کی کتاب سے استدلال:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے اپنے دل کی بات، گیارہویں صدی ہجری میں گذرے ایک شخص "صالح بن مهدي المقبلي" (متوفی ۱۱۰۸ ہجری) کی کتاب "العلم الشامخ في ایثار الحق علی الآباء والمشائخ" کے حوالے سے کہنے کی کوشش کی ہے، اور اس شخص کے کندھے پر بندوق رکھ کر امام غزالی رحمہ اللہ کا رد کرنے کی سعی نامشکور کی ہے، نیز اس شخص کے قلم سے یزید پر لعنت بھی کروائی ہے اور ابن حجر ہیتمی پر تنقید بھی کروائی ہے۔

ہم گیاوی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ اسی شخص نے اسی کتاب میں اسی جگہ یزید سے پہلے اس کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا ہے، اور کس طرح ان پر تبرا کیا ہے؟ چند جھلکیاں پڑھ لیں:

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۶ ۔ ۱۳۷۔

''وأما معاوية فطالب ملك اقتحم فيه كل داهية وختمها بالبيعة ليزيد فالذي يزعم أنه اجتهد فأخطأ، لا نقول اجتهد فأخطأ لكنه اما جاهل لحقيقة الحال مقلد، واما ضال اتبع هواه، اللهم انا نشهد بذلك"①

''جہاں تک معاویہ کی بات ہے، تو وہ حکومت کا طالب تھا، اس نے اپنی حکومت میں ہر صاحب بصیرت آدمی کو ختم کر دیا اور اپنی حکومت کا اختتام یزید کے لیے بیعت لے کر کیا، پس جو یہ کہتا ہے کہ اس نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کھائی، تو ہم نہیں کہتے کہ وہ مجتہد مخطی تھا، بلکہ وہ یا تو حقیقت حال سے جاہل اور مقلد تھا، یا ایسا گمراہ تھا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں''۔

پھر اسی صفحہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والوں پر طنز کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتا ہے:

''......يحسنون لمن سنّ لعنة على المنابر في جوامع المسلمين منذ وقته الى وقت عمر بن عبدالعزيز اللاحق بالأربعة الراشدين رضى الله عنهم ورضوا عنه مع أن سبّ علي فوق المنابر وجعله سنة تصغر عنده العظائم......''

''یہ لوگ ایک ایسے شخص کو اچھا سمجھتے ہیں جس نے مسلمانوں کی تمام جامع مسجدوں کے منبروں پر (سیدنا علی پر) لعنت کرنے کی سنت شروع کی جو اس کے زمانہ سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک جاری رہی جن کا شمار چاروں خلفاء راشدین کے ساتھ ہوتا ہے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبروں

① العلم الشامخ في ايثار الحق على الآباء والمشائخ، صفحه ٣٦٦.

پر برا بھلا کہنا اور اسے سنت بنا دینا ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے بڑے بڑے جرم چھوٹے لگتے ہیں''۔①

علاوہ ازیں مولانا گیاوی صاحب نے اس شخص کی کتاب کا حوالہ پیش کرتے ہوئے ایک چالاکی یہ دکھائی ہے کہ اس کی عربی عبارت میں ایک لفظ مرتد کو مرید کے ساتھ بدل دیا اور پھر اردو ترجمہ میں بھی تبدیلی کر دی، اس شخص نے یزید کے بارے میں لکھا تھا:

"واعجب من ذلك من یحسّن لیزید المرتد" جس کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ ''اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے جو کہ یزید مرتد کو اچھا سمجھتا ہے''۔②

جبکہ گیاوی صاحب نے اس عبارت کو "من یحسّن لیزید المرید" بنا دیا اور اردو ترجمہ میں اسے ''یزید پلید'' بنا دیا، لہٰذا مجھے شدید حیرت ہے گیاوی صاحب پر کہ وہ ایک ایسے شخص کی کتاب کے حوالے سے امام غزالی اور ابن حجر ہیتمی کا رد کر رہے ہیں جس نے صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ تبرا کیا، اور اگر گیاوی صاحب نے اس کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہوا ہے اور پھر اس سے اپنے حق میں استدلال کیا ہے تو ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں کوئی عذر مانع نظر نہیں آتا کہ گیاوی صاحب کے نظریات وخیالات بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی ہوں گے جو اس کتاب کے مصنف کے ہیں۔

این کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

① العلم الشامخ في ایثار الحق علی الآباء والمشائخ، صفحه ۳۶۶.
② مقبلی کی کتاب: صفحہ ۳۶۷ طبع مصر.

گیاوی صاحب کا پسندیدہ نعرہ:

اپنی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر ایک بار پھر گیاوی صاحب نے یہ نعرہ لگایا ہے کہ:

''گذشتہ اوراق میں مستند حوالوں کے ساتھ روایتیں گذر چکی ہیں کہ یزید شراب پیتا تھا، اور یہ بیان صرف تاریخی بیان نہیں ہے اوراس کے ثبوت کے عینی گواہوں اور چشم دید شہادتوں کو لکھ چکا ہوں''۔

یہی بات ایک بار پھر گیاوی صاحب نے صفحہ ۹۵ پر بھی یوں دہرائی ہے:

''گذر چکا ہے کہ صحیح روایتوں سے یزید کا فسق ثابت ہے اور تاریخی روایتیں صرف اورصرف تائیدی ہیں، ان پر سب کا دارومدار نہیں''۔

ہم نے گیاوی صاحب کے ان تمام ''مستند'' حوالوں کا مکمل پوسٹ مارٹم کر دیا ہے، اوران کی ''صحیح'' روایتوں کی حیثیت بتا دی ہے، نیز گیاوی صاحب کی ان چشم دید گواہیوں والی روایات کی حقیقت بھی ہم نے بیان کر دی ہے، ہاں اس بات سے ہمیں انکار نہیں کہ اگر گیاوی صاحب کے نزدیک واقدی، ابومخنف، محمد بن زکریا الغلابی جیسے لوگ ''عادل اور ثقہ'' گواہ بننے کے لائق ہوں، نیز منقطع السند روایات ان کے نزدیک ''صحیح متصل'' ہوں تو وہ ان پر اعتماد کر کے جو چاہے کہتے رہیں، لیکن وہ اپنی یہ نرالی تحقیق دوسروں پر تھوپنے کا حق نہیں رکھتے، کیونکہ ہمارے خیال میں شریعت کے مقرر کردہ ضابطے اور قانون کی نظر میں نیز اصول حدیث کی رُو سے ان کی پیش کردہ روایتوں اور شہادتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم گیاوی صاحب سے یہ نہیں کہتے کہ وہ اپنی تحقیق کے خلاف موقف رکھیں اور ضرور محدث اعظمی رحمہ اللہ کی تحقیق سے اتفاق کریں، ہم نے صرف ان کی اس تحقیق پر نقد کیا ہے اور بس، یہی بات مولانا اعظمی رحمہ اللہ نے یوں لکھی تھی:

''عقیدہ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے''۔①

آگے گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''تاریخیں اگر سچائی کو سپورٹ کرتی ہیں تو کیا اس وجہ سے تاریخی بیانات کو جھٹلا دینا عقلمندی ہے یا سچائی ہی کا انکار کر دینا صحیح طریقہ ہے؟ میرے خیال میں ایسی حرکت کرنا نہ صرف بے جا یزید کی حمایت کرنا ہے بلکہ عقل کے خلاف بغاوت وسرکشی ہے''۔②

اس پر معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ گیاوی صاحب جسے ''سچائی'' سمجھے بیٹھے ہیں پہلے اسے ''سچ'' ثابت تو کریں؟ اگر آپ کی اس ''سچائی'' کو سچ مان لیا جائے تو پھر بقول محدث اعظمی رحمہ اللہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ:

''آپ تاریخوں میں یہ پورا بیان پڑھ جایئے، آپ کو کہیں نہ ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے فسق و فجور کا ذکر کیا، یا کوفیوں نے یہ کہا یا لکھا کہ یزید بے نمازی ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، ایسا ہے ویسا ہے، نہ اس کا ہی ذکر ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ کہا ہو کہ مجھ کو تو امارت سے کوئی مطلب نہیں نہ اس کی کوئی خواہش ہے، میں تو صرف یزید کے فسق و فجور

---

① محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ بر شہید کربلاء و یزید صفحہ نمبر: ۱۰۹ طبع مئو، انڈیا۔
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۸۶۔

کے خلاف جنگ کے لیے نکلا ہوں......''①

نیز لکھتے ہیں:

''...... وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وسیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام اہل مدینہ جن میں ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، یزید کی بیعت کر لیتے ہیں، اور کوئی ایک شخص بھی زبان پر یہ نہیں لاتا کہ وہ شرابی، کبابی، فاسق و فاجر ہے، حتی کہ جن دو بزرگوں نے بیعت سے پرہیز کیا وہ بھی اس کا اشارہ تک نہیں کرتے کہ ہم اس کے فسق و فجور کی وجہ سے پرہیز کرتے ہیں، حد ہو گئی کہ جب ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ان حضرات کو تفریق بین جماعت مسلمین سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں، اس وقت بھی وہ یہ نہیں فرماتے کہ تفریق جماعت بے شک بری چیز ہے لیکن ابھی اس کی بیعت ہی کہاں مکمل ہوئی ہے، نیز ایک فاسق و فاجر کو باختیار خود امام و امیر بنانا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہے لہٰذا ہم اس کے ہاتھ میں ہاتھ کس طرح رکھ دیں؟''۔②

کہیں یہی وجہ تو نہیں تھی کہ گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کا نام تو رکھا ''شہید کربلا اور کردار یزید'' لیکن اس پر کچھ نہ لکھا کہ شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں یزید کی بیعت نہیں کی تھی؟ اور انہوں نے اپنی شہادت تک یزید کی ذات پر کیا کیا الزامات لگائے تھے؟ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا ہی واقعہ حرہ سے کی ہے، اور ''شہید کربلاء'' کا لفظ صرف کتاب کے ٹائٹل پر ہی لکھا ہے، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے

---

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ: ۳۹۔۴۰۔

② ایضاً: صفحہ: ۳۸۔۳۹۔

ہیں کہ یہاں ان کی وہ سچائی کہیں نظر نہیں آتی جو وہ اوران کے ہمنوا یہ کہہ کر بتاتے ہیں کہ

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے خلاف نکلنے کی وجہ اس کا فسق و فجور اور شراب نوشی تھا''۔

یزید کے بارے میں ایک شعر کی حقیقت:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۷ پر ''البدایۃ والنہایۃ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''زبیر بن بکار'' (متوفی ۲۵۶ ہجری) نے ''عبدالرحمن بن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل'' کے بارے میں کہا کہ انہوں نے یزید کے بارے میں ایک شعر میں کہا کہ وہ ''خواہشات کے پیچھے نمازیں برباد کرنے والا تھا''، اور پھر بات کو بڑا بنانے کے لیے گیاوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ

''یادرکھئے اس کا راوی سیدنا عبدالرحمن بن سعید ہے، جو عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید کے صاحب زادے ہیں''۔

اس پر عرض ہے کہ گیاوی صاحب نے اس کی مکمل سند ذکر نہیں کی، اور البدایۃ والنہایۃ میں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ

''زبیر بن بکار نے یہ بات کہی ہے''، زبیر بن بکار کی وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی، نیز ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

''وزعم بعض الناس ان هذا الشعر لموسى بن يسار''

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر ''موسی بن یسار'' کا ہے۔''

لہٰذا جب تک اس بات کی مکمل سند نہیں سامنے آتی ہم اس پر مزید کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا گیاوی صاحب کا آپے سے باہر ہوکر یہ لکھنا کہ:

''محقق ابن کثیر کے الفاظ پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کہ کسی مجہول راوی کی بات ہے یا صرف افواہ یا تاریخی بیان ہے، یاد رکھئے اس کا راوی سیدنا عبدالرحمن بن سعید ہے، جو عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں''۔①

یہ تلبیس و مغالطہ دہی کی انتہاء ہے، گیاوی صاحب یہ تو بتائیں کہ کیا زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ ہجری) نے یہ بات خود عبدالرحمن بن سعید سے سنی ہے؟ اگر نہیں تو پھر درمیان کے راوی کون ہیں؟ چونکہ نہ وہ راوی حافظ ابن کثیر نے ذکر کیے ہیں اور نہ ہی گیاوی صاحب نے لہٰذا وہ ابھی تک مجہول ہی تو ہیں، پھر آپ نے یہ نعرہ کیوں بلند کیا کہ:

''محقق ابن کثیر کے الفاظ پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کہ کسی مجہول راوی کی بات ہے؟'' ہم آپ کے حکم کے مطابق محقق ابن کثیر کی بات پڑھ کر ہی آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ زبیر بن بکار اور عبدالرحمن بن سعید بن زید کے درمیان کے راوی کون ہیں؟، اگر وہ مجہول نہیں ہیں تو گیاوی صاحب ان کا تعارف کروادیں۔

نیز گیاوی صاحب یہ بتائیں کہ کیا عبدالرحمن بن سعید بن زید نے یہ کہا ہے کہ ''میں نے یزید کو شہوات کے پیچھے نماز برباد کرتے دیکھا ہے؟؟'' عشرہ مبشرہ میں سے کسی صحابی کے بیٹے کی طرف کسی بات کا مجہول راویوں کے واسطہ سے منسوب ہونا اس روایت کو صحیح ثابت کر دیتا ہے؟ یا اگر روایت صحیح بھی ہو تو عشرہ مبشرہ میں سے کسی صحابی کا بیٹا ہونا کیا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی بن دیکھے گواہی کو شرعی اصول وضوابط پر پرکھا نہ جائے؟۔ اب آپ کا دلائل کا تھیلا خالی ہو گیا تو آپ بے سند باتوں سے استدلال کرنے لگے؟

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ: ۸۷.

پھر محقق ابن کثیر کو تو خود یقین نہیں کہ یہ شعر کس کا ہے، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

"وزعم بعض الناس أن هذا الشعر لموسى بن يسار"

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر (عبدالرحمن بن سعید بن زید کا نہیں) بلکہ موسی بن یسار نامی شخص کا ہے''۔

کیا کسی جم غفیر نے یزید کی شراب نوشی کی شرعی شہادت دی؟:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے عنوان باندھا ہے: ''فسق یزید پر وفد مدینہ کی شہادت''، اور پھر لکھا ہے:

''یزید کے پاس جو وفد گیا تھا، اس وفد میں دو تین ہی آدمی نہ تھے، بلکہ اس وفد کو تمام مؤرخین ''رجال کثیر'' کہتے ہیں، حتی کہ خود مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ بھی اس وفد کی نہ کوئی تعداد متعین کر پاتے ہیں نہ افراد، ہر کوئی ایک جم غفیر ہی کہتا ہے''۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ورجال كثير من أشراف اهل المدينة"①

''اس وفد میں اشراف اہل مدینہ کے بہت افراد تھے۔''

...... (آگے گیاوی صاحب لکھتے ہیں) ......''اب آپ ہی بتایئے کہ اس وفد میں عبداللہ بن مطیع اور بقول ابن کثیر عبداللہ بن حنظلہ الغسیل صحابی اور بقول امام محدث بیہقی رحمہ اللہ ابوعمرو بن حفص صحابی وغیرہ کا ایک جم غفیر موجود ہے اور لوٹنے کے بعد بلا اختلاف سب یزید کے شراب پینے کو بتا رہے ہیں اور اس کے نمازوں کے ترک کی بھی گواہی دے رہے ہیں اور اس بنیاد پر

① البداية والنهاية ج۸ ص ۳۰۳ مطبوعه دار ابن کثیر دمشق بیروت۔

اس کی بیعت توڑ رہے ہیں اور سب کی سب باتیں متواتر ہیں تو صرف شراب پینا ہی غیر متواتر کیسے ہوگا کہ آج یزید کی حمایت کرنے والے اس کے تواتر کا انکار کررہے ہیں اور ہم سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ دلیل سے شراب نوشی ثابت کیجئے، بتایئے تواتر کے بعد اب کون سی دلیل چاہئے، اگرکوئی صاحب اس وفد میں سے ایک شخص کا بیان دکھادیں کہ شراب نوشی سے انہوں نے انکار کیا ہے اور آپس میں ہی اس وفد کے بیان میں کوئی اختلاف تھا، لیکن اختلاف محمد بن حنفیہ یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نہ دکھایئے یہ لوگ تو اس وفد میں گئے ہی نہ تھے اور انہوں نے جو کچھ اختلاف کیا ہے وہ بیعت توڑنے سے اختلاف کیا ہے، جس کی وجہ دوسری ہے، شراب نوشی نہیں ہے''۔①

یہاں گیاوی صاحب نے ایک نہیں بلکہ بہت سے مغالطے دیے ہیں اور ایک نہیں بلکہ بہت سی غلط بیانیاں کی ہیں آیئے آپ کو بتاتے ہیں:

خود گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں جو عبداللہ بن مطیع اور محمد حنفیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو پر مشتمل روایت نقل کی ہے (جس پر ہم پہلے تبصرہ کرآئے ہیں) اس میں صرف ایک آدمی یعنی عبداللہ بن مطیع کی بات منقول ہے اور اسی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ اقرار بھی کیا کہ ''ہم نے یزید کو شراب پیتے خود نہیں دیکھا''، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک نہیں بلکہ ایک لاکھ آدمی بھی کسی سنی سنائی بات کی بنیاد پر یہ کہیں کہ ''فلاں شراب پیتا ہے، لیکن ہم نے خود نہیں دیکھا'' تو ان کی بات کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں، اور لاکھ آدمیوں کی غیر ثابت بات ''تواتر'' ہرگز نہیں کہلائے گی،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۸۹۔۹۰.

اسی بات کو محدث اعظمی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ہر افواہ جو پھیل جائے اس کو خبر متواتر کہنا تواتر کی سخت توہین ہے، تواتر کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں اس کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اگر خبر کا تعلق دیکھنے کی چیز سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا مستند انتہا مشاہدہ ہو، ورنہ وہ متواتر نہیں ہوسکتی۔ پس یزید کی بداعمالیوں کو متواتر کہنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان خبروں کا سلسلہ اوپر جا کر جہاں ختم ہوتا ہے، وہاں بکثرت ایسے لوگوں کے بیانات پائے جاتے ہیں یا نہیں جو یہ کہتے ہوں کہ ہم نے ان بداعمالیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے یزید کو دیکھا ہے، اگر خبروں کا سلسلہ ایسے بیانات پر منتہی ہوتا ہے تو ان کو متواتر کہنا بے شک صحیح ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی آخری کڑی محض افواہ اور سنی سنائی باتیں ثابت ہوتی ہیں، تو ان کو متواتر کہنا بالکل غلط اور صریح مغالطہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھ کر کہنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ جم غفیر، اور دعوی کر دیا جاتا ہے تواتر کا، حالانکہ اس صورت میں تواتر تو درکنار، شرعی اصول سے بداعمالیوں کا مطلقاً ثبوت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یزید پر شرعی اصول سے فاسق ہونے کا حکم کیسے لگے گا؟''۔①

گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مندرجہ بالا اقتباس آنکھیں کھول کر پڑھ لیتے، اس کے بعد یہ ثابت کرتے کہ

''مدینہ سے جو لوگ گئے ہیں ان میں سے فلاں فلاں نے یہ گواہی دی کہ

① محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ: صفحہ ۵۰۔۵۱.

ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے‘‘
اس کے بعد یہ بات آگے نقل ہوتی تو یہ تواتر قابل قبول ہوتا۔

اس کو آسان مثال سے یوں سمجھئے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ بات ایک قسم کی متواتر ہی چلی آرہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے صلیب پر ڈالا گیا تھا اور انہوں نے صلیب پر ہی جان دے دی تھی، اسی بنیاد پر ہندوستانی متنبی مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعوی کیا تھا کہ واقعی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر ڈالا گیا تھا، اور اس قسم کا چیلنج دیا کہ:

’’میرے ساتھ میری شہادت کے واسطے لاکھوں انسان موجود ہیں، قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادتیں پیش کر رہی ہیں، اگر کسی کو شک وشبہ ہو تو یہودی موجود ہیں، نصرانی موجود ہیں، ان سے پوچھ لو کہ ان کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے...... دیکھو تواتر قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجت نیرّہ کے توڑ دینا اور اس کی پرواہ نہ کرنا بھاری غلطی ہے‘‘۔①

جبکہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے دشمنوں سے محفوظ رکھا اور وہ آپ تک پہنچ ہی نہیں سکے تھے، اللہ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا، اور قرآن کریم نے صاف ﴿مَا صَلَبُوْهُ﴾ فرما کر اس بات کی تردید فرمادی کہ دشمن انہیں صلیب پر ڈال ہی نہ سکے تھے، لیکن مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار ﴿مَا صَلَبُوْهُ﴾ کا معنی یہ کرتے ہیں کہ: ’’دشمن، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر قتل نہیں کر سکے تھے‘‘ (یعنی گرفتار کر کے صلیب پر ڈالنے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ صلیب پر جان دینے کی نفی ہے)، اور

① ملفوظات مرزا قادیانی، جلد ۵ صفحہ ۶۹۱ - ۶۹۲

پھر مرزا قادیانی نے یہود و نصاریٰ کے تواتر قومی کو اپنی دلیل بنایا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس تواتر کی بنیاد ہی افواہ پر ہے، اس لیے اسے تواتر کہنا (بقول علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ) تواتر کی توہین ہے، کیونکہ یہودی یا عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی ایک ایسا معتمد عینی گواہ پیش نہیں کر سکتے جس نے یہ کہا ہو کہ ''میں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر ڈالا جانا اور انہیں ایذاء پہنچا کر قتل کیا جانا خود دیکھا ہے'' کیونکہ خود بائبل ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جس وقت دشمن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے آئے تو حواری جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور موقع پر کوئی حواری موجود نہ تھا۔

لہٰذا کسی کو شرابی یا زانی ثابت کرنے کے لیے شریعت نے ''تواتر'' یا ''شہرت'' کو دلیل نہیں قرار دیا، بلکہ اس کے لئے باقاعدہ ضابطہ شہادت بتایا ہے، اور اگر اس ضابطہ کے مطابق کسی پر یہ الزام ثابت ہو جائے تو پھر اس کے بعد تواتر کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، الزام ثابت سمجھا جائے گا۔

پھر گیاوی صاحب بار بار صحابی ''ابو عمرو بن حفص'' کا نام لیتے ہیں، لیکن انہیں یہ تک علم نہیں کہ تعارف صحابہ پر مشتمل کتب کے مطابق یہ صحابی تو یزید کی پیدائش سے قبل فوت ہو چکے تھے، پھر انہوں نے یزید کو شراب پیتے کیسے دیکھ لیا؟ (اس پر ہم پہلے بات کر آئے ہیں)۔

گیاوی صاحب نے یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مدینہ سے جو وفد گیا تھا اسے ''جم غفیر'' لکھا ہے، جبکہ ''رجال کثیر'' کا سادہ سا ترجمہ ہے ''بہت سے آدمی''، اب یہ تعداد کتنی تھی؟ یہ کہیں بھی بیان نہیں ہوا، لیکن یہ طے ہے کہ ان میں سے کسی ایک آدمی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ''ہم دمشق گئے تھے تو وہاں ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے''، لہٰذا جب ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تو پھر یہ سوال اٹھانا کہ بتایا جائے

کہ اس وفد میں سے کسی نے یزید کی شراب نوشی کا انکار کیا ہو، تلبیس نہیں تو کیا ہے؟، گیاوی صاحب! آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ اس وفد میں سے کم از کم دو نے یزید کو شراب پیتے دیکھنے کا دعوی کیا ہو، ہمارا دعوی ہے کہ اس بات میں سب کا اتفاق تھا کہ ان میں سے کسی نے اسے ایسا کرتے خود نہیں دیکھا، اب آپ اس بات میں ان میں سے کسی کا اختلاف ثابت کریں۔ دیدہ باید، اس الزام کو ثابت آپ نے کرنا ہے، کیونکہ عینی شہادت آپ کے ذمہ ہے۔

پھر آپ کتنے بھولے پن کے ساتھ کہتے ہیں کہ

''چونکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد حنفیہ رحمہ اللہ اس وفد میں شامل نہ تھے اس لیے ان کی بات نہ پیش کی جائے''۔

تو عرض ہے کہ یہ بات آپ تب کرتے اگر وفد میں شامل کسی ایک آدمی نے یہ کہا ہوتا کہ ''ہم وہاں گئے تھے تو وہاں ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا تھا''، اگر ایسی کوئی شہادت آپ کے پاس معتبر راویوں کے واسطے سے ہے تو پیش کریں، اور اگر نہیں، بلکہ آپ کی پیش کردہ (بقول شما) صحیح روایت کے مطابق تو اس وفد کے ایک سرکردہ رہنما عبد اللہ بن مطیع نے خود اقرار کیا تھا کہ ''ہم نے خود یزید کو شراب پیتے نہیں دیکھا''، تو پھر اس گواہی کی شریعت اور ضابطہ شہادت کی رُو سے کیا حیثیت رہی؟ اور جب اس وفد میں سے کوئی ایک بھی ''عینی گواہ'' سامنے نہیں آیا تو پھر ان کی بات اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی بات میں کیا فرق رہا؟، بلکہ دوسری طرف تو محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی ''چشم دید شہادت'' اسی روایت میں موجود ہے، کیا آپ کے نزدیک محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے جھوٹی گواہی دی تھی؟ ......کھل کر بتائیں۔

لہٰذا آپ سے یہ مطالبہ حق بجانب ہے کہ یزید کی شراب نوشی کو شرعی دلیل اور

گواہی سے ثابت کیجیے جو آپ کسی طرح بھی نہیں کر سکے۔

اور یہ آپ کا صریح مغالطہ ہی ہے کہ:

''یہ واقعہ (یعنی واقعہ حرہ۔ ناقل) اسلامی تاریخ کا مشہور و متواتر واقعہ ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اس کا شکار وہ صحابہ و تابعین ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑی اور اس کے خلاف خروج کیا، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یزید فاسق ہو چکا ہے، شراب پیتا ہے، تو جب واقعہ مشہور و متواتر ہے تو صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور یزید کا شراب پینا بھی مشہور و متواتر ہی ہوا''۔①

آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ (آپ کے بقول) جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے یزید پر ''شراب نوشی'' کا الزام لگایا تھا انہوں نے اپنی اس بات پر کیا شہادت پیش کی تھی؟، اور پھر کیا ان کا یہ الزام مستند طریقے اور عادل وثقہ راویوں کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے یا نہیں؟، اور اگر ایسی کوئی شہادت فرض کریں قابل اعتماد ذریعے سے ملتی بھی ہے تو کیا وہ شہادت شرعی ضابطہ شہادت کے مطابق کافی بھی ہے یا نہیں؟

پھر آپ نے یہ غلط بیانی کی کہ

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد حنفیہ رحمہ اللہ نے جو اختلاف کیا تھا وہ شراب نوشی کی وجہ سے نہیں کیا تھا''،

جبکہ آپ خود اپنی پیش کردہ روایت میں محمد بن حنفیہ کی طرف سے عبداللہ بن مطیع کی شراب نوشی والی بات کی تردید نقل کر چکے ہیں، محمد بن حنفیہ نے واضح طور پر شراب نوشی کے الزام کو غلط بتایا تھا، اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب عبداللہ بن مطیع کو

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۳۔

سمجھانے کی غرض سے تشریف لائے تو وہاں عبداللہ بن مطیع نے یہ الزام ان کے سامنے دہرایا ہی نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کی تردید کی ضرورت پیش آتی۔

گیاوی صاحب کا ایک اقرار:

یہیں گیاوی صاحب نے چند سطریں اس بات پر لکھی ہیں کہ

''اگر امام وقت درمیان ایام خلافت میں فاسق ہو جائے تو بیعت خود بخود ٹوٹ جائے گی یا اس کا معزول کرنا اور بیعت توڑنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟''

اس پر گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن عمر عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی صحیح ہے، بیعت توڑنے والے صحابہ جواز کے قائل ہیں، یہ ایک دوسری بحث ہے، علماء متکلمین نے عقائد کی کتابوں میں تفصیلا اس پر بحث کی ہے، اور مختصراً ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے، اس جگہ یہ مسئلہ زیر بحث نہیں''۔①

لہٰذا یہ بات قارئین کے ذہن میں رہے کہ گیاوی صاحب نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کو بیعت توڑنے والوں کے مقابلے میں صحیح بتلایا ہے، اس پر ہم مزید کلام واقعہ حرہ اور اس کے اسباب و وجوہات کے باب میں کریں گے ان شاء اللہ۔

گیاوی صاحب کی ایک اور تلبیس:

مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے صفحہ ۹۰ پر ایک عنوان باندھا ہے: ''مولانا اعظمی کا علمی مغالطہ'' اور پھر مولانا اعظمی رحمہ اللہ کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

''ہماری عقیدت اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتی کہ ایک شرابی و بے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۰.

نمازی وزانی کی بیعت توڑنے والوں کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے فقیہ مجتہد، عالم باعمل اور متقی وپاک باز صحابی یہ حدیث سنانے جائیں گے کہ: ''جو امام کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرے گا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت کا قلادہ نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا''①

اس موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث کو سنانا صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ یزید کو فاسق وفاجر نہیں سمجھتے تھے، اگر فاسق وفاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سناتے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے۔②

اس پر گیاوی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مولانا اعظمی رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ حدیث سنانا ہی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ فسق اور شراب نوشی کا نہیں تھا بلکہ بیعت توڑنے کا تھا ورنہ اگر فسق یا شراب نوشی کا مسئلہ ہوتا تو اس حدیث کو سنانے کی ضرورت نہ تھی، سیدھے سیدھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ یزید شرابی اور فاسق، حدیث کا سنانا اس جگہ تو بالکل بے محل ہے کیونکہ بحث تو یزید کے فاسق اور شرابی ہونے کی ہے، اس لیے مذکورہ حدیث کا فسق کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے''۔③

---

① دیکھو مسلم ۲/۱۲۸۔
② تبصرہ بر شہید کربلاء ویزید ص ۷۵۔
③ گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱۔

ہمارا یہاں گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے یزید کے شرابی اور فاسق ہونے کی بات کرنے کی ہمت کی تھی؟ اگر کی تھی تو سند کے ساتھ وہ بیان کریں، بلکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بیعت توڑنے پر اتنی سخت وعیدیں سنانے اور اپنے متعلقین واہل وعیال کو یہاں تک کہہ دینے کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی، میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ سب سننے کے باوجود کسی آدمی نے آپ کے سامنے کہنے کی جرأت نہیں کی کہ ''حضرت! یزید شرابی، زانی اور فاسق ہے''، اگر ایسا کچھ ہوا ہوتا تو پھر ہم دیکھتے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس الزام کی تردید فرمائی یا تصدیق فرمائی یا خاموش رہے، اگر گیاوی صاحب کے پاس ایسی کوئی روایت ہے تو پیش کریں۔

اور اگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے یہ جرأت ہی نہیں کی تو پھر خوامخواہ یہ مفروضہ تراشنا کہ ''اگر فسق یا شراب نوشی کا مسئلہ ہوتا تو اس حدیث کو سنانے کی ضرورت نہ تھی، سیدھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ یزید شرابی اور فاسق ہے''، سوائے تلبیس کے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا محدث اعظمی رحمہ اللہ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ:

''اگر (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) یزید کو فاسق و فاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سناتے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے''۔

اس لئے یہ جو مفروضے گھڑ کر پیش کیے جاتے ہیں کہ:

''سمجھتے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے بیعت نہ توڑنے والے بھی یزید کو فاسق و فاجر و شرابی اور زانی ہی تھے، لیکن صرف فتنہ سے بچنے کی

خاطر انہوں نے بیعت نہ توڑی''،

جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے بھی یہ شوشہ چھوڑا ہے اور لکھا ہے کہ:

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اجتہاد میں یزید کی بیعت کا نہ توڑنا اس فتنہ بلکہ اس سے بدرجہا خطرناک فتنہ کی وجہ سے تھا جس کے اندیشہ کا اظہار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملنے اور یزید کی بیعت کا حکم آنے کے وقت انہوں نے پہلے ہی کر دیا تھا''۔①

یہ صرف ایک مفروضہ ہی ہے، جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا بیعت توڑنے والوں کا ساتھ نہ دینے والے کسی بھی شخص سے یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے خود ایسا کہا ہو۔ نیز ذہن میں رہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں تھا بلکہ انہوں نے صریح اور واضح احادیث سنائی تھیں اور ان کا جواب کوئی نہ دے سکا تھا، رہا گیاوی صاحب کا یہ کہنا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملنے پر کسی قسم کے اندیشے کا اظہار کیا تھا، تو ہم نہیں جانتے کہ گیاوی صاحب کا اشارہ کس بات کی طرف ہے، اگر وہ یہ بات وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیتے تو اس پر کچھ عرض کیا جاتا۔

گیاوی صاحب کا صحابہ کی ایک جماعت کو ''خروج اور بغاوت کرنے والا'' بتانا

آگے گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''یزید کے خلاف خروج و بغاوت کرنے والے بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی جنہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تھا''۔②

یہاں گیاوی صاحب نے بقلم خود یزید کی بیعت توڑنے والوں کو ''صحابہ رضی اللہ عنہم

①② گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۲.

کی ایک جماعت'' اور ''بغاوت کرنے والے'' یعنی ''باغی'' لکھا ہے، لہٰذا ہمیں کوئی الزام نہ دے کہ ہم صحابہ کو باغی لکھ رہے ہیں۔ لیکن ہمارا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ آپ واقعہ حرہ میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے والے ''متفق علیہ'' صحابہ رضی اللہ عنہم کی ''جماعت'' میں سے پانچ دس کے نام ہی بسند صحیح لکھ دیں جنہوں نے یزید کی بیعت پہلے کی ہوئی تھی اور پھر توڑ کر اس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا تو ہم ممنون ہوں گے، کیونکہ ہم بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ یعنی ۶۳ ہجری تک کس کس صحابی نے یزید کی بیعت کر رکھی تھی۔

الغرض! سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیعت توڑنے والوں کو ''قیامت کے دن بغیر حجت کے ہونے'' اور ''جاہلیت کی موت مرنے'' اور ''غدار کے لیے ایک جھنڈا نصب کیے جانے'' جیسی وعیدوں پر مشتمل احادیث سنا کر انہیں بیعت توڑنے سے منع کرنا، صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سامنے کسی نے بھی یزید کے فاسق و فاجر وشرابی وزانی ہونے کی بات نہ کی تھی اور اگر بالفرض کی تھی تو ثابت نہ کر سکے تھے۔

آگے گیاوی صاحب ایک بار پھر لکھتے ہیں کہ:

''مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب کی منطق سے لازم آتا ہے کہ عبداللہ بن مطیع، ابوعمرو بن حفص، معقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم رضی اللہ عنہم اور پورا وفد جو مدینہ سے یزید کے پاس گیا تھا اور انہوں نے یزید کے شراب نوشی کی خبر دی تھی وہ سب کے سب جھوٹے تھے اور صحابہ دیدہ و دانستہ کذب بیانی بھی کرتے تھے اور کسی بھی عادل بادشاہ کے خلاف خروج و بغاوت بھی کیا کرتے تھے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب یا تو ان تمام کو غلط کار اور کاذب مانتے ہیں یا سب کی صحابیت سے انکار کرتے ہیں، اس کے علاوہ

ان کے لئے کوئی تیسرا راستہ نہیں''۔①

میں یہاں گیاوی صاحب سے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ ہم ''محمد بن عمر واقدی''، ''ابو مخنف لوط بن یحییٰ''، ''محمد بن زکریا الغلابی'' اور ان جیسے راویوں کو یقیناً جھوٹا اور کذاب سمجھتے ہیں، نیز ہم ہر اس روایت کو بطور شرعی شہادت تسلیم نہیں کر سکتے جو ''منقطع السند'' ہو یا اس میں کوئی ''مجہول الحال'' راوی ہو، نیز ہم یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ " أبو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن محزوم المخزومي" نامی صحابی یزید کے پیدا ہونے سے پہلی ہی وفات پا چکے تھے، لہٰذا ایسے جھوٹے راویوں، ایسی غیر ثابت شدہ روایات کی بنیاد پر اٹھائے گئے آپ کے خیالی مفروضوں کو بھی ہم درست نہیں سمجھتے۔

کتب حدیث و تاریخ میں بہت سی موضوع اور جھوٹی روایات پائی جاتی ہیں، بہت سی منقطع السند اور ضعیف احادیث بھی پائی جاتی ہیں، تو فرض کریں کوئی شخص کسی موضوع حدیث سے دلیل پکڑے اور کہے کہ ''حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا''۔ اور جب اسے بتایا جائے کہ ''اس حدیث کی سند میں فلاں راوی جھوٹا اور کذاب ہے'' یا ''اس کی سند منقطع ہے'' تو اس کے جواب میں کیا یہ طعنہ دینا درست ہوگا کہ: ''تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو نبی ﷺ کو (نعوذ باللہ) غلط بات کہنے والا مانو، یا آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرو؟؟'' ہمارے مطابق تو ہرگز نہیں، لیکن گیاوی صاحب کی منطق کی رُو سے یہ ''طعنہ'' درست ہوگا۔

لہٰذا اصولی بات یہی ہے کہ:

''کسی مسلمان پر شراب نوشی، زنا کاری، یا فسق کی تہمت، اس وقت تک

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۳۔۹۴.

صرف تہمت ہی رہے گی جب تک شریعت کے ضابطہ شہادت کے مطابق چشم دید عادل گواہ نہ پیش کیے جائیں''،

اور ایسی گواہی مکمل نہ ہونے کی صورت میں ملزم کو اس الزام سے بری سمجھا جائے گا۔

استخلاف یزید اور بیعت یزید کا مسئلہ:

گیاوی صاحب نے ایک دعوی یہ کیا ہے کہ:

''سیدنا عمرو بن حزم اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی، ان کے علاوہ بھی کچھ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے صرف یزید کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا تھا، جیسے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ'' ...... پھر علامہ ابن اثیر کا قول پیش کیا ہے کہ...... انہوں نے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا کہ:

"وکرہ بیعۃ یزید" سیدنا مسور بن مخرمہ نے یزید کی بیعت کو مکروہ سمجھا تھا۔①

اس پر عرض ہے کہ گیاوی صاحب اور ان کے ہمنوا عام طور پر بیعت کے دو واقعات کو جو کہ الگ الگ ہیں، ایک دوسرے میں ضم کر کے دھوکہ دیتے ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یزید کے لئے ایک بیعت لی گئی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں جسے ''ولی عہدی'' کی بیعت کہا جاتا ہے، اور اس بارے میں کتب تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے (قطع نظر ان روایات کی اسناد سے) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمان جس باہمی خانہ جنگی اور آپس

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۴.

کی جس خونریزی سے گذرے تھے اس کے پیش نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحریک وتجویز سے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا تاکہ ان کے بعد اس مسئلہ پر مسلمانوں کی تلواریں جمل وصفین کی طرح پھر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام نہ ہونے پائیں، یادرہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذاتی رائے اور سوچ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ حضرات پر مشتمل ایک مجلس بنانے کی تھی کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنالیا جائے، ان میں یزید کا نام اشارتاً وکنایۃً بھی شامل نہ تھا،

چنانچہ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ مجھے، زیاد نے ایک کام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، جب میں اپنا کام نمٹا چکا تو میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: "یکون بین جماعۃ ۔ کہ میرے بعد خلافت ایک جماعت کے درمیان ہوگی، پھر خود ہی اس جماعت کے یہ نام گنائے، سیدنا سعید بن العاص، سیدنا عبداللہ بن عامر، سیدنا حسن بن علی، سیدنا مروان بن الحکم، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین''۔①

البتہ حالات کے ضمن میں ولی عہدی کے ذریعے تقرر خلیفہ کے طریق کار کو ہی اپنایا گیا جس سے صحابہ کرام میں سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا حسین اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم صرف چار صحابہ کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے، پانچواں نام سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی لیا جاتا ہے لیکن ان کے بیعت نہ کرنے

① البدایہ والنہایۃ، ج ۱۱ ص ۳۲۰ طبع دار ھجر۔

کے ثبوت میں نہ تو ان کا کوئی قول وفعل تاریخ میں ملتا ہے اور نہ وہ ان مذکورہ چار صحابہ کے ساتھ اس سلسلے میں کہیں نظر آتے ہیں، البتہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی ولی عہدی کی بیعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''......فَبَايَعَ لَهُ النَّاسُ فِي سَائِرِ الْأَقَالِيمِ، إِلَّا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَالْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَابْنَ عَبَّاسٍ"

''سوائے عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کے باقی تمام صوبوں اور علاقوں کے لوگوں نے یہ بیعت کرلی تھی''۔①

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''وَلَمَّا أَخَذَتِ الْبَيْعَةُ لِيَزِيدَ فِي حَيَاةِ مُعَاوِيَةَ، كَانَ الْحُسَيْنُ مِمَّنِ امْتَنَعَ مِنْ مُبَايَعَتِهِ هُوَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ مَاتَ ابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ مُصَمِّمٌ عَلَى ذَلِكَ، فَلَمَّا مَاتَ مُعَاوِيَةُ سَنَةَ سِتِّينَ وَبُويِعَ لِيَزِيدَ، بَايَعَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَصَمَّمَ عَلَى الْمُخَالَفَةِ الْحُسَيْنُ وَابْنُ الزُّبَيْرِ''۔②

''جب سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں یزید کی (ولی عہدی کی) بیعت لی گئی تو سیدنا حسین، سیدنا ابن زبیر، سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہم) اس بیعت سے رکے رہے، پھر سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر کی وفات اسی حال میں ہوگئی، لیکن جب سنہ ٦٠

① البداية والنهاية، جلد ١١ صفحه ٣٠٧ طبع دار هجر.
② ايضاً صفحه ٤٧٧.

ہجری میں سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات ہوئی اور یزید کی (خلافت کی) بیعت لی گئی تو سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس نے بیعت کرلی، جبکہ سیدنا حسین اور سیدنا ابن زبیر اپنی مخالفت پر قائم رہے''۔

لیکن ان چاروں یا پانچوں حضرات کا یہ اختلاف، ولی عہد کے ذاتی کردار سے متعلق نہ تھا بلکہ ولی عہدی والے طریق کار سے متعلق تھا، ان کا کہنا یہ نہ تھا کہ ہم یزید کی بیعت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ فاسق وفاجر اور نالائق و نااہل ہے، بلکہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اس کی بیعت میں تأمل اس لئے ہے کہ جس طریقے سے اس کو خلیفہ نامزد کیا گیا ہے سرے سے وہ طریقہ ہی غلط ہے، "هرقلية" و"كسروية" یعنی رومی وفارسی طریقہ ہے، چنانچہ گیاوی صاحب نے ہی خود "البداية والنهاية" کے حوالے سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا یہ اعتراض نقل کیا ہے جو انہوں نے مروان بن الحکم کے سامنے کیا تھا۔① اس کے مطابق سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے جو نقطۂ اعتراض اُٹھایا وہ یزید کے ذاتی کردار یعنی اس کے فسق وعدل سے متعلق نہ تھا بلکہ خلافت کے لئے اس کی نامزدگی کے طریق کار سے متعلق تھا، انہوں نے فرمایا:

"جعلتموها والله هرقلية وكسروية"۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"اجئتم بها هرقلية تبايعون لأبنائكم"②

یعنی اللہ کی قسم! تم نے ہرقلیہ وکسرویہ بنادیا ہے کہ اپنے بیٹوں کے لئے بیعت لینے لگے ہو۔

---

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹۔۱۲۰۔

② البداية والنهاية، ج ١١ ص ٣٣٠ دار هجر/ فتح الباري، ج٨ ص٥٧٧ دار المعرفة بيروت/ عمدة القاري، ج١٩ ص١٦٩ دار احياء التراث العربي بيروت وغيرها من شروح الحديث وكتب التاريخ۔

پھر یہی کچھ ان کے بعد سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) نے بھی کہا اور کیا، چنانچہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ:

"وقام الحسين بن علي فانكر ذلك وفعل مثله ابن عمر وابن الزبير"①

''(ان کے بعد) حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے (بھی) اس تجویز سے اختلاف کیا اور ایسا ہی (حضرات) ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے (بھی) کیا''۔

پھر جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود مدینہ منورہ تشریف لائے اور ان حضرات سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو اُن سے بھی اِن حضرات نے اختلاف ولی عہدی والے طریق کار کے نقطہ پر ہی کیا، یزید کے ذاتی فسق وعدل کا نام اشارتاً بھی کوئی اپنی زبان پر نہ لایا، چنانچہ سب سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے، انہوں نے فرمایا کہ:

''آپ سے پہلے بھی خلفاء ہوگزرے ہیں، ان کے بھی بیٹے تھے، آپ کا بیٹا اُن کے بیٹوں سے کوئی بڑھ کر لائق فائق نہیں، انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی تھی جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کر رہے ہیں بلکہ انہوں نے تو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا تھا''۔②

ان کے بعد سیدنا معاویہ کی گفتگو سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ:

''آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے بیٹے کی ولی عہدی کا معاملہ تنہا آپ کے

---

① کامل ابن اثیر، ج۳ص ۱۰۰ دار الکتاب العربي بیروت.

② تاریخ الخلفاء، ص ۲۲۶ طبع وزارۃ الاوقاف، قطر.

ہی سپرد کردیں؟ واللہ! ایسا ہرگز نہ ہوگا، ہم تو یہ معاملہ مسلمانوں کے مشورہ میں ہی رکھیں گے (کہ وہی اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے مجاز ہیں)''۔①

ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ:

''اگر آپ بذاتِ خود امارت (وخلافت) سے اُکتا چکے ہیں تو ایک طرف ہوجایئے پھر اپنے بیٹے کو آگے لایئے تو ہم اس ہی کی بیعت کرلیں گے، ورنہ اگر آپ کی بیعت کے ہوتے ہوئے آپ کے بیٹے کی بھی بیعت کرلی جائے تو آپ ہی بتلایئے کہ پھر ہم آپ دونوں باپ بیٹوں میں سے کس کی سُنیں، مانیں گے، اور کس کی ٹالیں گے؟، اس لئے بیک وقت آپ دونوں باپ بیٹوں کی بیعت نہیں کی جاسکتی (کہ ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہوسکتے)...... **ان کنتَ قد مللتَ الامارة فاعتزلها وهلمّ ابنک فلنبايعه أرأيتَ اذا بايعتُ ابنک معک لأيكما نسمع ونطيع، لا تجتمع البيعة لكما أبداً......**''۔②

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ چاروں حضرات، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے، پیچھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچے، انہوں نے وہاں پھر ان حضرات سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تو ان حضرات نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کے بجائے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنا نمائندہ بنادیا، اس موقع پر بھی یہ حضرات، تقررِ خلیفہ کے طریقِ کار کو ہی زیرِ بحث لائے، یزید کے فسق وعدل کا کوئی ذکر اِس دفعہ بھی انہوں نے نہیں کیا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ:

①② تاریخ الخلفاء، ص ۲۲۶ طبع وزارۃ الاوقاف، قطر۔

''آنحضرت ﷺ سے لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک جن طریقوں سے خلیفہ کا تقرر ہوتا رہا ہے ان میں سے جو طریقہ آپ اختیار کریں ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں (ان کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہمیں قبول نہیں)۔
سیدنا معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا: آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟، انہوں نے بیک زبان ہوکر فرمایا: "قولنا قوله" کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو (ہمارے نمائندے) ابن زبیر نے کہا ہے''۔①

یہ تو بات تھی یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت کے موقع کی۔ سنہ ۶۰ ھ میں سیدنا معاویہ کی وفات کے بعد جب موقع آیا یزید کی بیعت خلافت کا تو اُس وقت ان حضرات میں سے ایک یعنی سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تو جنت کو سدھار چکے تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر اور مؤرخین کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) ہر دو نے اس کی بیعت کر لی تھی، باقی صرف دو یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی ابھی تک اپنی رائے پر قائم تھے، جب ان سے خلافت یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو بیعت انہوں نے اگرچہ اس وقت بھی نہ کی لیکن اپنے اس تخلف کی بنیاد یزید کے فسق وفجور کو اب بھی قرار نہیں دیا، بلکہ جب اُس وقت کے گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے ان دونوں بزرگوں کو بلا کر ان کے سامنے یزید کی بیعت کی بات رکھی تو عام روایات کے مطابق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تو یہ فرمایا کہ:

''مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتا اور پھر تم بھی تو میری اس خفیہ بیعت کو کافی نہ سمجھو گے بلکہ اعلانیہ کا بھی مطالبہ کرو گے، اس لئے جب تم اور لوگوں کو بیعت کے لئے بلاؤ تو ہمیں بھی بلا بھیجنا تا کہ معاملہ ایک ہی دفعہ

① كامل ابن اثير، ج۳ ص ۱۰۳ دار الكتاب العربي بيروت.

میں نمٹ جائے''، رہے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تو وہ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ مکرمہ نکل گئے، اس کے سوا کچھ اور انہوں نے بھی نہ کہا نہ کیا۔①

لیکن حافظ ابن عبدالبرّ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ گورنرِ مدینہ کی طرف سے طلبِ بیعت کے جواب میں دونوں ہی بزرگوں نے یہ فرمایا تھا کہ:

"مثلنا لا یبایع سرأ ولکنا نبایع علی رؤس الناس اذا اصبحنا"②

کہ ہم جیسے آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتے لیکن ہم تو بوقت صبح لوگوں کے سامنے (علی الاعلان) بیعت کریں گے۔ وہاں سے یہ حضرات اپنے گھروں کو لوٹے، پھر (کچھ اور سوچ کر صبح کا انتظار کیے بغیر) راتوں رات ہی مکہ مکرمہ کی طرف نکل گئے۔

گیاوی صاحب کا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک افتراء:

گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

''اسی طرح (یزید) کی ولی عہدی کی بیعت کے معاملہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی اور بخاری میں خود ان کا بیان موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کے لیے جب ولی عہد پر ارشاد فرماتے ہیں (نوٹ: گیاوی صاحب کی کتاب کی عبارت یوں ہی ہے- ناقل) مملوک خلافت کے زیادہ حقدار ہیں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ ان کا جواب دوں کہ جنہوں نے آپ سے اور آپ کے

① طبری، ج۵ ص ۳۳۹ دار التراث بیروت/البدایۃ، ج ۱۱ ص ۴۶۸ کامل ابن اثیر، ج۳ ص ۱۲۸۔

② الاستیعاب في معرفۃ الاصحاب، ج ۱ ص ۳۹۶ دار الجیل بیروت۔

والد سے اسلام کے لیے جنگ لڑی ہے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، مگر
فتنہ اور خون ریزی کے ڈر سے میں بول نہ سکتا''۔①

قارئین محترم! یہاں گیاوی صاحب نے صحیح بخاری کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ یہ واقعہ یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت لینے کے وقت کا ہے، بلکہ مصنف عبدالرزاق کی ایک صحیح روایت میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ تحکیم کے فوراً بعد کا ہے (یہ روایت ہم آگے نقل کرتے ہیں) نیز دوسرے قرائن بھی بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لینے سے بہت پہلے کا ہے، علاوہ ازیں گیاوی صاحب نے یہاں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ

''خود ان کا بیان موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کی ولی عہدی کے لیے بیعت لیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں تو میرا ارادہ ان کو جواب دینے کا تھا لیکن میں خاموش رہا......الخ''

جب کہ بخاری کی اس روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول نہیں، نہ انہوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا ذکر کیا اور نہ ہی یہ واقعہ اس وقت کا ہے، کیونکہ اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس وقت ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بقید حیات تھیں (کیونکہ روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی ہے: قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ... کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔②

اور ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات سنہ ۴۵ھ میں ہوئی، ایک قول سنہ ۴۵

① دیکھئے بخاری جلد ۲ ص ۵۹۹ اور گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹۔
② دیکھیں: صحیح بخاری، روایت نمبر: ۴۱۰۸۔

ہجری کا ہے بلکہ ایک قول سنہ ۲۷ ہجری کا بھی ہے۔①

جبکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا واقعہ کسی بھی طرح سنہ ۵۰ ہجری سے پہلے کا نہیں ہے، کیونکہ یہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔② اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور اقوال کے مطابق ۴۹ یا ۵۰ یا ۵۱ ہجری میں ہوئی تھی (ایک قول ۵۸ ہجری اور ایک ۴۴ ہجری کا بھی نقل کیا جاتا ہے جو کہ مرجوح ہے، لیکن سید لعل شاہ صاحب کا اصرار ہے کہ یہ مرجوح قول ہی درست ہے)

لہٰذا گیاوی صاحب اگر اس روایت کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں (جیسے ان کے ممدوح سید لعل شاہ صاحب نے بھی اس روایت کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیعت سنہ ۴۴ ہجری کا واقعہ ہے، جبکہ خود سید لعل شاہ صاحب نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ

''اس بارے میں مؤرخین کے صرف دو قول ملتے ہیں، ایک سنہ ۵۱ ہجری کا اور دوسرا سنہ ۵۶ ہجری کا، میرے احاطہ علم میں کوئی تیسرا قول نہیں''۔③

تو اب گیاوی صاحب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس وقت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔

---

① الاستيعاب في معرفة الاصحاب، جلد۴ صفحه ۱۸۱۱ دار الجيل بيروت/الاصابة في تمييز الصحابة، جلد۸ صفحه ۸۶ دار الكتب العلمية بيروت / أسد الغابة في معرفة الصحابة، جلد۷ صفحه ۶۷ دار الكتب العلمية بيروت۔

② گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے، دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۲۰۴ اور صفحہ ۲۷۵ اور صفحہ ۲۸۱۔

③ دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۲۷۴ طبع اول۔

نوٹ: محمود احمد عباسی نے اُم المؤمنین حفصہ ﷞ کی وفات سنہ ۵۴ ہجری میں بتائی ہے۔① یہ ان کا اپنا خیال ہے، کسی مصدر سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ واقعہ کب کا ہے؟ حافظ ابن حجر ﷫، صحیح بخاری کی اسی روایت کے تحت لکھتے ہیں:

"وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَلَمَّا تَفَرَّقَ الْحَكَمَانِ وَهُوَ يُفَسِّرُ الْمُرَادَ وَيُعَيِّنُ أَنَّ الْقِصَّةَ كَانَتْ بِصِفِّينَ وَجَوَّزَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ الِاجْتِمَاعَ الْأَخِيرَ الَّذِي كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَرِوَايَةُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ تَرُدُّهُ وَعَلَى هَذَا تَقْدِيرُ الْكَلَامِ فَلَمْ تَدَعْهُ حَتَّى ذَهَبَ إِلَيْهِمْ فِي الْمَكَانِ الَّذِي فِيهِ الْحَكَمَانِ فَحَضَرَ مَعَهُمْ فَلَمَّا تَفَرَّقُوا خَطَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَخْ وَأَبْعد من ذَلِك قَول بن الْجَوْزِيِّ فِي كَشْفِ الْمُشْكِلِ أَشَارَ بِذَلِكَ إِلَى جَعْلِ عُمَرَ الْخِلَافَةَ شُورَى فِي سِتَّةٍ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ مِنَ الْأَمْرِ شَيْئًا فَأَمَرَتْهُ بِاللِّحَاقِ قَالَ وَهَذَا حِكَايَةُ الْحَالِ الَّتِي جَرَتْ قَبْلُ وَأَمَّا قَوْلُهُ فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ خَطَبَ مُعَاوِيَةُ كَانَ هَذَا فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ ابْنَهُ يَزِيدَ وَلِيَّ عَهْدِهِ كَذَا قَالَ وَلَمْ يَأْتِ لَهُ بِمُسْتَنَدٍ وَالْمُعْتَمَدُ مَا صَرَّحَ بِهِ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ ......''②

خلاصہ: عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے جو روایت ذکر کی ہے اس کے مطابق اس حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ ''جب حکمین الگ ہوئے'' یوں ان الفاظ نے مراد واضح کر دی اور اس بات کی تصریح کر دی کہ یہ

① دیکھیں: تحقیق مزید، طبع دوم، صفحہ ۲۳ طبع: الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی۔
② فتح الباري، جلد۷ صفحہ ۴۰۳ دار المعرفة بيروت.

واقعہ صفین کا ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان میں (صلح کے سلسلے میں) آخری ملاقات ہوئی تھی، لیکن عبدالرزاق کی روایت اس بات کو رد کرتی ہے......
اور اس سے بھی زیادہ بعید ابن جوزی کا قول ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس بات کا اشارہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بنائی گئی چھ رکنی شوری میں ان کا کوئی دخل نہ رکھنے سے متعلق تھا، اور دوسری بات کہ جب لوگ منتشر ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، یہ اس وقت سے متعلق ہے جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تھا (ابن حجر کہتے ہیں) ابن جوزی نے اس بات کی کوئی مستند دلیل نہیں پیش کی، لہٰذا قابل اعتماد بات وہی ہے جس کی تصریح عبدالرزاق کی روایت میں ہے۔

یوں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے تو اس قول کا رد کر دیا جس میں اس واقعہ کو سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن (رضی اللہ عنہما) کے درمیان صلح کے وقت کا بتایا گیا تھا، اس کے بعد ''ابن جوزی'' کی بات کو اس سے بھی زیادہ بعید بتا کر اس کا بھی رد کر دیا، جبکہ سید لعل شاہ صاحب اور ان کے خوشہ چین گیلاوی صاحب ابن جوزی کی اس غیر مستند بات کو لے کر چل رہے ہیں، رہی مصنف عبدالرزاق کی وہ روایت جس کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

"عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ مَعْمَرٌ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ وَنَوْسَاتُهَا تَنْطِفُ، فَقُلْتُ: قَدْ كَانَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَيْنَ، وَلَمْ يُجْعَلْ لِي مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ قَالَتْ: فَالْحَقْ بِهِمْ، فَإِنَّهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، وَالَّذِي أَخْشَى أَنْ

يَكُونَ فِي احْتِبَاسِكَ عَنْهُمْ فُرْقَةٌ. فَلَمْ تَدَعْهُ حَتَّى يَذْهَبَ، فَلَمَّا تَفَرَّقَ الْحَكَمَانِ خَطَبَ مُعَاوِيَةُ فَقَالَ: مَنْ كَانَ مُتَكَلِّمًا فَلْيُطْلِعْ قَرْنَهُ"۔①

آپ نے دیکھا کہ اس روایت میں صاف طور پر "فلما تفرق الحکمان" کی صراحت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تحکیم ہو رہی تھی، اور اس وقت تو یزید کی ولی عہدی یا بیعت کا دور دور تک کہیں کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔

یاد رہے! جب ایک حدیث کی تشریح دوسری صحیح حدیث سے ہو جائے تو وہاں کسی شارح کے اپنے قول کی ضرورت نہیں رہتی، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی لیے اسی قول کو صحیح فرمایا ہے جس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت کر رہی ہے، لہٰذا گیاوی صاحب کا اس واقعہ کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑنا بھی درست نہیں، اور ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ان جیسے عالم کی نظر سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات اوجھل رہی ہوگی۔

آمدم برسر مطلب:

الغرض! یزید کی ولی عہدی اور استخلاف سے اختلاف کرنے والے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سمیت چاروں پانچوں ہی صحابہ نے اس سلسلے کے اپنے مکالمات و مذاکرات کے کسی بھی مرحلے میں اپنے اس اختلاف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو قرار نہیں دیا بلکہ ولی عہدی کے طریقِ کار کو قرار دیا۔ اُن کا اختلاف، ولی عہد کی ذات سے ہرگز نہ تھا بلکہ ولی عہدی کے طریقِ کار سے تھا۔ وہ اعتراض یہ نہ کر رہے تھے کہ باپ اپنے فاسق و فاجر اور نالائق و نااہل بیٹے کو اپنا جانشین کیوں بنا رہا ہے، بلکہ ان کا اعتراض باپ کے

① مصنف عبدالرزاق، جلد ۵ صفحہ ۴۸۳ حدیث نمبر: ۹۷۷۹۔

بعد مطلقاً بیٹے کی جانشینی پر تھا، خواہ بیٹا، فاسق و فاجر ہو یا عادل و صالح، چنانچہ ان حضرات نے اس موقع پر جس "هرقلية" و "كسروية" کا حوالہ دیا تھا اس میں بھی دستور اپنے صرف بدکردار و بدچلن اور نالائق و نااہل بیٹوں کو ہی باپوں کے بعد جانشین بنانے کا نہ تھا بلکہ اچھے بُرے ہر قسم کے بیٹوں کو جانشین بنانے کا تھا، اس لئے ان حضرات کا یزید کی ولی عہدی کو "هرقلية" و "كسروية" کہنا ہی بجائے خود اس بات کی کافی اور شافی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں سیدنا حسین کا اپنے ساتھیوں سمیت اختلاف، باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کے حوالہ سے تھا، بیٹے کے فسق و عدل کے حوالہ سے ہرگز نہ تھا۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے یہ مفروضہ نہ جانے کس بنیاد پر پیش کیا کہ:

''مبایعین یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ تھا''۔①

اور پھر ایک جگہ یوں لکھا کہ:

''بنیادی طور پر تاریخی شہادتوں سے یہ متعین ہو گیا کہ اُس زمانہ کے تمام اکابر و اتقیاء خواہ یزید سے بیعت کیے ہوئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں، سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل جانتے تھے''۔②

''اور اس سے بھی زیادہ لائق استعجاب امر یہ ہے کہ یہی قاری صاحب رحمہ اللہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی''۔③

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۹ طبع ادارہ اسلامیات، لاہور۔ ② ایضاً، صفحہ ۱۱۵
③ دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۳۔۸۴۔

یوں ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے یزید کو فاسق سمجھتے ہوئے اس کی بیعت کی تھی اور اسے مستحق عزل سمجھتے ہوئے بھی اپنی بیعت نہیں توڑی تھی۔ اس پر محدث اعظمی رحمہ اللہ نے سوال اٹھایا تھا۔

نوٹ: مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے کہ ''مبایعین یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ تھا'' اور ''سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل جانتے تھے''، (قاری صاحب کے احترام اور علم و فضل کے اعتراف کے باوجود) عرض ہے کہ یہ محض قاری صاحب کا اپنا خیال ہے، جس کا کوئی واضح ثبوت یا کوئی واضح قرینہ صارفہ عن الظاہر انہوں نے بیان نہیں فرمایا، یہ قاری صاحب نے مبایعین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر کی بات کی ہے اور اپنے اندر کی بات وہ صحابہ خود ہی بتا سکتے تھے، تیرہ چودہ سو سال بعد قاری صاحب مرحوم یا کوئی اور نہیں بتا سکتا اور نہ کسی ایسی بے ثبوتی و بے قرینہ بات کسی اور کے لیے واجب التسلیم ہی ہے، خلاف ظاہر ایسی باتیں تو روافض بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی بیعت صرف ظاہری طور پر کی تھی، اور تقیہ کے طور پر ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن اندر سے وہ ان کو (معاذ اللہ) منافق و ظالم اور غاصب ہی جانتے مانتے تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، اپنے ایک مکتوب ''در تحقیق و اثبات شہادت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ موافق قواعد سنیاں'' میں زیر عنوان ''مقدمہ سوم در حقیقت اجماع'' تحریر فرماتے ہیں:

''سوم آں کہ حقیقت اجماع ایں ست کہ ہمہ اہل رائے یک عصر یا زیادہ،
در امرے بایں طور رائے زنند کہ ایں امر بفلاں فلاں وجوہ چنیں ست یا
چناں، نہ فقط عدم مخالفت۔

ترجمہ۔تیسری بات یہ ہے کہ اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دور یا زیادہ کے تمام اہل رائے کسی معاملے میں اس طرح رائے دیں کہ یہ امر فلاں فلاں دلائل کی بنا پر اِس طرح ہے یا اُس طرح ہے (یہ اتفاق یا اجماع کہلائے گا۔ ناقل) صرف مخالفت نہ کرنا اجماع نہیں کہلائے گا''۔①

لہٰذا قاری صاحب رحمہ اللہ کا یزید کے فسق کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان (خواہ وہ مبایعین ہوں یا غیر مبایعین) ''متفق علیہ'' بتانا اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک ان تمام صحابہ وتابعین سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان سب نے یزید کو فاسق وفاجر کہا تھا۔

یہاں یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ کسی مستند آدمی کی ہر کتاب اور ہر بات ہی مستند نہیں ہوا کرتی، امام بخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر حدیث میں کون مستند ہوگا؟ لیکن قاری صاحب تو اگلے جہاں سدھار چکے، گیاوی صاحب ہی فرمائیں کہ صحیح بخاری کے علاوہ امام بخاری کی دیگر کتب خصوصاً "جزء القراءۃ خلف الامام" اور "جزء رفع الیدین" کو آپ بطور حنفی کتنا مستند جانتے مانتے ہیں؟ اس لئے گیاوی صاحب کا بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یزید کے زمانے کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے بعض علماء کے اقوال پیش کرنا کہ فلاں نے یزید کے بارے میں یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ کہا ہے اور فلاں کی رائے یزید کے بارے میں یہ ہے، کسی طرح بھی واجب التسلیم نہیں، اگر ہر شخص کی ہر بات یوں سند کا درجہ حاصل کرنے لگ جائے تو پھر صرف یزید کو ہی نہیں بلکہ اس کے باپ دادا کو بھی بہت کچھ ماننا پڑے گا کیونکہ اہل سنت کے بعض اکابر (مثلاً ابوبکر جصاص، مصنف احکام القرآن) نے ان کے بارے میں بھی وہ کچھ لکھا ہے جو

① قاسم العلوم مع ترجمہ اردو انوار النجوم، صفحہ ۱۵۵ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور۔

میں یہاں نقل نہیں کر سکتا، اور گیاوی صاحب کے علم میں ہوگا کہ ایسے علماء بھی ہیں جنہوں نے یزید کو کافر تک کہا ہے لیکن گیاوی صاحب ان علماء کے علم وفضل کے معترف ہونے کے باوجود ان کی اس بات سے شاید متفق نہ ہوں، گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری نے تو ایک مسئلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ابن جریر، ابن اثیر اور ابن کثیر کی ہستیاں بلند پایہ ہیں لیکن اس مرحلے میں ہم ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں اور ان کے قول کو رد کر دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں''۔①

نیز ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حافظ ابن کثیر اور طبری کی تحقیق بھی درست نہیں''۔②

بلکہ لعل شاہ صاحب نے تو صحیح بخاری کی ایک حدیث کو بھی ''خود ساختہ'' لکھ دیا ہے۔③ لیکن اس کے باوجود (ہمارا ظن غالب اقرب الی الیقین ہے کہ) گیاوی صاحب نے سید لعل شاہ صاحب کی کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لعل شاہ بخاری صاحب نے اپنی کتاب میں قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

''اس کا ایک ایک حرف ہمارے مدعا کی تصدیق ہے''۔

نیز لکھا کہ

''ہم نے اس کتاب میں حکیم الاسلام کے مدعا کی ہی تکمیل کی ہے''۔④

لیکن ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصول شریعت و ضابطہ شہادت کی رُو سے ثابت شدہ

---

① استخلاف یزید، صفحہ ۲۷۵۔
② ایضاً صفحہ ۳۶۴۔
③ ایضاً صفحہ ۳۲۰۔
④ ایضاً صفحہ ۴۴۶۔

فسق و فجور اور شراب نوشی و حرام کاری کے الزامات کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی ہمارا اصولی موقف ہے، خود گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''حالانکہ صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کا خیال اور موقف معلوم کیا جائے''①

لہٰذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی مسلمان پر شراب نوشی اور حرامکاری کا الزام ثابت کرنے کے لیے چونکہ شریعت نے ایک واضح قانون اور ضابطہ مقرر کر رکھا ہے، اس لیے یہاں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کے اپنے خیال یا رائے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ **والعاقل تكفيه الاشارة، وللتفصيل مقام آخر۔**

دوسری بات جس کی وضاحت اس سلسلے میں ضروری ہے، یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا تین یا چار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا، بلکہ سیدنا معاویہ اور ان کے ہمنوا صحابہ وتابعین سے تھا، کیونکہ ولی عہدی کے جس طریقِ کار سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا تھا وہ طریقِ کار یزید کا اختیار کیا ہوا نہ تھا بلکہ صحابہ وتابعین کا اختیار کیا ہوا تھا، صحابہ نے ہی اس کی ولی عہدی کی تحریک وتجویز پیش کی تھی اور صحابہ وتابعین نے ہی اس کی تائید کی تھی، یزید نہ تو اس تحریک وتجویز ولی عہدی کا مدعی تھا اور نہ ہی اس کا اصل محرک ومجوز۔

لہٰذا اس سے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا، بلکہ انہی سے ہوسکتا تھا جو اس طریق کار کے محرک ومجوز اور مؤید ونافذ کنندہ تھے اور وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ وتابعین ہی تھے نہ کہ خود یزید، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۳۸.

ہمنوا تین چار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مد مقابل ان سینکڑوں صحابہ وتابعین کا موقف یہ تھا کہ ولی عہدی کا جوطریقِ کار یزید کے لئے اختیار کیا جارہا ہے یہ "هرقلية" و "كسروية" ہرگز نہیں ہے کیونکہ "ھرقلیت و کسرویت" تو باپ کے بعد بیٹے کی وہ جانشینی ہے جو محض وراثۃً ہو، بیٹے کی لیاقت وقابلیت سے قطع نظر کر کے ہو، رعایا کے عوام وخواص میں سے کسی کی بھی رائے کا اس میں کوئی دخل عمل نہ ہو، بس باپ کے فیصلے کو ہی رعایا پر ٹھونس دیا گیا ہو، جبکہ یہاں معاملہ ایسا نہ تھا، یزید کو محض وراثۃً باپ کا جانشین نہ بنایا جارہا تھا، اس کا تو نہ باپ نے کبھی سوچا تھا اور نہ بیٹے کو اس کا خیال آیا تھا، بلکہ رعایا میں سے ہی بعض صحابہ کی تحریک وتجویز اور تائید کے سامنے چھ رکنی مجلس والی اپنی رائے چھوڑ دی تھی۔

رہی بات اہلیت وقابلیت کی؟ تو یزید فی الواقع ولی عہدی کے اہل وقابل تھا یا نہیں لیکن اس موقع پر ملحوظ اس چیز کو بھی ضرور رکھا گیا تھا، اہلیت وقابلیت کو بالکل ہی نظر انداز کر کے محض خلیفہ کا بیٹا ہونے کی ہی وجہ سے اس کو ولی عہد نہ بنایا گیا تھا۔ چنانچہ مؤرخین کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ میں یہ دعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے تو اس کے لئے اس ولایت کو پورا فرمادے، اور اگر میں نے اس کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس ولایت کو اس کے لئے پورا نہ فرما''۔①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان دونوں موقفوں میں سے کون سا موقف، صحیح یا اصح تھا؟ اس وقت ہماری بحث اس سے نہیں، یہاں تو ہم صرف یہ بتارہے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا بلکہ اپنے ہی ہم عصر دوسرے صحابہ

① البداية، ج ۱۱ ص ۳۰۸ دار هجر.

وتابعین سے تھا، اور اختلاف بھی یزید کی ذات اور اس کے فسق وعدل سے متعلق نہ تھا بلکہ تقررِ خلیفہ کے طریقِ کار سے تھا۔

گیاوی صاحب کے پیش نظر رہے کہ، مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے یزید کی بیعت خلافت کر لی تھی۔①، اگرچہ اس کے بعد قاری صاحب مرحوم نے اس کی دوراز کار یہ تاویل کی ہے کہ انہوں نے فتنہ سے بچنے کے لیے بیعت کر لی تھی، چونکہ ہماری زیر بحث اس وقت وہ کتاب نہیں اس لیے ہم آگے چلتے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محرم سنہ ٦١ ہجری تک (یعنی آپ کی شہادت تک) یزید کی ذات یا کردار کے بارے میں کسی قسم کے فسق و فجور یا شراب نوشی اور زنا کاری کا الزام ثابت نہیں، اگر ہوتا تو گیاوی صاحب اسے ضرور ذکر کرتے، بلکہ الٹا ''ثقہ راویوں'' والی صرف ''صحیح الاسناد'' نہیں بلکہ ''صحیح'' روایت سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کربلا میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے وہاں ایک تجویز یہ بھی پیش کی تھی کہ:

''أن يسيروه إِلَى أَمِير الْمُؤْمِنِينَ، فيضع يده فِي يده''۔②

''کہ انہیں امیر المؤمنین کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیں''۔

اس روایت کو صحیح تاریخ الطبری کے محققین نے صحیح تسلیم کیا ہے: ج ۴ ص ٦٨ نیز ڈاکٹر محمد شیبانی نے مواقف المعارضۃ فی عہد یزید بن معاویہ میں بھی اس کی سند کو صحیح

---

① دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۳۔ ۸۴ طبع ادارہ اسلامیات لاہور پاکستان.

② تاریخ الطبری، ج۵ ص ۳۹۲ دار التراث بیروت.

بتایا ہے: ص ۲۴۲۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف بھی یزید کے فسق و فجور یا اس کی ذات کی وجہ سے نہ تھا، ورنہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جب آپ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھنے کی تجویز دے رہے ہیں تو کیا اس وقت اس کا فسق و فجور ختم ہو گیا تھا؟۔ (لیکن کیا کریں کہ گیاوی صاحب کو ایسی صحیح روایات کتب تاریخ میں نظر نہیں آتیں)۔

حتی کہ وہ حضرات جن کے بارے میں گیاوی صاحب فرماتے ہیں کہ

''انہوں نے سنہ ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ کے موقع پر یزید کی بیعت اس لیے توڑ دی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ یزید شرابی اور فاسق ہو چکا ہے''،

ان حضرات کا بھی سنہ ۶۰ ہجری سے واقعہ حرہ تک یزید کی بیعت میں داخل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ''خلع بیعت'' (بیعت توڑنا) تب ہی ہوتا ہے جب پہلے بیعت کی ہو، چنانچہ گیاوی صاحب خود دانستہ یا نادانستہ یہ لکھ چکے ہیں کہ:

''یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا...... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے......''①

الغرض! بتانا یہ مقصود تھا کہ بیعت لینے کے واقعات دو ہوئے ہیں، ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اور آپ کی خلافت میں یزید کے لیے جانشینی کی بیعت، اور دوسری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی خلافت کی بیعت، لیکن ہوتا یہ ہے کہ مغالطہ دینے کے لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹۔

''فلاں فلاں صحابی نے بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی، اور وہ اسے نا اہل سمجھتے تھے''۔

اور پھر نام بھی وہ گنوائے جاتے ہیں جنہوں نے پہلی بیعت کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا دوسرے صحابہ کرام کی رائے کے ساتھ اختلاف کیا تھا، جبکہ اس اختلاف کا یزید کے کردار یا اس کے فسق و فجور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، اور نہ ہی انہوں نے اس وجہ سے اختلاف کیا کہ وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے، اور یہی کام گیاوی صاحب نے بھی کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی''۔①

لیکن یہ نہیں بتایا کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ تو یزید کی تخت نشینی یعنی سنہ ۶۰ ہجری سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، لہٰذا اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ (جو کہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، اس سے متعلق گیاوی صاحب نے ایک طویل روایت آگے پیش کی ہے اس پر بات ہم آگے کریں گے) کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی تو یہ واقعہ پہلی یعنی ولی عہدی والی بیعت کا ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ یزید کی خلافت والی بیعت کا، لیکن عام قاری کو صرف یہ لکھ کر کہ ''انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی'' دھوکہ دیا جاتا ہے، واضح رہے کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتب میں یوں لکھا ہے:

"ومات بالمدينة سنة إحدى وخمسين۔ وقيل: سنة ثلاث وخمسين، وقد قيل: إن عَمْرو بْن حزم توفي في خلافة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بالمدينة"۔②

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ: ۹۴.

② الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۲ دار الجیل بیروت.

آپ کی وفات سنہ ۵۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اور ۵۳ ہجری بھی کہا گیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

اسد الغابۃ میں ہے:

''وتوفي بالمدينة سنة إحدى وخمسين، وقيل: سنة أربع وخمسين، وقيل: سنة ثلاث وخمسين، وقيل: إنه توفي فِي خلافة عُمَر بْن الخطاب بالمدينة، والصحيح أَنَّهُ توفي بعد الخمسين، لأن مُحَمَّد بْن سِيرِينَ روى أَنَّهُ كلم معاوية بكلام شديد لما أراد البيعة ليزيد''۔①

آپ کی وفات سنہ ۵۱ ہجری میں مدینہ میں ہوئی، اور ۵۴ اور ۵۳ ہجری میں بھی بتائی گئی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوئی، اور صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی ہے، کیونکہ محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت سخت باتیں کی تھیں جب انہوں نے یزید کے لیے بیعت کا ارادہ کیا تھا۔

نوٹ: سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن سیرین کی مروی یہ روایت آگے آرہی ہے، وہاں اس پر مزید عرض کیا جائے گا۔

اور الاصابۃ میں ہے:

''قال أبو نعيم:

مات في خلافة عمر، كذا قال إبراهيم بن المنذر في الطبقات۔ ويقال بعد

① اسد الغابۃ، جلد ۴ صفحہ ۲۰۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

الخمسين"۔①

''ابو نعیم نے کہا ہے کہ ان کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوئی، اسی طرح ابراہیم بن المنذر نے بھی طبقات میں کہا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی''۔

لہٰذا جب سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی وفات بالاتفاق سنہ ۶۰ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی اور یزید کے تخت نشین ہونے کے وقت وہ زندہ ہی نہ تھے تو پھر گیاوی صاحب کو یہ مغالطہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ''انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی''، ان کا فرض تھا کہ وہ ساتھ یہ بھی وضاحت کرتے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب ابھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی۔

کیا خلافت یا امارت کا اہل ہونے کے لیے کسی کا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ترین ہونا ضروری ہے؟

گیاوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اس وقت موجود صحابہ کے مقابلہ میں یزید ہرگز نہ تو اہل تھا اور نہ ہی مناسب، کیونکہ اس سے افضل اور اولی افراد اس وقت خلافت کے لئے موجود تھے، جن کے ہوتے ہوئے یزید قطعاً مناسب اور اہل نہ تھا کیوں کہ اس کا کردار بھی بہت صاف ستھرا نہ تھا، مشکوک کردار کا آدمی تھا، اور میں نے معتبر صحیح اور بے داغ سندوں سے اس کا داغدار کردار پہلے ہی ثابت کر دیا ہے، لیکن وہ سب اس کے دور اقتدار کے سنبھالنے کے بعد کی بات ہے، ولی عہدی کے زمانہ میں مشکوک کردار تاریخی روایت سے

① الاصابة، جلد۴ صفحه ۵۱۱ دار الكتب العلمية بيروت.

ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اس مشکوک کردار کی وجہ سے اگر اس کو فاسق نہیں کہہ سکتے تو بالکل بے داغ کردار والا بھی نہیں تسلیم کر سکتے ہیں...... الخ،،①

عرض ہے کہ، مندرجہ بالا اقتباس میں مغالطے در مغالطے ہیں، گیاوی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت اس طریق کار سے اختلاف رکھنے والے حضرات نے ہرگز یزید کے کردار پر کسی قسم کی انگلی نہیں اٹھائی تھی، اس لئے اب گیاوی صاحب نے نیا لفظ ''مشکوک کردار والا'' لکھا ہے، جبکہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی نے اس وقت یزید کو ''مشکوک کردار والا'' بھی نہیں کہا تھا، یہ سب گیاوی صاحب کے اندر کے جذبات ہیں اور کچھ نہیں، اور کسی مسلمان کو بلا دلیل ''مشکوک کردار'' کا حامل قرار دینا بھی جائز نہیں، لیکن یہاں گیاوی صاحب نے آخر یہ اقرار کر ہی لیا ہے کہ ان کے دلائل کے تھیلے میں یزید کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے کے دور میں اس کے فاسق یا شرابی ہونے کی کوئی پکی دلیل نہیں ہے، اسی لیے وہ صرف ''مشکوک کردار'' کے لفظ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، نیز اپنے اس اعتراف سے انہوں نے اپنی پیش کردہ ''محمد بن زکریا الغلابی'' والی روایت پر بھی پانی پھیر دیا جس میں ہے کہ یزید تو نوجوانی میں شراب پیتا تھا اور اس کے شرابی ہونے کا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی علم تھا، بہرحال ایک مسئلہ تو حل ہوگیا کہ گیاوی صاحب کو اس بات کا اقرار ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات (رجب ۶۰ ہجری) تک تو یزید کے فاسق یا شرابی یا فاجر وزانی ہونے کی کوئی معتبر شہادت ان کے پاس بھی نہیں، اور وہ خود لکھ رہے ہیں کہ جو بزعم خود ''معتبر صحیح اور بے داغ سندوں والی روایات'' انہوں نے پیش کی ہیں وہ سب ''یزید

① گیاوی صاحب کی کتاب: ۱۲۳۔

کے دور اقتدار سنبھالنے کے بعد کی بات ہے'' لہٰذا اب محدث اعظمی رحمہ اللہ کا یہ سوال بجا طور پر بہت اہمیت کا حامل ہو گیا ہے کہ:

''یہ بتانا پڑے گا کہ پھر بیعت کے کتنے دنوں بعد وہ فاسق ہوا تھا''۔①

یہ سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت (محرم ۶۱ ہجری) سے پہلے فاسق ہو گیا تھا، یا اس کے بعد کسی وقت، تا کہ پھر اس کے حساب سے آگے چلا جائے، کہ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اور آج کے بعض لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کربلائی خروج اس وقت ہوا تھا جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ ''یزید خلافت کے لئے نا اہل تھا''، تو یہ بات بھی درست نہیں، کسی آدمی کے زمانہ میں اس سے مرتبہ میں افضل لوگوں کا موجود ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ مفضول کو خلافت اور حکومت کے لیے ''نا اہل'' قرار دیا جائے، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''خلیفہ کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں''۔②

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

''بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل اور دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولی ہو گا''۔③

---

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۴۷.
② تحفہ خلافت، صفحہ ۷۹ طبع تحریک خدام اہل سنت جہلم.
③ ایضاً صفحہ ۸۱

خود یزید کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب شام کا گورنر بنایا گیا تو کیا مرتبہ میں ان سے بڑے صحابہ کرام (سابقون اَولون) موجود نہ تھے؟ اور جب فتح مکہ کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد ''ابوسفیان رضی اللہ عنہ'' کو نجران کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو کیا اس وقت ان سے مقام و مرتبہ میں بڑے صحابہ کرام موجود نہ تھے؟، اور لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی مثال تو سب کے سامنے ہے جس میں جید صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی ماتحتی میں جہاد کے لیے بھیجا تھا، لہٰذا اگر تو یوں کہا جائے کہ ''یزید اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل نہ تھا'' تو درست ہوگا، کہ وہ صحابی نہ تھا، اور اس کے زمانہ میں صحابہ بھی موجود تھے، لیکن اگر اسے یوں بیان کیا جائے کہ ''اپنے سے افضل اور اولیٰ افراد کے ہوتے ہوئے یزید قطعاً اہل نہ تھا'' سراسر زیادتی ہے، اور ان صحابہ کرام کی رائے کو غلط بتانا ہے جو صدق دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے، پھر یزید اپنے والد کی زندگی میں ایسے لشکروں کا امیر رہ چکا تھا جن میں صحابہ کرام بھی شامل ہوتے تھے، ان صحابہ میں سے تو کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ ''ہم اس نااہل کے زیر امارت کیوں جہاد یا حج کریں؟''

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''یزید کو متعدد معارکِ جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیاء کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے''۔①

اور علامہ سید سلیمان ندوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت کا مصداق بتاتے

① مکتوبات شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۸۸ ج ا ص ۲۷۱۔

ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحرِ اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔''①

گیاوی صاحب کا ایک اعتراف اور ایک مغالطہ:

لہٰذا گیاوی صاحب نے اپنی مندرجہ ذیل عبارت میں مجبوراً یہ اعتراف تو کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے بھی یزید کو فاسق و فاجر اور شرابی نہیں کہا، لیکن انہوں نے ساتھ ہی ایک بہت بڑا مغالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے، چنانچہ زیرعنوان ''یزید کی خلافت پر صحابہ کرام کی ناراضگی'' لکھتے ہیں:

''مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ فاجر نہ شرابی، لیکن کسی نے اس کو نا اہل نہ قرار دیا ہو، یہ بات بالکل درست نہیں ہے، حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف بھی ہے، چونکہ جس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کی بیعت لی، ایک سے زیادہ صحابہ کو اعتراض تھا اور اس کے لیے خوشی سے آمادہ بھی نہ تھے......''②

یہاں گیاوی صاحب نے واضح طور پر یہ اعتراف تو کرلیا کہ ''کسی مضبوط اور

① سیرۃ النبی، ج ۲ ص ۳۹۰، ادارہ اسلامیات لاہور۔
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۵

شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے یزید کو فاسق یا فاجر یا شرابی کہا ہو"، اس سے ایک تو ان کی پیش کردہ وہ تمام روایات خود بخود ھباءً منثوراً ہوگئیں جن سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یزید تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی شراب نوشی کرتا تھا، دوسرا جب وہ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید پر کسی کی طرف سے بھی فسق وفجور یا شراب نوشی کا الزام لگانا ثابت نہیں تو یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت جن چند صحابہ کا اختلاف مذکور ہے ان میں سے کسی نے بھی یزید کے فسق وفجور یا شراب نوشی کا ذکر بھی نہیں کیا تھا......

یہی بات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ان حضرات کا اختلاف یزید کی ذات یا اس کے کردار کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ولی عہدی کے اس طریق کار سے تھا، لیکن گیاوی صاحب پھر بھی یہی مغالطہ دے رہے ہیں کہ ان اختلاف کرنے والوں کی وجہ اختلاف یزید کی نا اہلی تھی، یعنی وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی یزید (گیاوی صاحب کے خیال میں) خلافت کا اہل ہوتا، تو یہ حضرات اپنا اختلافی موقف نہ رکھتے، اور باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کو بلا چون وچرا قبول کر لیتے ؟؟ گیاوی صاحب بھی اس بات سے کبھی متفق نہیں ہوں گے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب ان حضرات کا اختلاف یزید کی ذات سے نہیں تھا بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلافت کے لیے نامزدگی پر تھا، تو پھر یزید ہوتا یا کوئی اور، ان کا یہ اختلافی موقف جسے انہوں نے "هرقليه وكسرويه" کے ساتھ بیان کیا تھا پھر بھی اپنی جگہ قائم رہتا۔

لہٰذا جب یزید کی ولی عہدی سے اختلافی موقف رکھنے والے ان چار یا پانچ حضرات کا اختلاف یزید کی ذات سے متعلق تھا ہی نہیں، اور ان میں سے کسی سے یہ

منقول بھی نہیں کہ انہوں نے اپنے بیانیہ میں یزید کی ذات یا اس کے کردار کا ذکر کیا ہو، بلکہ گیاوی صاحب خود بھی مانتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے یزید کے فسق و فجور اور شراب نوشی کا ذکر نہیں کیا تھا، تو پھر یہ کہنا کہ ''وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے'' اور گیاوی صاحب کا یہاں ''یزید کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناراضگی'' کا عنوان لکھنا سراسر ایک مغالطہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں، اگر وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے اور ان کی ناراضگی کا سبب یزید تھا تو اس کی کوئی وجہ بھی تو انہوں نے بیان کی ہوگی؟ وہ کیا ہے؟ لہٰذا گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف بیان کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے بیانات سے یہ ثابت کرتے کہ انہوں نے اپنے اختلاف کی وجہ یزید کی نا اہلی بتائی تھی، اور ان کی ناراضگی کی وجہ یزید کا برا کردار تھا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

گیاوی صاحب کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر رشوت دینے اور زور زبردستی کرنے کا الزام

لیکن کیا کریں، گیاوی صاحب نہ جانے کس ترنگ میں یہ بھی لکھ گئے کہ:

''غرض اس وقت جب ولی عہدی کی بیعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے لئے لے رہے تھے، سیدنا انس، سیدنا ابن عباس، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا سعید بن زید (جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے) سیدنا عمرو بن حزم (رضی اللہ عنہم) اور دیگر بہت سارے صحابہ جو بقید حیات تھے سب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی اور ان میں سے کوئی بھی یزید کی ولی عہدی کو بہ خوشی منظور کرنے کو آمادہ نہ تھا، کیوں کہ یہ حضرات صحابہ، نہ تو یزید کی شخصیت کو اکابر صحابہ کی موجودگی میں خلافت کا اہل سمجھتے

تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اسلام کے شورائی نظام کے مناسب تھا، یہ اقدام جس زمانہ کی بات ہے وہ بہت سے تجربہ کار اور اکابر صحابہ کے ماحول میں اذا وسد الأمر الی غیر أھله فانتظر الساعة کے قبیل سے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو اختیار کر لینا ایک خلاف اولی اقدام تھا اور صحابہ کی بڑی تعداد اس عمل کو غیر مناسب اور یزید کو نا اہل سمجھ رہی تھی پھر بھی کسی ناجائز اور حرام کا ارتکاب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے لازم نہیں آتا تھا، لیکن اس وقت کے ماحول میں یزید خلافت کا اہل اور قابل امیدوار بھی نہ تھا کہ اس کی تعریف کی جائے بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام میں زور اور زر کا بھی استعمال کرنا پڑا۔''①

قارئین محترم! یہ ہے گیاوی صاحب کے اندر کی بات، جو آخر باہر آ ہی گئی، وہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور چار پانچ کے سوا اس وقت موجود ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنا غصہ آخر ظاہر کر ہی بیٹھے جنہوں نے اس وقت کے حالات کے پیش نظر یزید کی ولی عہدی کی تجویز کو بخوشی قبول کیا، گیاوی صاحب قیامت تک زور لگا لیں، تمام غیر ثابت اور منقطع روایات بھی جمع کر لیں لیکن وہ ایسے دس صحابہ کرام کے نام بھی نہیں گنوا سکتے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی ہو، پھر گیاوی صاحب ان چار پانچ کے علاوہ دیگر ''بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم '' پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، اور پھر یہی نہیں ایک ہی سانس میں ان چند صحابہ کرام پر بھی جھوٹ باندھ دیا جنہوں نے ولی عہدی اور جانشینی کے اس

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۰۔۱۲۱۔

طریق کار سے اختلاف کیا تھا کہ ان کا یہ اختلاف یزید کی ذات کی وجہ سے تھا یعنی گیاوی صاحب کے نزدیک اگر یزید ان حضرات کے نزدیک خلافت کا اہل ہوتا تو انہیں کوئی اختلاف نہ ہوتا؟۔ یہی گیاوی صاحب کی غلطی ہے کہ وہ ان چار پانچ صحابہ کے اجتہادی اختلاف کو یزید کی ذات اوراس کی نااہلی کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔

پھر گیاوی صاحب نے اپنی اوقات سے بڑھ کر یہاں صحابہ کرام کو ''شورائی نظام'' سکھانا چاہا ہے، ہمارا دعوی ہے کہ خلیفہ وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کے بعد ہی ولی عہدی کی اس تجویز کو پیش کیا تھا۔ اور گیاوی صاحب اس بات سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے کہ کم ازکم سیدنا معاویہ اوران کے ساتھی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک جنہوں نے یزید کی جانشینی کی تجویز دی تھی اور پھر اسے قبول بھی کیا تھا، یزید خلافت کے لیے ہر طرح سے اہل تھا، خود گیاوی صاحب یہ لکھ آئے ہیں کہ:

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ہی رائے پر قائم رہے اوران کی رائے میں یزید بالکل اہل اور خلافت کا حقدار تھا''۔①

تو گیاوی صاحب کی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اوقات ہے کہ وہ اپنے قد سے بڑھ کر بولنے لگے؟ اور پھر آپے سے باہر ہوکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی لگانے لگے کہ انہوں نے یزید کی بیعت لینے کے لئے زور، زبردستی اور دولت و پیسے کا بھی استعمال کیا (دوسرے لفظوں میں رشوت دینے کے مرتکب ہوئے)۔ اور پھر اپنے اس الزام کے حق میں ''زبیر بن بکار'' کے حوالے سے ایک ایسی روایت پیش کرنے لگے جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۹.

''اس سند میں کوئی جان نہیں ہے''۔①

اور اس کے بعد چھ سو سال بعد پیدا ہونے والے علامہ ذہبی کی بات کو پیش کر رہے ہیں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین، سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے جبراً وقہراً بیعت لی تھی اور وہ لوگ مجبور و عاجز ہو گئے''۔②

قارئین محترم! یہی گیاوی صاحب ہمیں پہلے یہ تأثر دیتے رہے کہ فلاں فلاں صحابہ نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا تھا اور اس کی بیعت نہیں کی تھی، اب یہی گیاوی صاحب ہمیں علامہ ذہبی کے حوالے سے یہ بتا رہے ہیں کہ نہ صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بلکہ خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی جبراً وقہراً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مغلوب ہو کر یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔

ہم تو علامہ ذہبی کی اس بات سے ایک فیصد بھی متفق نہیں، کیونکہ ہماری رائے میں سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی ولی عہدی والی بیعت نہیں کی تھی۔لیکن ہم گیاوی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے زبردستی اور جبراً یزید کی ولی عہدی والی بیعت کر لی تھی، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب آپ کے مطابق یزید نے بھی انہیں بیعت کرنے پر مجبور کیا تو یہاں انہوں نے کیوں جبراً وقہراً بیعت نہ کی؟ جبکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ صرف وہ دو ہی ایسے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت خلافت نہیں کی، ہے کوئی جواب؟

①② گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲.

باقی اہل سنت کے نزدیک خلافت کا اہل ہونے کے لیے کسی کا مرتبہ کے لحاظ سے اپنے عصر میں سب سے افضل ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر کوئی مفضول، امور حکومت چلانے میں افضل سے زیادہ ماہر ہو تو حکومت چلانے کا وہی زیادہ اہل ہوگا، ایسی مثالوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اور گیاوی صاحب کی یہ بات بلا دلیل ہے کہ

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد یزید کو نا اہل سمجھ رہی تھی''۔

بڑی تعداد سے ان کی مراد اگر چار یا پانچ صحابہ ہیں تو ان سے ہی ثابت کر دیں کہ انہوں نے اس وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ ان کی نظر میں یزید خلافت کے لیے نا اہل تھا، ورنہ گیاوی صاحب اپنے مفروضے اپنے پاس رکھیں۔

پھر اسی جگہ گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''مجمع الزوائد کے حوالہ سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا اعتراض کرنا گذر ہی چکا ہے اور تمام تاریخی بیانات سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی متفق ہیں کہ اس کام کے لیے بخوشی آمادہ نہیں تھے، عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت نہیں کی تھی، سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے صاف کھل کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی جس کا تذکرہ بسند صحیح مسند ابویعلی میں موجود ہے جو تاریخی بات بھی نہیں بلکہ حدیثی سند سے ثابت ہے......''۔①

یہاں گیاوی صاحب نے مجمع الزوائد کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے جس اعتراض کی طرف اشارہ کیا ہے وہ انہوں نے اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جس وقت یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لے رہے تھے،

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۵۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث سنائی تھی:

"وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ فِي الْكَلَامِ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا فِي بَيْعَةِ يَزِيدَ: وَأَنْتَ يَا مُعَاوِيَةُ أَخْبَرْتَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: إِذَا كَانَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَتَانِ فَاقْتُلُوا آخِرَهُمَا"۔①

(ترجمہ از گیاوی صاحب) سیدنا سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن الزبیر نے اس گفتگو کے دوران جو اِن کے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی (طباعت کی غلطی ہے، درست "کے درمیان ہوئی" ہونا چاہیے ناقل) فرمایا جبکہ سیدنا معاویہ، یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت کر رہے تھے: اے معاویہ! آپ نے ہی سنایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو آخری والے کو قتل کر دو۔②

اس روایت میں (بفرض صحت) صرف یہ بیان ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود خلیفہ ہوتے ہوئے، یزید کی ولی عہدی یا اپنے بعد جانشینی کی بیعت لینا چاہی تو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خلیفہ کی بیعت لینا سمجھا، اور اسی بنیاد پر اس حدیث نبوی کا حوالہ دیا، گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خلیفہ کی بیعت لینا درست نہیں، اب گیاوی صاحب بتائیں کہ اس میں یزید کی خلافت کے لیے نا اہلی کا کہاں ذکر ہے؟ اور ہمیں اس بات سے کب انکار ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان چند حضرات میں سے ہی تھے جنہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا تھا اور یہ بیعت نہیں کی تھی، لہٰذا سیدنا عبداللہ بن

① رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ، ورجاله ثقات۔
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱۔ ۹۲۔

زبیر رضی اللہ عنہما کے اس اعتراض کا تعلق کسی طرح بھی یزید کی ذات سے نہیں تھا، اگر یزید کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہ یہی اعتراض کرتے۔

نوٹ: یہ روایت چونکہ سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ سنہ ۹۵ ہجری میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوئے اور اس وقت ان کی عمر ۴۹ سال تھی۔① ، یوں سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی ولادت تقریباً سنہ ۴۶ ہجری بنتی ہے، اور ہم گیاوی صاحب کے لئے خاص طور پر ان کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کس سنہ میں لینا شروع کی؟ تو غور سے پڑھیں، سید لعل شاہ بخاری صاحب کیا لکھتے ہیں:

''تاریخ استخلاف یزید میں مؤرخین کے دو قول ملتے ہیں، سنہ ۵۰ ہجری اور سنہ ۵۶ ہجری، اول الذکر قول کو جلال الدین سیوطی اور ثانی الذکر کو ابن جریر طبری، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے...... میرے احاطہ علم میں کوئی تیسرا قول نہیں تاہم تاریخی حقائق کے پیش نظر متذکرہ بالا دونوں قول غلط ہیں، استخلاف یزید کی تجویز کس تاریخ کو پیش کی گئی اور بیعت استخلاف یزید کس تاریخ کو تکمیل تک پہنچی؟ اس میں کوئی حتمی اور قطعی دلیل تو نہیں مگر جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے سنہ ۴۴ ہجری کے کسی مہینہ میں تجویز پیش ہوئی اور سنہ ۵۹ ہجری کے اواخر تک بجز چند زعماء مدینہ کے عامۃ الناس نے طوعاً وکرہاً بیعت کر لی۔②

---

① دیکھیں: تہذیب التہذیب، جلد ۴ صفحہ ۱۱ طبع دائرۃ المعارف، الهند۔

② استخلاف یزید، صفحہ ۲۷۴۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ سنہ ۴۴ ہجری میں تو سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی ابھی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، اور اگر سنہ ۵۰ والا قول لیا جائے تو اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴ سال تھی، اور اگر سنہ ۵۶ والا قول لیا جائے تو ان کی عمر دس سال تھی، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی عمر تقریباً ۱۴ سال بنتی ہے، یوں بظاہر یہی لگتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والا یہ مکالمہ سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کسی اور سے سنا ہے، جس کا نام روایت میں ذکر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال اس مکالمہ کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس میں یزید کی ذات یا اس کی نااہلی کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں، اور اسے ''یزید کی خلافت پر صحابہ کرام کی ناراضگی'' کا عنوان دینا علمی دھوکہ ہی ہے۔

نوٹ: ہم لعل شاہ بخاری صاحب کے سنہ ۴۴ ہجری والی بات سے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ صحیح یہی سمجھتے ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تحریک کا معاملہ سنہ ۵۰ ہجری کے بعد کا ہی ہے۔

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

جہاں تک گیاوی صاحب کا یہ لکھنا ہے کہ

''عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی''

اور پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

''سیدنا سعید بن زید کے بیعت نہ کرنے کی تفصیل کے لیے دیکھئے مستدرک حاکم ج ۴ ص ۹۴۷ والطبرانی والتاریخ الصغیر للبخاري''۔

تو ہم نے مستدرک حاکم میں یہ روایت دیکھی تو وہ کچھ یوں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ مُصْلِحٍ الْفَقِيهُ بِالرِّيِّ، ثَنَا مَحْمُودُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: بَعَثَ مُعَاوِيَةُ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ بِالْمَدِينَةِ لِيُبَايِعَ لِابْنِهِ يَزِيدَ، وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ غَائِبٌ فَجَعَلَ يَنْتَظِرُهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ لِمَرْوَانَ: مَا يَحْبِسُكَ؟ قَالَ: حَتَّى يَجِيءَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ، فَإِنَّهُ كَبِيرُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، فَإِذَا بَايَعَ بَايَعَ النَّاسُ، قَالَ: فَأَبْطَأَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ حَتَّى أَخَذَ مَرْوَانُ الْبَيْعَةَ، وَأَمْسَكَ سَعِيدٌ عَنِ الْبَيْعَةِ"۔①

خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ ان کے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت لے تو اس وقت سیدنا سعید بن زید وہاں نہیں تھے، تو مروان ان کے آنے کا انتظار کرنے لگا، اہل شام میں سے ایک آدمی نے مروان سے کہا کہ آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ (یعنی لوگوں سے بیعت کیوں نہیں لے رہے؟) تو مروان نے کہا کہ سیدنا سعید بن زید کو آنے دو، وہ مدینہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں، اگر انہوں نے بیعت کر لی تو باقی لوگ بھی بیعت کر لیں گے، راوی کہتا ہے کہ: سعید بن زید نے دیر کر دی یہاں تک کہ مروان نے لوگوں سے بیعت لے لی، اور سعید بن زید بیعت سے رکے رہے۔

میرا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ اس روایت میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس لیے بیعت سے رکے رہے کہ یزید فاسق و فاجر اور شرابی تھا؟ یا انہوں نے یہ فرمایا کہ: یزید نا اہل ہے اس لئے میں بیعت نہیں کرتا؟۔

①مستدرک حاکم، جلد۳ صفحہ ۶۹۴ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

اس بات کا یزید کے کردار سے کیا تعلق ہے؟؟

پھر اس روایت میں ایک راوی ''عطاء بن سائب'' ہیں، اور ''عطاء بن سائب'' کے بارے میں آتا ہے کہ یہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اسی لیے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ:

''من سمع منه قديما فسماعه صحيح ومن سمع منه حديثا لم يكن بشيء سمع منه قديما سفيان وشعبة وسمع منه حديثا جرير وخالد وإسماعيل وعلي بن عاصم"

جس نے ان سے پہلے زمانہ میں حدیث سنی اس کا سماع صحیح ہے، اور جس نے بعد میں (یعنی اختلاط اور سوء حافظہ کے بعد) سنی وہ احادیث کچھ بھی نہیں، اور پہلے زمانہ میں ان سے سفیان اور شعبہ نے حدیث سنی ہے، جبکہ (اختلاط اور سوء حفظ کے بعد والے زمانے میں) ان سے جریر، خالد، اسماعیل اور علی بن عاصم نے سنی ہے۔

امام یحییٰ بن سعید نے کہا:

"لا يحتج به" ان کی حدیث سے حجت نہ پکڑی جائے۔

امام بخاری نے کہا:

"أحاديث عطاء بن السائب القديمة صحيحة"

عطاء بن سائب کی پرانی (یعنی زمانہ اختلاط اور سوء حفظ سے پہلے کی) احادیث صحیح ہیں۔

امام نسائی نے کہا:

"ثقة في حديثه القديم، لكنه تغير"

جو اِن کی پرانی احادیث ہیں اس میں وہ ثقہ ہیں، لیکن بعد میں ان میں تغیر واقع ہو گیا تھا۔

یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ:

"وجميع من سمع من عطاء سمع منه في الاختلاط الا شعبة والثوري"

سوائے شعبہ اور سفیان ثوری کے باقی سب کا سماع عطاء بن سائب سے اختلاط کے زمانہ کا ہی ہے۔

عجلی کا کہنا ہے کہ:

فأما من سمع منه بآخره فهو مضطرب الحديث منهم هشيم وخالد الواسطي"

جس جس نے ان سے ان کی آخری عمر میں حدیث سنی ہے، تو ان کی حدیث میں اضطراب ہے، اور ان آخری عمر میں سننے والوں میں ہشیم اور خالد واسطی بھی ہیں۔

وذكر العقيلي أن حماد بن سلمة ممن سمع منه بعد الاختلاط۔ قال ابن القطان: وكذلك جرير وخالد بن عبد الله وابن علية وعلي بن عاصم وبالجملة أهل البصرة فإن أحاديثهم عنه مما سمع بعد الاختلاط لأنه قدم عليهم في أخرة عمره

عقیلی نے ذکر کیا ہے کہ حماد بن سلمہ ان میں سے ہیں جنہوں نے عطاء بن سائب سے اختلاط کے بعد حدیث سنی ہے، ابن قطان نے کہا کہ: اسی طرح جریر، خالد بن عبداللہ، ابن علیہ، علی بن عاصم کا سماع بھی اختلاط کے

بعد کا ہے، بلکہ تمام اہل بصرہ کا سماع ان سے اختلاط کے بعد کا ہی ہے
کیونکہ وہ بصرہ میں آخری عمر میں آئے تھے۔①

اور اس روایت میں ''عطاء بن السائب'' سے روایت کرنے والا ''خالد الواسطی'' ہی ہے، جس کے بارے میں تصریح ہے کہ اس کا سماع ان سے اختلاط کے بعد کا ہے، لہٰذا امام احمد بن حنبل کے مطابق یہ روایت "ليس بشيء" (کچھ بھی نہیں)، شاید اسی لیے امام ذہبی "تلخيص المستدرك" میں اس روایت پر خاموش رہے ہیں۔

یاد رہے، سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات صحیح قول کے مطابق سنہ ۵۰ یا ۵۱ ہجری میں ہوئی۔②

لہٰذا جب سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی خلافت کی بیعت ہوئی تو اس وقت وہ زندہ نہیں تھے۔

سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کی طرف منسوب روایت:

اسی عنوان کے تحت، گیاوی صاحب نے ''محمد بن سیرین رحمہ اللہ'' سے مروی ایک طویل روایت بحوالہ مسند ابی یعلی الموصلی نقل کی ہے، اور اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ صحابی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کے معاملہ پر کھل کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، ہم پہلے یہ بات باحوالہ بیان کر آئے ہیں کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے سن وفات میں اختلاف ہے، ابونعیم اور ابراہیم المنذر کے قول کے مطابق آپ کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہو چکی تھی، جبکہ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

① تفصیل کے لیے دیکھیں: میزان الاعتدال، جلد۳ صفحہ ۷۰ دار المعرفة بیروت / تهذيب التهذيب، جلد۷ صفحہ ۲۰۳ دائرة المعارف، الهند / كتاب المختلطين للعلائي، صفحہ ۸۲ مكتبة الخانجي القاهرة۔

② الاستيعاب، جلد۲ صفحہ ۶۲۰ دار الجيل بیروت / أسد الغابة، جلد۲ صفحہ ۴۷۶ دار الكتب العلمية بیروت / الاصابة، جلد۳ صفحہ ۸۸ دار الكتب العلمية بیروت۔

آپ کی وفات سنہ ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی، لہٰذا اگر ابونعیم اور ابراہیم المنذر کا قول لیا جائے تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے (اور ہم آگے بیان کریں گے کہ اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ ان کے بیٹے ''محمد بن عمرو بن حزم'' کا ہے) بہر حال آیئے گیاوی صاحب کی پیش کردہ روایت پر ایک نظر ڈالتے ہیں (چونکہ یہ روایت بہت طویل ہے اس لیے ہم صرف اردو میں اس کا خلاصہ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں)،

مسند ابی یعلی میں اس روایت کی سند یوں بیان کی گئی ہے:

"حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقِ بْنِ أَسْمَاءَ الْجَرْمِيُّ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ مُعَاوِيَةُ أَنْ يَسْتَخْلِفَ يَزِيدَ بَعَثَ إِلَى عَامِلِ الْمَدِينَةِ أَنْ أَفِدْ إِلَيَّ مَنْ شَاءَ، قَالَ: فَوَفَدَ إِلَيْهِ عَمْرُو بْنُ حَزْمٍ الْأَنْصَارِيُّ... الی آخر الروایۃ"۔

خلاصہ اس ساری روایت کا یہ ہے کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو مدینہ کے عامل کو پیغام بھیجا کہ مدینہ کے لوگوں میں سے جسے مناسب سمجھو، میرے پاس بھیجو، چنانچہ اس نے عمرو بن حزم انصاری کو بھیجا، جب آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے تو اندر جانے کی اجازت طلب کی، دربان نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ عمرو بن حزم آئے ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"مَا جَاءَ بِهِمْ إِلَيَّ؟ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، جَاءَ يَطْلُبُ مَعْرُوفَكَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَلْيَكْتُبْ مَا شَاءَ فَأَعْطِهِ مَا سَأَلَكَ، وَلَا أَرَاهُ"

انہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی ہے؟ دربان نے کہا: امیر المؤمنین! وہ آپ کی نوازش کے طالب ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو وہ جو چاہیں اپنی حاجت لکھ دیں اور تم انہیں وہ سب دے دو جو وہ مانگیں، میرے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں تو دربان نے باہر نکل کر عمرو بن حزم سے کہا کہ آپ کو جو بھی ضرورت ہے لکھ دیں، اس کے جواب میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سبحان اللہ! میں امیر المؤمنین کے دروازے تک آ جاؤں اور ان سے ملاقات نہ ہو سکے؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اور بات کرنا چاہتا ہوں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربان سے کہا کہ انہیں فلاں دن کا وقت دے دو اور کہو کہ فجر کی نماز کے بعد آ جائیں، لہٰذا مطلوبہ دن، فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایوان میں ایک کرسی منگوا کر رکھوائی اور تمام لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا اور وہاں وہ ایک کرسی ہی بچی جو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے رکھوائی گئی تھی، چنانچہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی جو کہ دے دی گئی، وہ سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گئے، تو ان سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: آپ کی کیا ضرورت ہے؟ تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہما نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر کہا: بے شک یزید قریش میں اچھے خاندان والا ہے اور مال و دولت اور اس جیسی چیزوں سے بھی بے نیاز ہو چکا ہے، البتہ ہر بھلائی کا وہ بھی حق دار ہے (بھلائی سے بے نیاز نہیں ہوا)، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: اللہ نے اپنے جس بندے کو بھی نگہبان مقرر کیا

ہے قیامت کے دن اس بارے میں اس سے سوال ہوگا کہ اس نے کیسے نگہبانی کی؟، اور اے معاویہ! امت محمدیہ کے لیے آپ جسے ولی عہد بنائیں گے اس بابت بھی آپ کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سانس چڑھنے لگی اور حالانکہ سردی کا موسم تھا لیکن آپ کو پسینہ آنے لگا اور آپ نے تین بار اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا، اور پھر اپنے آپ پر قابو پایا، اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور کہا: آپ نصیحت کرنے والے شخص ہیں، آپ نے اپنی رائے سے جو کہنا تھا وہ کہا، خواہ کتنی ہی بڑی بات کہی ہے...... آپ اپنی حاجت بیان کریں،

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا: میری کوئی حاجت نہیں ہے، پھر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی (روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھائی بھی ساتھ تھے) نے کہا: کیا ہم مدینہ سے چند کلمات کہنے کی خاطر سفر کی مشقتیں جھیل کر آئے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں تو ان کلمات کے ہی کے لیے آیا ہوں، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں انعامات دینے کا حکم صادر کیا اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھی ویسے ہی انعامات دیئے گئے۔①

ابھی ہم اس روایت کی سند کو ایک طرف رکھتے ہیں اور اس کے متن پر غور کرتے ہیں، اس واقعہ کے شروع میں بیان کیا جا رہا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے عامل کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ مدینہ سے کسی کو ہمارے پاس بھجوایا جائے، اور اس شاہی فرمان پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے عامل نے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن آگے یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچ کر اجازت طلب کرتے ہیں تو

① مسند ابی یعلی الموصلی، جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۱ دار المامون للتراث دمشق.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، پہلے تو دربان سے پوچھتے ہیں کہ ان کی حاجت کیا ہے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ ان سے کہو کہ اپنی حاجت لکھ دیں اور جو حاجت بھی وہ لکھیں اسے پورا کردو، میں ابھی ان سے نہیں مل سکتا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے خود کسی کو مدینہ سے بلوائیں اور پھر ان سے ملنے سے معذرت بھی کریں، بلکہ یہ سوال کریں کہ ان کی حاجت کیا ہے؟ نیز عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ بھی یہ نہ کہیں کہ: اگر ملنا نہیں تھا تو ہمیں طلب کیوں کیا؟ اس کے بعد جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ: آپ کی کیا حاجت ہے؟، عجیب بات ہے کہ خود ہی طلب بھی کیا ہے اور خود ہی یہ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کی حاجت کیا ہے؟، اس کے بعد روایت کے آخر میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی کی جو گفتگو نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت عامل مدینہ کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ اپنی ذاتی مرضی سے آئے تھے، یوں روایت کا یہ آخری حصہ بھی، روایت کے شروع کے حصہ سے متصادم ہے۔

اب آیئے ہم آپ کی توجہ ''تاریخ ابن عساکر'' میں صحیح سند کے ساتھ مروی ایک اور روایت کی طرف مبذول کرتے ہیں، جس میں یہی واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کے متن میں ایسا کوئی اضطراب بھی نہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی نہیں تھے، بلکہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بیٹے ''محمد بن عمرو بن حزم'' اور ان کے ساتھ ان کے دوسرے بھائی ''عمارہ بن عمرو بن حزم'' تھے، روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں:

"ثنا أبو بكر بن أبي الدنيا حدثني أبو جعفر العكلي ثنا إسماعيل بن إبراهيم عن ابن عون حدثني عمر بن كثير بن أفلح قال خرج محمد بن

عمرو ابن حزم وأخوه عمارة بن حزم فقدما على معاوية فرأهما ذات يوم فقال متى قدمتما قالا منذ كذا و كذا قال أفلا تلقياني بحاجتكما قالا وددنا قال فميعادكما غدا بالغداة فلما أصبحا جعل محمد يتهيأ للغدو ويقول عمارة اذكر كذا أذكر كذا قال فحضرا الباب فأذن لهما ومعاوية جالس على كرسي فتشهد محمد ثم قال أما بعد فإنه والله ما في الأرض اليوم نفس هي أعز علي من نفسك سوى نفسي وما في الأرض اليوم نفس أحب إلي رشدا من نفسك سوى نفسي وإن يزيد بن معاوية قد أصبح غنيا إلا عن كل خير أصبح واسط الحسب في قريش وأصبح غنيا في المال وأن الله سائل كل راع عن رعيته وأنك مسؤول عن رعيتك فانظر عباد الله من تولي أمرهم ثم استغفر فلقد رأيت معاوية أخذه بهر وإنا لفي يوم شات ثم تنفس ثم تشهد ثم قال أما بعد فإنك امرؤ ناصح وإنما قلت برأيك والله ما كان عليك إلا ذلك وإنما بقي ابني وأبناؤهم فابني أحق من أبنائهم ارتفعا راشدين فلما خرجا أقبل عمارة على أخيه فقال فما ضربنا أكباد الإبل من المدينة إلا لهذا أفي يزيد بن معاوية؟ ما كنت تستقبله بشيء أشد مما استقبلته به فلما أكثر عليه قال حسبك أكل هذا ليظنك أنك ستعطى قال فتركنا كذا وكذا لا يلتفت إلينا ثم أرسل إلينا أن ارفعا حوائجكما قال فرفعنا حوائجنا وأعطانا ما شاء لنا"۔①

اس روایت میں یہ ذکر ہی نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے عامل کو حکم دیا تھا کہ مدینہ سے ان کے پاس کسی کو بھیجیں، اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ وہ جب سیدنا معاویہ

①تاریخ ابن عساکر، جلد ۵۵ صفحہ ۵ طبع دار الفکر بیروت۔

رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ان سے ملنے سے معذرت کی، بلکہ یہ ذکر ہے کہ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھ لیا تو ان سے پوچھا کہ تم کب آئے ہو؟ اور پھر فرمایا کہ: مجھ سے ملاقات کے لیے نہیں آؤ گے اور اپنی حاجت نہیں بیان کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ خواہش رکھتے ہیں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دوسرے دن صبح کا وقت دیا اور پھر وہی ان کے لیے کرسی رکھوانے کا ذکر ہے اور ''محمد بن عمرو بن حزم'' سے وہی باتیں منقول ہیں جو مسند ابی یعلی کی روایت میں ذکر کی گئیں، اور پھر آخر میں ''محمد بن عمرو بن حزم'' کے بھائی ''عمارہ'' کا یہ کہنا منقول ہے کہ کیا ہم مدینہ سے تھکا دینے والا سفر کر کے اس کام کے لیے آئے تھے؟ اور پھر یہ بھی ذکر ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے اپنی ضرورت بیان کی اور ان کی ضرورت پوری کی گئی۔

اور اسی جگہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے واضح طور پر ''محمد بن عمرو بن حزم'' کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"ووفد على معاوية هو وأخوه عمارة بن عمرو وقيل إن القادم أبوه وعمه عمارة بن حزم ولم يصح ذلك"①

اور (محمد بن عمرو بن حزم) اور ان کے بھائی عمارہ بن عمرو، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے، اور کہا گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے ان کے والد (یعنی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ناقل) اور ان کے چچا عمارہ بن حزم آئے تھے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

لیجئے! حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے صاف لکھ دیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے سیدنا عمرو بن حزم اور ان کے بھائی نہیں تھے بلکہ عمرو بن حزم کے دو بیٹے

① تاریخ ابن عساکر، جلد ۵۵ صفحہ ۵.

''محمد بن عمرو'' اور ''عمارہ بن عمرو'' تھے، اس بات کی تائید ان اقوال سے بھی ہوتی ہے جن کے مطابق سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی وفات خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں ہو چکی تھی۔

بنا بریں یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ مسند ابی یعلی والی روایت میں جو واقعہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی زبانی نقل کیا گیا ہے، وہ محمد بن سیرین نے خود نہیں دیکھا بلکہ کسی اور سے سنا ہے، خاص طور پر جبکہ علماء نے یہ بات ذکر کی ہے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ، صحابہ سے ارسال کرنے میں کافی مشہور ہیں، اور انہوں نے ان صحابہ سے بھی روایت بیان کی ہے جن سے ان کا ملنا ثابت نہیں، مثال کے طور امام ابو حاتم رازی کے بیٹے ابن ابی حاتم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

سُئِلَ أَبِي عَنِ ابْنِ سِيرِينَ سَمِعَ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَدْ أَدْرَكَهُ وَلَا أَظُنُّهُ سَمِعَ مِنْهُ ذَاكَ بِالشَّامِ وَهَذَا بِالْبَصْرَةِ"①

میرے والد سے سوال کیا گیا کہ کیا ابن سیرین نے سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگرچہ انہوں نے سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے لیکن میرا نہیں خیال کہ ان سے حدیث سنی ہو، کیونکہ وہ (یعنی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ) شام میں تھے اور یہ (یعنی محمد بن سیرین) بصرہ میں رہتے تھے۔

یاد رہے! سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بات چیت کا واقعہ بھی شام کا ہے۔ اور یہ بات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کسی روایت کے تمام راوی ثقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ روایت بھی صحیح ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی

① المراسیل لابن ابي حاتم، صفحہ ۱۸۶ طبع مؤسسة الرسالة بیروت، یہیں ان دیگر صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے جن سے محمد بن سیرین کا روایت کرنا مذکور ہے اور ان سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

روایت کے تمام راوی تو ثقہ ہوں لیکن وہ کسی اور علت مثلاً انقطاع فی السند یا متن کے اضطراب کی وجہ سے صحیح نہ ہو۔

گیاوی صاحب کا ایک علمی دھوکہ:

الغرض! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات چیت، صحابی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی کی ہوئی ہو، یا ان کے بیٹوں محمد بن عمرو اور عمارہ بن عمرو کی ہو، اس میں یزید کی مذمت کا کوئی پہلو سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اخلاص کی نصیحت کی ہے کہ آپ جس کو بھی اپنا جانشین مقرر کریں اس بارے میں آپ اللہ کو جواب دہ ہوں گے لیکن یہ کام سوچ سمجھ کر کریں، جس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو سنا اور اس کا احترام کیا اور جواب میں اپنے موقف کی وضاحت فرما دی، جو اسی روایت میں مذکور ہے، لیکن گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''سیدنا عمرو بن حزم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کی ولی عہدی کے وقت غیر مبہم اور کھلے الفاظ میں مخالفت کی اور اس کی نااہلیت کو واضح کر دیا تھا، غَنِيًّا إِلَّا عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اور وَإِنِّي أُذَكِّرُكَ اللهَ يَا مُعَاوِيَةُ فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَنْ تَسْتَخْلِفُ عَلَيْهَا''۔①

> ''یعنی اے معاویہ! تم کو نبی کی امت کے معاملہ میں خدا کو یاد دلاتا ہوں، تم امت پر کس کو خلیفہ بنانا چاہ رہے ہو''۔

گیاوی صاحب بتائیں کہ ان الفاظ میں کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ ''سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے یزید کی نااہلیت کو واضح کیا؟'' اور

"غنیاً الا عن کل خیر" کا مفہوم گیاوی صاحب کیا سمجھتے ہیں؟ اس کا ترجمہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۸.

انہوں نے خود یوں کیا ہے: ''خیر کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے''، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ بھی ہر خیر اور بھلائی کا حق دار ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یزید میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں پائی جاتی تھی ...... پھر سیدنا عمرو بن حزم نے (گیاوی صاحب کی پیش کردہ روایت کے مطابق) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صرف یہ نصیحت کی ہے کہ آپ جسے بھی امت پر خلیفہ بنانے جا رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ کا خوف ملحوظ رکھیں کیونکہ آپ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ مطلقاً کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے خلاف نہ تھے، بلکہ یہ نصیحت کر رہے تھے کہ جسے بھی اپنا جانشین بنائیں اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ بچار کر کے فیصلہ کریں۔

گیاوی صاحب کا ایک اور علمی مغالطہ:

گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے خود بھی یزید کی ولی عہدی تسلیم نہ کی، نہ اس کی خلافت کی بیعت کی بلکہ ان کے صاحبزادہ محمد بن عمرو بن حزم جو صحابی تھے، وہ بھی اپنے والد کے طریقہ پر قائم رہے اور جب یزید کی بدعملی اور بدکرداری کھل کر سامنے آئی تو یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ رہے، وہ یزید کے خلاف لڑتے ہوئے واقعہ حرہ میں شہید ہوئے''۔[1]

یہاں گیاوی صاحب کی کاریگری قابل داد ہے، لکھتے ہیں کہ

''سیدنا عمرو بن حزم نے یزید کی خلافت کی بیعت نہ کی''،

جبکہ ہمارا دعوی ہے کہ یزید کی بیعت خلافت کے وقت سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ زندہ

[1] گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹.

ہی نہ تھے، اگر گیاوی صاحب کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ جب یزید کی خلافت کی بیعت لی گئی (جو کہ سنہ ۶۰ ہجری کی بات ہے) تو اس وقت سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ زندہ تھے، تو وہ پیش کریں۔

پھر گیاوی صاحب یہاں ان کے بیٹے ''محمد بن عمرو بن حزم'' کا نام بھی لکھتے ہیں، اور دعوی کرتے ہیں کہ وہ ''صحابی'' ہیں، جبکہ ان محمد بن عمرو بن حزم کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ

> ان کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت ان کے والد نجران کے کسی علاقے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، ایک قول یہ ہے کہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو برس قبل ہوئی اور ان کے والد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اطلاع دی کہ میں نے اپنے بیٹے کا نام ''محمد'' اور اس کی کنیت ''ابوسلیمان'' رکھی ہے، جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ نام تو ''محمد'' ٹھیک ہے لیکن ان کی کنیت ''ابوعبدالملک'' رکھ دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔①

اور حافظ ابن حجر نے پہلے تو گیاوی صاحب کے ممدوح ''واقدی'' کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''محمد بن عمرو بن حزم'' کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت ان کے والد نجران کے علاقہ میں عامل تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر دی اور جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

① الاستيعاب، جلد۳ صفحه ۱۳۷۴ دار الجيل بيروت / أسد الغابة، جلد۵ صفحه ۱۰۱ دار الكتب العلمية بيروت.

لکھا کہ اس بچے کا نام محمد رکھو۔

اور اس کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں:

"وهذا الّذي قاله الواقديّ هو المشهور، ومقتضاه أن لا صحبة له ولا رؤية، فإنّ أباه لم يقدم به المدينة في عهد النبيّ ﷺ"۔①

یہ جو واقدی نے کہا ہے یہی بات مشہور ہے، اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ (محمد بن عمرو بن حزم) کو نہ صحبت حاصل ہے اور نہ ہی رویت، ان کے والد انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں لے کر مدینہ آئے ہی نہیں تھے۔

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں ایک بار پھر یہ دعوی کیا ہے کہ یہ صحابی ہیں، اور حوالہ وہاں "الاصابة" کا دیا ہے۔② جبکہ "الاصابة" میں تو وہ لکھا ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

لہذا گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ثابت کریں کہ یہ ''محمد بن عمرو بن حزم'' صحابی ہیں، بلکہ یہ ثابت کریں کہ اپنی پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ان کی حاضری ہی ہوئی ہے؟، گیاوی صاحب کے ممدوح و مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب تو لکھتے ہیں کہ:

''بعض محدثین نے ان حضرات کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد حیات میں پیدا ہوئے انہیں بھی محض اس لئے صحابہ میں شمار کیا ہے کہ شاید دستور کے مطابق وہ بچے بھی حضور ﷺ کے دربار میں لائے گئے ہوں، پس بہت صغیر السن بچے بالخصوص جو مدینہ کے نہ ہوں انہیں صحابہ کی فہرست میں شمار کرنا

① الاصابة، جلد ٦ صفحه ٢٠١ دار الكتب العلمية بيروت.
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ١٤٨.

درست نہیں‘‘۔①

ایک مغالطہ گیاوی صاحب نے یہ دیا کہ یوں لکھا ہے: ’’محمد بن عمرو بن حزم یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ رہے اور واقعہ حرہ میں شہید ہوگئے‘‘، یہاں یہ چالاکی دکھائی گئی ہے کہ ان کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ ’’انہوں نے بھی یزید کی بیعت توڑی تھی‘‘ کیونکہ یوں گیاوی صاحب کی یہ بات غلط ثابت ہوجاتی کہ محمد بن عمرو بن حزم نے یزید کی سرے سے بیعت ہی نہیں کی تھی، جبکہ واقعہ حرہ کا جہاں بھی بیان ہوا ہے اس میں صاف طور پر یہی آیا ہے کہ ’’اہل مدینہ نے یزید کی خلع بیعت کی تھی، یعنی اس کی بیعت توڑ دی تھی‘‘ اور بیعت توڑی وہی جاتی ہے جو پہلے کی گئی ہو، اگر محمد بن عمرو بن حزم بھی انہی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ تھے تو یقیناً پہلے انہوں نے بیعت کی ہوئی تھی، یاد رہے کہ یزید کے سنہ ۶۰ ہجری میں مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد اس کی بیعت سرے سے نہ کرنے والوں میں کسی نے بھی ’’محمد بن عمرو بن حزم‘‘ کا نام ذکر نہیں کیا، لہٰذا گیاوی صاحب کا ان کے بارے میں یہ تأثر دینا کہ انہوں نے سرے سے یزید کی بیعت نہیں کی تھی ایک دعوی بلا دلیل ہے۔

گیاوی صاحب کی بدحواسی:

آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا کہ گیاوی صاحب نے تسلیم کیا کہ یزید کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے اسے صرف مشکوک کردار والا ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اسی صفحے پر ایک بے سروپا روایت ابو الفرج اصفہانی کی "کتاب الأغانی" کے حوالے سے یزید کی شراب نوشی پر نقل کرتے ہیں اور خود اسے ’’غیر معتبر روایت‘‘ بھی لکھتے ہیں، اور پھر اس سے محدث اعظمی رحمہ اللہ کو جواب دیتے ہیں کہ:

① استخلاف یزید، صفحہ ۴۹۹.

''لیجئے اس غیر معتبر روایت سے یزید کے فاسق ہونے کا وقت معلوم کر لیجئے''۔①

اور بعد ازاں ایک جھوٹا افسانہ نقل کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار یزید حج کے لیے گیا تو مدینہ آ کر شراب نوشی کر رہا تھا، اتنے میں سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا حسین (رضی اللہ عنہما) اس کے پاس آتے ہیں تو انہیں شراب کی مہک آتی ہے......الی آخر الحکایۃ"۔②

اور پھر اس جھوٹے افسانے کی بنیاد پر ایک عنوان یوں قائم کرتے ہیں:

''یزید کے لاابالی پن پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت'' اور لکھتے ہیں:

''یہ روایت بتاتی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں ہی شروع ہو چکی تھی، وہ بھلے واقف نہ ہوں، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی، یزید کے سلسلہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی جبکہ وہ بالکل نوعمر تھا اور نوعمروں کی طرح آزاد اور بے قید زندگی گزارتا تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو نہ تھا لیکن کچھ ایسا محسوس کیا تو نصیحت ضرور کی اور سمجھایا بجھایا بھی تھا، گویا اس وقت اس کا فسق و فجور نہ سب کو معلوم تھا اور نہ ہی اعلانیہ یہ کام کرتا تھا، فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا، فاسق مجاہر تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور رازدارانہ طور پر در پردہ جو کچھ وہ کرتا تھا اب کھل کر اعلانیہ کرنے لگا تھا......''③

---

① محدث اعظمی کا تبصرہ صفحہ ۱۲۳

②③ گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔

میں اس پر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہی گیاوی صاحب پہلے بقلم خود لکھ آئے ہیں کہ:

''مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ فاجر نہ شرابی......''①

اور اب یہاں پھر وہی راگ الاپ رہے ہیں کہ یزید تو نوجوانی میں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں شراب پیتا تھا، اور بقول گیاوی صاحب، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آچکی تھی، دراصل گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی مشکل یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ تو کر دیتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عراق کی طرف نکلنے کے اقدام کی وجہ یزید کا فسق و فجور تھا، لیکن وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ صرف ان کا اپنا مفروضہ ہے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہیں بھی یزید کی بیعت نہ کرنے اور عراق کی طرف نکلنے والے اپنے اقدام کا سبب یزید کا فسق و فجور یا اس کی شراب نوشی نہیں بتائی، تو یہ حضرات اپنے اس بلا دلیل دعوے کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ ہوائی باتیں کہہ دیتے ہیں کہ ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یزید کا شراب پینا آچکا تھا''، حیرت ہے کہ گیاوی صاحب جیسے مناظرین اس بات پر تو مناظرے کرتے ہیں کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے، لیکن خود اپنے لئے علم غیب کے مدعی ہیں، کہ آج چودہ سو سال بعد انہیں علم ہو گیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یزید شرابی ہے، نیز وہ یہ بھی جان گئے کہ یزید تھا تو شروع سے فاسق لیکن سیدنا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۵.

حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اس کا فسق ظاہر نہ ہوا تھا، وہ چھپ چھپ کر رازدارانہ طور پر اور در پردہ فسق و فجور کرتا تھا، ظاہر ہے جب یزید کا اس وقت کا فسق و فجور رازدارانہ اور در پردہ تھا، تو گیاوی صاحب کو اپنے ''عالم الغیب'' ہونے کی وجہ سے ہی اس کا پتہ چل گیا ناں! جو وہ لکھ رہے ہیں کہ ''وہ فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا؟''

اور مزے کی بات یہ کہ خود قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ابن خلدون کے حوالے سے جو لکھا ہے وہ شاید گیاوی صاحب کی نظروں سے نہیں گذرا، قاری صاحب اس بات پر بضد ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف اس وقت نکلے تھے جب اس کا فسق ہر طرف مشہور و معروف ہو چکا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

> ''جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تو کوفہ کے اہل بیت کی جماعت نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اہل کوفہ کے پاس تشریف لے آویں، تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اب یزید کے خلاف کھڑے ہو جانا متعین ہے اس کے فسق کی وجہ سے۔''①

اور ایک جگہ تو خود قاری صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''اس کے فجور کی شہرت خواص و عام اور اس کی مبغوضیت عموماً قلب میں بیٹھی ہوئی تھی حتی کہ خود یزید کو بھی اس کا احساس تھا اسی لیے اس نے اپنی قیامت تک کی رسوائی پر ابن زیاد پر لعنت بھیجی جو سیاسی لعنت تھی۔''②

(واضح رہے قاری صاحب یزید کے فجور کے مشہور ہونے کی بات سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عازم کوفہ ہونے سے پہلے کے زمانے کے بارے میں کر رہے ہیں)۔

---

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵۔۸۶ ادارہ اسلامیات لاہور۔
② ایضاً صفحہ ۱۳۷۔

اب کس کی بات درست ہے؟ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا دعوی تو یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف نکلنا ہی اس وجہ سے تھا کہ یزید کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا بلکہ ہر خاص و عام میں اس کا فجور مشہور ہو چکا تھا، جبکہ گیاوی صاحب ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ یزید کا فسق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ظاہر نہ ہوا تھا۔

قاری صاحب کی اسی بات پر محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یہ لکھا تھا:

''آپ تاریخوں میں یہ پورا بیان پڑھ جایئے، آپ کو کہیں نہ ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے فسق و فجور کا ذکر کیا، یا کوفیوں نے یہ کہا یا لکھا کہ یزید بے نمازی ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، ایسا ہے ویسا ہے، نہ اس کا ہی ذکر ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ کہا ہو کہ مجھ کو تو امارت سے کوئی مطلب نہیں نہ اس کی کوئی خواہش ہے، میں تو صرف یزید کے فسق و فجور کے خلاف جنگ کے لیے نکلا ہوں......''①

نیز لکھا:

''اس طویل گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تک (یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک۔ ناقل) یزید کے فسق کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، نہ اس کی شہادت ملتی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کے فسق کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لیے نکلے تھے......''②

نوٹ: قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر تفصیلی کلام ہوسکتا ہے، محدث اعظمی رحمہ اللہ نے تو صرف چند باتوں پر تبصرہ فرمایا تھا، لیکن ابھی ہمارا موضوع یہ کتاب نہیں۔

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۹۔۴۰۔ ② ایضاً صفحہ ۴۱

پھر ہم گیاوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ سنہ ۶۳ ہجری (یعنی واقعہ حرہ) سے پہلے کسی قابل اعتماد سند کے ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا اس وقت موجود کسی دوسرے صحابی کا یہ دعوی ہی ثابت کر دیں کہ:

''یزید فاسق و فاجر تو ہے، لیکن وہ چھپ چھپ کر اور رازدارانہ طور پر یہ سب کرتا ہے''۔

بہرحال! گیاوی صاحب نے ایک بار پھر یہ تسلیم کیا ہے کہ

''یزید کا فسق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ظاہر ہوا تھا'' (جسے فاسق مجاہر کے لفظ سے لکھتے ہیں)،

جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کی بیعت نہ کرنے اور عازم کوفہ ہونے کی وجہ یزید کا فسق و فجور نہیں تھا اور نہ ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہیں اس کا ذکر فرمایا۔

پھر گیاوی صاحب نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام بھی

''یزید کی بیعت نہ کرنے والوں میں لکھا ہے''،

انہوں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی، لیکن ہمیں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے جو امام خلیفہ بن خیاط بصری (متوفی ۲۴۰ ہجری) نے اپنی مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"حَدَّثَنَا وهب بْن جرير قَالَ نَا أَبُو عقيل الدَّوْرَقِي قَالَ سَمِعت أَبَا نَضرة يحدث قَالَ دخل أَبُو سعيد الْخُدْرِيّ يَوْم الْحرَّة غارا فَدخل عَلَيْهِ رجل ثمَّ خرج فَقَالَ لرجل من أهل الشَّام أدلك عَلَى رجل تقتله فَلَمَّا انْتهى الشَّامي

إِلَى بَابِ الْغَارِ وَقَالَ لأَبِي سعيد وَفِي عَنق أَبِي سعيد السَّيْف اخْرُج إِلَيّ قَالَ لَا وَإِن تدخل عَلِيّ أَقْتلك فَدخل الشَّامي فَوضع أَبُو سعيد السَّيْف وَقَالَ بوء بإثمي وإثمك وَكن من أَصْحَاب النَّار وَذَلِك جَزَاء الظَّالِمين فَقَالَ أَبُو سعيد الْخُدْرِيّ أَنْت قَالَ نعم قَالَ فَاسْتَغْفر لي قَالَ غفر الله لَك"۔ ①

''(سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ساتھی) ابونضرۃ (جن کا نام منذر بن مالک ہے) کہتے ہیں کہ حرہ کے دن ابوسعید خدری ایک غار کے اندر داخل ہو گئے، ایک شخص غار میں ان کے پاس آیا اور پھر باہر نکل گیا، اور باہر نکل کر ایک شامی فوجی سے کہا: میں تمہیں ایک شخص کے بارے میں بتاتا ہوں تم اسے قتل کردو، پس جب وہ شامی فوجی غار کے دروازے پر پہنچا اور سیدنا ابوسعید خدری سے کہا جن کی گردن میں تلوار لٹکی ہوئی تھی: باہر نکلو!، ابوسعید نے کہا: میں نہیں نکلوں گا اور اگر تم نے اندر آنے کوشش کی تو میں تمہیں قتل کردوں گا، پھر شامی فوجی غار کے اندر داخل ہو گیا تو سیدنا ابو سعید نے اپنی تلوار ایک طرف رکھ دی اور فرمایا: میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لادلو اور جہنمیوں میں سے ہو جاؤ، ظالموں کا یہی بدلہ ہے (یعنی اگر مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو کر ڈالو) اس کے بعد شامی فوجی بول پڑا: ابوسعید خدری! یہ آپ ہیں؟، ابوسعید نے فرمایا: جی ہاں! اس پر شامی فوجی نے ان سے گذارش کی کہ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں، چنانچہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی اور کہا کہ اللہ تیری مغفرت کرے۔

نوٹ: گیاوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی یہ روایت

① تاریخ خلیفۃ بن خیاط، صفحہ ۲۳۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، واسنادہ صحیح۔

بحوالہ "البدایۃ والنہایہ" نقل کی ہے۔①

غور فرمائیں! شامی فوجی کو جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں تو وہ انہیں قتل نہیں کرتا بلکہ ان سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرواتا ہے، اور ایک وہ آدمی تھا (جو یقیناً مدینہ میں موجود ان شرپسندوں میں سے ہی ہوگا جنہوں نے غلط فہمیاں پھیلا کر حالات کو اس نہج تک پہنچایا اور کئی بھولے بھالے لوگ بھی ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے) جس نے اس شامی سے کہا کہ: میں تمہیں ایک آدمی کا ٹھکانہ بتاتا ہوں تم اسے قتل کردو۔ نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ شامی فوج کے نزدیک ان افراد میں سے نہ تھے جنہوں نے حکومت کے خلاف خروج کیا یا خروج کرنے والوں کی مدد کی، ورنہ وہ شامی فوجی ان کے ساتھ یوں رعایت نہ کرتا، یا کم از کم انھیں گرفتار کر کے ہی لے جاتا، کیونکہ (بقول گیاوی صاحب) یہ اسی فوج کا حصہ تھا جس نے (العیاذ باللہ) مدینہ کی ہزار کنواری عورتوں کی عزت لوٹی جس کے نتیجے میں پورے ہزار بچے بھی پیدا ہوئے۔

اس پر مزید کلام ہم واقعہ حرہ کے اسباب و واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے کریں گے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

گیاوی صاحب نے ایک اور صحابی سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی یہاں لیا ہے اور صفحہ ۹۵ کے حاشیے میں "جمل من انساب الاشراف" کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے:

وقال عوانة: كان مسور بن مخرمة وفد إلى يزيد قبل ولاية عثمان بن محمد، فلما قدم شهد عليه بالفسق وشرب الخمر، فكتب إلى يزيد

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۶۔

بذلك فكتب إلى عامله يأمره أن يضرب مسورا الحد ......①

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "عوانه" نے کہا ہے کہ مسور بن مخرمہ یزید کے پاس گئے تھے اور جب واپس لوٹے تو انہوں نے یزید کے خلاف فسق اور شراب نوشی کی گواہی دی، یزید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے عامل کو لکھا کہ ان پر حد قذف لگائی جائے۔

اس پر ہم سر دست اتنا ہی عرض کریں گے کہ یہ بات بیان کرنے والا راوی "عوانة بن الحكم" ہے، اس کا تعارف ہم پہلے کروا آئے ہیں، دوبارہ پڑھ لیں:

أخباريٌ مشهور عراقيٌ ـــــــ وَقَلَّ أَنْ رَوَى حديثًا مسنَدًا، ولهذا لم يُذكر بجرح ولا تعديل، والظاهر أنَّهُ صدوق"②

تاریخی روایات بیان کرنے والا مشہور عراقی ہے، بہت کم روایتیں سند کے ساتھ بیان کرتا ہے اسی لئے نہ اس پر کوئی جرح ملتی ہے اور نہ اس کی تعدیل ملتی ہے، ظاہری طور پر لگتا ہے کہ یہ صدوق ہے۔

حافظ ابن حجر اسی "عوانة بن الحكم" کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان أبوه عبدا خياطا وأمه أمة وهو كثير الرواية عن التابعين قل أن روى حديثا مسندا وأكثر المدائني عنه"③

اس کا باپ ایک غلام تھا جو کہ درزی تھا اور اس کی ماں ایک باندی تھی، وہ تابعین سے بہت سی باتیں روایت کرتا ہے لیکن بہت کم ایسا ہے کہ اس نے کوئی بات مسند بیان کی ہو، مدائنی نے اس سے بہت زیادہ روایات لی ہیں۔

① دیکھیں: جمل من انساب الاشراف للبلاذري، ج۵ ص ۳۲۰ دار الفكر۔

② تاريخ الاسلام للذهبي، جلد ۴ صفحه ۱۷۴ طبع دار الغرب الاسلامي۔

③ لسان الميزان بتحقيق شيخ ابي غدة، ج ۶ ص ۲۴۷ طبع دار البشائر الاسلامية۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ "عوانہ بن الحکم" کی ایک تو تعدیل و توثیق کہیں نہیں ملتی نیز اس کی اکثر روایات غیر مسند ہی ہوتی ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی غیر مسند روایات بھی اکثر تابعین سے ہوتی ہیں، نہ کہ صحابہ سے، لہٰذا مندرجہ بالا روایت میں بھی صرف "قال عوانة" ہے، لیکن اس نے یہ کس سے سنا؟ کچھ اتہ پتہ نہیں، یہ ثابت ہی نہیں کہ اس نے خود واقعہ حرہ کا زمانہ پایا ہو۔

گیاوی صاحب کا ایک اور اقرار:

اپنی کتاب کے صفحہ ۹۴ کے حاشیے میں گیاوی صاحب نے ''عمدۃ القاری'' سے ایک عربی عبارت نقل کی ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ نہیں کیا، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا جائے، یہ حوالہ واقعہ حرہ پر بات کرتے ہوئے پیش نظر رکھنا ضروری ہے، وہ عبارت یہ ہے:

وَقَالَ الدَّاوِدِيّ: الَّذِي عَلَيْهِ الْعلمَاء فِي أُمَرَاء الْجور أَنه إِن قدر على خلعه بِغَيْر فتْنَة وَلَا ظلم وَجب، وإلاَّ فَالْوَاجِب الصَّبْر، وَعَن بَعضهم: لَا يجوز عقد الْوَلَايَة لفَاسِق ابْتِدَاء، فَإِن أحدث جوراً بعد أَن كَانَ عدلا اخْتلفُوا فِي جَوَاز الْخُرُوج عَلَيْهِ، وَالصَّحِيح الْمَنْع إلاَّ أَن يكفر فَيجب الْخُرُوج عَلَيْهِ"

(ترجمہ) داوودی نے کہا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کا موقف یہ ہے کہ اگر تو بغیر فتنہ اور بغیر ظلم کے اسے ہٹانے کی طاقت ہو تو پھر اسے ہٹانا واجب ہے، ورنہ صبر کرنا واجب ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ: کسی فاسق کو شروع سے حاکم بنانا تو جائز ہی نہیں، اور اگر ایسا ہو کہ پہلے وہ عادل تھا، بعد میں ظالم بنا ہو تو پھر اس کے خلاف خروج کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، اور صحیح یہی ہے کہ اس کے خلاف خروج ممنوع اور

ناجائز ہے، مگر یہ کہ حاکم سے کفر کا ظہور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے خلاف خروج واجب ہے۔①

گیاوی صاحب کی ایک بار پھر غلط بیانی:

یہاں ایک بار پھر گیاوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس جگہ پہنچ کر ایک بار پھر آپ کو یاد دلادوں کہ یزید کا شراب پینا مضبوط سندوں اور قابل استدلال روایتوں سے ثابت کر چکا ہوں''۔②

اور پھر اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''گذر چکا ہے کہ صحیح روایتوں سے یزید کا فسق ثابت ہے اور تاریخی روایتیں صرف اور صرف تائیدی ہیں ان پر سب کا دارو مدار نہیں''۔③

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
یہ ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

آپ کی تمام ''مضبوط سندوں'' اور ''صحیح روایتوں'' کا حال ہم بیان کر چکے، اور ہمارا دعوی ہے کہ آپ شریعت کے اصول وضوابط اور اسلامی قانون شہادت کے مطابق اس پر ایک بھی شہادت پیش نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں۔

بارہ خلفاء والی حدیث اور گیاوی صاحب کے مغالطے:

محدث اعظمی رحمہ اللہ نے مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب پر لکھے گئے اپنے تبصرہ میں قاری صاحب کی ایک بات کا جواب دیتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا

---

① عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد ۲۴ صفحہ ۱۷۹ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

②③ گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۴، ۹۵۔

تھا جس میں نبی کریم ﷺ کی اس پیش گوئی کا ذکر ہے کہ بارہ خلفاء کے وجود وظہور تک اسلام باعزت وشوکت اور دین قائم رہے گا۔①

اور پھر محدث اعظمی نے لکھا تھا کہ:

''اور ظاہر ہے کہ یہ ان خلفاء کے دینی شعور، احساس ذمہ داری، اور فرائض کی انجام دہی میں پوری مستعدی کا نتیجہ ہوگا، پس ایسی خلافت چاہے راشدہ نہ ہو، مگر دین کا قیام اور اسلام کی عزت وشوکت اس سے وابستہ ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ شرعاً مطلوب ومحمود نہیں ہے......''②

اس کے بعد انہوں نے اس پیش گوئی کی شرح کے عنوان کے تحت لکھا تھا کہ:

''اب آیئے ذرا یہ بھی معلوم کرتے چلئے کہ اس حدیث کی شرح علماء محققین نے کیا کی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس پر بہت لمبی بحث کی ہے، اور آخر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی شرح وتوجیہ میں جس قول کا پلہ سب سے بھاری ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں خلیفہ پر امت کے مجتمع ہونے کا (حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی بارہ خلفاء والی حدیث میں "كلهم تجتمع عليه الأمة" کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں یعنی ان تمام بارہ خلفاء پر امت کا اجتماع ہوگا۔ ناقل) مطلب یہ کہ امت اس کی بیعت کے لئے منقاد ہو جائے گی، اور واقعات کی دنیا میں یہ وصف حضرات خلفاء اربعہ کے سوا جن پر صادق آیا ان کے نام یہ ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید، عبد الملک، ولید، سلیمان، یزید ثانی، ہشام، ولید ثانی، اس کے بعد ابن حجر نے ایک اور توجیہ ذکر کی ہے جو اس سے کسی قدر مختلف ہے، مگر اس

①② دیکھیں: محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ، صفحہ ۱۹ تا ۲۲۔

توجیہ میں بھی انہوں نے ان بارہ خلفاء میں یزید کو شمار کیا ہے......'' ①

اب گیاوی صاحب، محدث اعظمی رحمہ اللہ کی اس بات کا جو جواب دے رہے ہیں اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اور قارئین سے گذارش ہے کہ وہ گیاوی صاحب کی ان باتوں کو غور سے پڑھیں، اور ذہن میں رکھیں، یہ آگے کام آئیں گی، لکھتے ہیں:

''بخاری اور دیگر کتب حدیث میں بارہ خلفاء کے دور میں اسلام کے غلبہ اور عزت کی پیشین گوئی کی گئی ہے اس سے بے جا یزید کی حمایت کے لیے مولانا اعظمی کمربستہ ہو گئے ہیں، حالانکہ کئی وجہ سے یہ استدلال ان کے شایان شان نہیں ہے:

(۱) اس روایت میں ان خلفاء کے عادل اور ثقہ اور متقی پرہیزگار ہونے پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے، ان خلفاء کے تعلق سے کوئی لفظ بھی اس پیشین گوئی میں موجود نہیں، یہ بات صرف اس قرینے سے سمجھی گئی ہے کہ جب دین اسلام ان کے زمانہ میں بہت شان وشوکت اور عزت وغلبہ سے ہوگا تو وہ خلفاء بھی اچھے ہوں گے، تو یہ صرف ایک اجتہاد وفہم ہے جس کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی یہ شارحین کا اپنا اجتہاد واستنباط ہے- ناقل) اور نہ ان خلفاء کے کردار کا نص میں کوئی ذکر موجود ہے۔

(۲) ان خلفاء کے نام حدیث میں کہیں مذکور نہیں ہیں، نہ اس بات کی کوئی تصریح کسی حدیث میں ہے کہ یہ لگاتار، یکے بعد دیگرے، تسلسل سے ہونگے یا بیچ میں کوئی انقطاع ہوگا، حدیث کا تعلق صرف تعداد سے ہے، حدیث کا کوئی لفظ تسلسل یا

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۱.

انقطاع کو نہیں بتاتا ہے۔

(اس کے بعد گیاوی صاحب مولانا اعظمی رحمہ اللہ کی ایک بات کو دلیل بناتے ہیں کہ، انہوں نے خود ایک جگہ لکھا ہے کہ)

''شرح احادیث میں جو احتمالات محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع وجزم کے صیغہ کے ساتھ بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح ان کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ حدیث کا یہ مضمون ہے، ہمارے نزدیک من یقل مالم اقله کی وعید کا مستحق بننا ہے''۔

آگے گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس لئے حدیث سے یزید کی تعریف ومنقبت کرنا محض قیاس واجتہاد ہے، اسے اس کی منقبت وعدالت کی دلیل بنانا عالمانہ زبردستی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے''۔①

اس پر ہم عرض کرتے ہیں کہ بے شک اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے عادل اور ثقہ اور متقی وپرہیزگار ہونے کا صریح بیان نہیں ہے، اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان خلفاء کا ذاتی کردار کیسا ہوگا، وہ اچھے ہوں گے یا برے ہوں گے، لیکن یہ ضرور صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ ان کے دور خلافت میں دین اسلام کی بہت شان وشوکت ہوگی اور اس کا عزت وغلبہ ہوگا، تو کیا گیاوی صاحب کے مطابق پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ ان بارہ میں ایسے خلفاء بھی ہوں گے جو سرعام فسق وفجور کرتے پھریں گے، محرمات سے نکاح کریں گے، سرعام شراب نوشی کی محفلیں لگیں گی، وہ بندر نچائیں گے، عدل وانصاف

① ملخصاً: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۵ تا ۹۸۔

نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ ہوگا، اللہ کا دین خطرے میں ہوگا، ان خلفاء میں ایسے بچے اور "صبیان" بھی ہوں گے جن کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوگی، مدینہ منورہ میں ہزار کنواری عورتوں کی حرمت پامال کی جائے گی، اور وہ ہزار کی ہزار عورتیں بچوں کو بھی جنم دیں گی، اور بقول گیاوی صاحب، ان ہزار میں کئی صحابیات بھی ہوں گی (العیاذ باللہ)،

اور ان بارہ خلفاء میں ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے دین کو تبدیل کر ڈالیں گے، یہاں تک کہ پھر کربلا میں اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا پڑے گا؟ (اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد جیسے نعروں کی طرف اشارہ ہے)۔

الغرض! اگر اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے کردار کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں تو یہ بتایا جائے کہ ان کے دور میں دین اسلام کا بول بالا ہونے، اور دین کے غالب رہنے اور اس کی شان و شوکت کا غلبہ رہنے کا بیان ہونا بھی تسلیم ہے یا نہیں؟۔ اور پھر یہ بتایا جائے کہ کیا ایسا خلیفہ جو خود علی الاعلان شرابی و زانی اور فاسق و فاجر ہو کہ بقول گیاوی صاحب، صحابہ کی ایک جماعت اس کے شرابی و فاسق ہونے کی گواہی دے، تو اس کے دور میں یہ کہنا کہ دین اسلام غالب اور شان و شوکت اور عزت والا تھا کس طرح درست ہوگا؟۔

اور کتنی عجیب بات ہے کہ خود قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے (جن کی کتاب پر لکھے گئے محدث اعظمی رحمہ اللہ کے تبصرہ کا گیاوی صاحب ''بزعم خود'' علمی محاسبہ کر رہے ہیں) اپنی کتاب میں یہ فلسفہ پیش کیا ہے کہ یزید کا فسق و فجور اس کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ متعدی تھا جس کی وجہ سے نظام میں خلل آ رہا تھا، اس لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

نے اس کے خلاف خروج فرمایا تھا، یہ بات انہوں نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ذکر کی ہے، مثلاً:

''...... جہاں تک امیر کے ذاتی فسق و فجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو خروج کی شدید ممانعت ہے، اور جہاں تک اس کے متعدی فسق و فجور کا تعلق ہے جس سے نظام دیانت مختل ہونے لگے تو امیر کی مخالفت نہ صرف جائز بلکہ استطاعت کی حد تک ضروری ہے، اس لیے ممانعت خلاف کی حدیثیں امیر کے ذاتی فسق و فجور پر محمول ہوں گی اور اجازت خلاف کی حدیثیں امیر کے متعدی اور جماعتی فسق و فجور پر......'' ①

اب گیاوی صاحب خود فیصلہ کر کے ہمیں بتا دیں کہ ایسا فسق و فجور جو امیر کی ذات تک محدود نہ رہے، بلکہ متعدی اور جماعتی فسق و فجور بن جائے جس سے نظام بھی مختل ہونے لگے تو ایسی امارت میں دین اسلام کی بہت شان وشوکت ہوگی اور اس کا عزت و غلبہ ہوگا یا فسق و فجور کا غلبہ ہوگا؟

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے ناموں کا ذکر نہیں، اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ یہ مسلسل ہوں گے یا مختلف زمانوں میں ہوں گے، اور جو نام اس حدیث کی شرح میں گنوائے گئے ہیں وہ شارحین کا اپنا استنباط و اجتہاد ہی ہے، اور ان میں شارحین نے ''یزید'' کا نام بھی گنوایا ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ شارحین کے اس اجتہاد و شرح کی حیثیت حدیث جیسی نہیں۔ لیکن گیاوی صاحب کو یہ بات ان احادیث میں بھی یاد رکھنی چاہیے جہاں وہ "هلاك أمتي على يدي غلمة من قريش" اور "امارة الصبيان" کے الفاظ میں ''شارحین'' کے حوالے سے نام بیان کرتے ہیں، وہاں

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۱۸۸۔۱۸۹ ادارہ اسلامیات، لاہور۔

بھی تو حدیث میں کسی کا نام نہیں، اور نہ ہی یہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ میں سے کسی نے کسی کا نام ذکر کیا ہے۔ (اس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

گیاوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت:

گیاوی صاحب نے بارہ خلفاء والی حدیث پر بات کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

''حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین کی شوکت اور اسلام کی رونق کا جو ذکر کیا گیا ہے اور یہ بارہ خلفاء لگاتار و تسلسل سے ہونگے تو اس میں یزید کا دور حکومت بھی اس مدت میں شریک ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے، حافظ ابن حجر کے الفاظ پڑھیے......''①

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ گیاوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے، حافظ ابن حجر نے ہرگز یہاں ''یزید بن معاویہ'' کا یا اس کی خلافت کا اس طرح ذکر نہیں کیا جیسا گیاوی صاحب لکھ رہے ہیں، اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ یزید کی خلافت کا دور بہت تھوڑا بنتا ہے اس لیے غالب اور اکثر کے تحت ایک ہی حکم لگا دیا گیا، چنانچہ آگے خود گیاوی صاحب نے حافظ ابن حجر کی عربی عبارت کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، ہم اس ٹکڑے سے پہلے کی عبارت بھی ساتھ نقل کرتے ہیں جو گیاوی صاحب نے اپنی ''غیر جانبدارانہ'' تحقیق کی وجہ سے ذکر کرنی مناسب نہ سمجھی، اصل میں یہاں حافظ ابن حجر اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ان تمام بارہ خلفاء کی خلافت پر امت کا اجتماع ہوگا، تو آپ نے جو بارہ نام گنوائے ہیں ان میں کچھ ایسے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۶۔۹۷۔

بھی ہیں جن پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہو سکا تھا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَا يَقْدَحُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ يَجْتَمِعُ عَلَيْهِمُ النَّاسُ لِأَنَّهُ يُحْمَلُ عَلَى الْأَكْثَرِ الْأَغْلَبِ لِأَنَّ هَذِهِ الصِّفَةَ لَمْ تُفْقَدْ مِنْهُمْ إِلَّا فِي الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مَعَ صِحَّةِ وِلَايَتِهِمَا وَالْحُكْمُ بِأَنَّ مَنْ خَالَفَهُمَا لَمْ يَثْبُتِ اسْتِحْقَاقُهُ إِلَّا بَعْدَ تَسْلِيمِ الْحسن وَبعد قتل بن الزُّبَيْرِ وَاللهُ أَعْلَمُ وَكَانَتِ الْأُمُورُ فِي غَالِبِ أَزْمِنَةِ هَؤُلَاءِ الِاثْنَيْ عَشَرَ مُنْتَظِمَةً وَإِنْ وُجِدَ فِي بَعْضِ مُدَّتِهِمْ خِلَافُ ذَلِكَ فَهُوَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الِاسْتِقَامَةِ نَادِرٌ وَاللهُ أَعْلَمُ"۔①

(خلاصہ) ان تمام خلفاء پر لوگوں کا اجتماع ہونے والی بات پر اعتراض نہ کیا جائے، یہ اکثریت اور غالب کے حکم پر محمول ہے، کیونکہ ان میں صرف دو ایسے ہیں جن پر یہ بات پوری نہ ہوئی (یعنی لوگوں کا ان پر اجتماع نہ ہو سکا) ایک سیدنا حسن بن علی اور دوسرے عبداللہ بن زبیر، اگرچہ ان دونوں کی ولایت و خلافت صحیح تھی، باقی رہی یہ بات کہ اگر ان دونوں کی خلافت صحیح تھی تو جو ان کے مدمقابل تھے، (یعنی سیدنا معاویہ اور عبدالملک بن مروان تو ان کی خلافت کیسے درست ہوئی، جبکہ انھیں بھی تو آپ نے بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے، تو اس حافظ ابن حجر اس کا جواب دیتے ہیں کہ) ان کی خلافت اس وقت ثابت اور صحیح ہوئی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں سونپ دی (یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) اور جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما قتل ہو گئے (یعنی عبدالملک بن مروان کے دور میں)، اور ویسے ان تمام بارہ کے زمانوں میں امور سلطنت منتظم تھے، اگرچہ بعض کی مدت خلافت

---

①فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۵ دار المعرفۃ بیروت۔

میں اس کے خلاف بھی رہا (یعنی امور سلطنت میں کچھ اونچ نیچ آئی) لیکن یہ ''عدم انتظام'' کی مدت بنسبت استقرار و انتظام کی مدت کے بہت تھوڑی اور قلیل ہے واللہ اعلم۔

بتائیں! اس پوری عبارت میں کہیں یزید کا یا اس کی خلافت کا نام بھی ہے؟ بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر ہونے والے اشکال کا جواب دیا جارہا ہے، نیز جہاں یہ بیان ہے کہ

''ان میں سے بعض کے زمانے میں امور سلطنت میں کچھ اونچ نیچ ہوئی''

وہاں بھی یزید کا نام نہیں، پھر گیاوی صاحب کا حافظ ابن حجر کی عبارت میں یہ داخل کرنا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

''یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار کر کے للأکثر حکم الکل کی بنا پر تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا''۔①

یہ سراسر غلط بیانی اور مغالطہ ہے، بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف وہ الفاظ منسوب کرنا ہے جو انہوں نے نہیں لکھے۔

اور یاد رہے کہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید پر لوگوں کا مجتمع ہونا بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے یزید کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَبَايَعَ لِابْنِهِ يَزِيدَ بَعْدَ مَوْتِ مُعَاوِيَةَ لِاجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ"②

---

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۷۔

② فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۵ دار المعرفة بیروت۔

''(سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت تب کی جب لوگوں کا اس پر اجتماع ہو چکا تھا''۔

اور گیاوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ:

''جب یزید نے عنان حکومت سنبھالی تو لوگ طوعاً وکرہاً اس کی بیعت پر مجتمع ہو گئے تھے''۔①

بلکہ خود گیاوی صاحب نے بھی صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ:

''یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا...... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے......''②

اب آیئے ''بارہ خلفاء'' والی حدیث پر چند مزید علماء کے حوالے بھی پڑھتے جائیں جنہوں نے ''یزید'' کو بھی ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) فرماتے ہیں:

وفي لفظ: لا يزال الإسلام عزيزا إلى اثني عشر خليفة كلهم من قريش وهكذا كان، فكان الخلفاء: أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، ثم تولى من اجتمع الناس عليه وصار له عز ومنعة: معاوية، وابنه يزيد، ثم عبد الملك وأولاده الأربعة، وبينهم عمر بن عبد العزيز۔ وبعد ذلك حصل في دولة الإسلام من النقص ما هو باق إلى الآن، فإن بني أمية تولوا على

---

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۰۹ طبع اول۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹۔

جميع أرض الإسلام، وكانت الدولة في زمنهم عزيزة"

اور اس حدیث کے بعض الفاظ ہیں:

''اسلام غالب رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب کے سب قریش سے ہوں گے'' اور ایسے ہی ہوا چنانچہ یہ خلفاء اس طرح تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ان کے بعد جن پر امت جمع رہی اور اس کے لئے عزت وطاقت رہی، وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے یزید، پھر عبدالملک اور پھر اس کے چاروں بیٹے اور ان کے درمیاں عمر بن عبدالعزیز بھی تھے۔ اور اس کے بعد اسلامی حکومت میں نقص آ گیا جو آج تک باقی ہے، اور بنوامیہ نے تمام عالم اسلام پر حکومت کی اور اسلامی حکومت ان کے زمانے میں مضبوط تھی''۔①

ملا علی القاری (متوفی ۱۰۱۴ ہجری) فرماتے ہیں:

"وكان الأمر كما قال النبي صلى الله عليه وسلم، فالإثني عشر هم الخلفاء الراشدون الأربعة، ومعاوية وابنه يزيد، وعبدالملك بن مروان وأولاده الأربعة، وبينهم عمر بن عبدالعزيز، ثم أخذ الأمر في الإنحلال، وعند الرافضة أن أمر الأمة لم يزل في أيام هؤلاء فاسداً منغصاً يتولاه الظالمون المعتدون، بل المنافقون الكافرون وأهل الحق أذل من اليهود، وقولهم ظاهر البطلان، والله المستعان"۔②

اور معاملہ ویسے ہی ہوا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، چنانچہ بارہ خلیفہ یہ

①منهاج السنة، جلد۸ صفحه ۲۳۸ طبع السعودية.

②مِنح الروض الأزهر في شرح الفقه، صفحه ۲۰۶ دار البشائر الاسلامية بيروت.

چار خلفائے راشدین تھے، اس کے بعد معاویہ اور ان کے بیٹے یزید تھے، اس کے بعد عبدالملک بن مروان اور ان کے چاروں بیٹے تھے اور ان کے درمیاں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے، اس کے بعد یہ معاملہ کمزور پڑ گیا، جبکہ روافض کا کہنا ہے کہ ان تمام کے دور میں امت کے معاملات خراب تھے اور ظالموں کے ہاتھ میں تھے، بلکہ منافقوں اور کافروں کا تسلط تھا جبکہ اہل حق یہودیوں سے بھی زیادہ ذلت کے ساتھ رہ رہے تھے، ان (رافضیوں) کی اس بات کا باطل ہونا ظاہر ہے، واللہ المستعان۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علمائے اہل سنت میں قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنوامیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا یعنی سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام''۔[1]

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۷ کے حاشیے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ایک اور عربی عبارت بھی نقل کی ہے، جس کا اردو ترجمہ انہوں نے نہیں کیا، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ حاشیہ اس روایت سے متعلق ہے جو گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر نقل کی ہے جو یہ ہے کہ:

[1] سیرت النبی: جلد ۲، صفحہ ۳۹۳ ادارہ اسلامیات پاکستان۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنایا کہ:

هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش ـــــ فقال ابوهريرة لو شئتُ ان أقول بني فلان وبني فلان"①

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، سیدنا ابوہریرہ نے کہا: اگر میں چاہوں تو فلاں کی اولاد اور فلاں کی اولاد نام بنام بتا سکتا ہوں۔

اس روایت پر بات تو ہم آگے کریں گے، لیکن چونکہ اس سے متعلقہ حاشیہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے، اس لیے ہم ابن حجر کی یہ عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی کرتے ہیں کیونکہ یہ بہت اہم ہے:

"وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ أَيْضًا حُجَّةٌ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ تَرْكِ الْقِيَامِ عَلَى السُّلْطَانِ وَلَوْ جَارَ لِأَنَّهُ صلی اللہ علیہ وسلم أَعْلَمَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ وَلَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْخُرُوجِ عَلَيْهِمْ مَعَ إِخْبَارِهِ أَنَّ هَلَاكَ الْأُمَّةِ عَلَى أَيْدِيهِمْ لِكَوْنِ الْخُرُوجِ أَشَدَّ فِي الْهَلَاكِ وَأَقْرَبَ إِلَى الِاسْتِئْصَالِ مِنْ طَاعَتِهِمْ فَاخْتَارَ أَخَفَّ الْمَفْسَدَتَيْنِ وَأَيْسَرَ الْأَمْرَيْنِ"②

(ترجمہ) اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بادشاہ اگرچہ ظلم بھی کرے تو اس کے خلاف نہیں کھڑا ہونا (یعنی خروج نہیں کرنا) کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ کو ان (قریشی چھوکروں) کے نام اور ان کے آباء کے نام تو بتائے تھے لیکن ان کے خلاف خروج کرنے کا حکم نہیں

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۰۔

② فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۱ دار المعرفۃ بیروت۔

دیا تھا، باوجود اس کے کہ آپ نے خبر دی کہ امت کی ہلاکت ان کے ہاتھوں ہوگی، کیونکہ (حاکم کے خلاف) خروج کرنے میں زیادہ ہلاکت اور نقصان کا خطرہ ہے بنسبت ان کی اطاعت کے پس آپ ﷺ نے اس چیز کو پسند فرمایا جس میں کم خرابی ہے اور جو دونوں معاملوں میں سے آسان ہے۔

گیاوی صاحب کے اصول اپنے لئے اور، دوسروں کے لئے اور:

ابھی ہم نے دیکھا کہ بارہ خلفاء والی حدیث پر بات کرتے ہوئے گیاوی صاحب نے یہ لکھا تھا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ:

''اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے نہ ہی نام مذکور ہیں اور نہ ہی ان کے ذاتی کردار کا کوئی ذکر ہے کہ وہ اچھے ہوں گے یا برے ہونگے، بلکہ صرف اس بات کا ذکر ہے کہ ان کے دور میں اسلام کا غلبہ اور شان وشوکت ہوگی، یہ بات صرف اس قرینے سے سمجھی گئی ہے کہ جب دین اسلام ان کے زمانہ میں بہت شان وشوکت اور عزت وغلبہ سے ہوگا تو وہ خلفاء بھی اچھے ہوں گے، تو یہ صرف ایک اجتہادوفہم ہے جس کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق نہیں۔''

لیکن جب یہی بات محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمائی جس میں ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، اور محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اس پر لکھا تھا کہ:

''حدیث میں صراحتاً یا اشارۃً کوئی تعیین ان چھوکروں کی نہیں ہے، اب اگر کسی قرینہ کی بنا پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ

معلوم ہوتا ہے تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اور واضح لفظوں میں سنیے کہ چند غیر متعین قریشی لڑکوں کے ہاتھوں امت کی بربادی کی خبر کو تو حق تسلیم کرنا اور اس پر آمنا وصدقنا کہنا ضروری ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا کہ ان لڑکوں میں یزید بھی داخل ہے قطعاً ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے، ہاں احتمال کے درجہ میں یہ کہنا اور ماننا ممکن ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یزید بھی ان میں داخل ہو، اب میں مہتمم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایسی احتمالی بات بھی داخل عقائد ہوسکتی ہے؟

تیسری گذارش یہ ہے کہ شرح احادیث میں جو محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع وجزم کے صیغہ سے بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح اس کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا، یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث کا مضمون ہے، ہمارے نزدیک **مَن يقُل عليَّ ما لم أقله** کی وعید شدید کا مستحق بننا ہے......''[1]

تو یہاں گیاوی صاحب اپنے علمی مقام سے بہت نیچے اتر کر محدث اعظمی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا اعظمی کا غرور علم اس جگہ بالکل کھل گیا ہے اور وہ تکبر کو تواضع کی چادر میں چھپانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، اور بڑے بڑے محدثین اور اصحاب علم کو ہی نہیں، صحابی رسول ﷺ تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۳۔ ۲۴۔ نیز گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۹.

پر رکھ کر بے توقیر بنا ڈالا ہے......‘‘①

اور پھر اگلے صفحے پر لکھتے ہیں:

’’لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بات صرف ابن حجر یا حافظ عینی کی ہوتی تو بھی مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے احترام میں مانی جا سکتی تھی، کیونکہ نحن رجال وھم رجال کی حد میں ہی بات رہتی، لیکن مجھے نہایت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ بات تو صحابی رسول ﷺ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، کیونکہ بخاری ہی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان موجود ہے کہ میں ان چھوکروں کو جانتا ہوں، مجھے ان کے اور ان کے باپ کے نام بھی معلوم ہیں، چاہوں تو بتا بھی سکتا ہوں...... (پھر گیاوی صاحب نے اسی بات پر ایک روایت نقل کی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش ہے کہ) ......’’اس روایت سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان چھوکروں کے نام یقینی طور پر معلوم تھے اور ظاہر ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نام حضور ﷺ ہی نے بتائے تھے...... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو نام معلوم تھے وہ یقینی اور حتمی تھے، صرف احتمالی نہیں، کیونکہ احتمالی ماننے کا مطلب یہ ہو گا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضور کی بات پر یقین اور جزم نہ تھا...... حالانکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ بات سمجھنا بہت بڑی گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے، اس لیے ہمارا عقیدہ ہے ان چھوکروں کے نام سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بالیقین معلوم تھے، البتہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صراحت کے ساتھ کسی مصلحت کی وجہ سے ان چھوکروں کو

① گیاوی صاحب کی کتاب: ۹۹.

کھول کر بتاتے نہ تھے، مگر کبھی اشارہ فرما دیتے تھے اور صحیح روایتوں میں سیدنا ابو ہریرہ نے کنایہ سے نام بتا دیئے ہیں...... ''①

قارئین محترم! آپ کو گیاوی صاحب کی یہ لمبی چوڑی تقریر سمجھ آئی؟ اس میں محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کس بات کا رد ہے؟ کیا محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کا انکار کیا تھا کہ جس میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''اگر میں چاہوں تو ان چھوکروں اور ان کے آباء کے نام بھی بتا دوں؟''

یا انہوں نے یہ لکھا تھا کہ

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو خود ان چھوکروں کے نام معلوم نہ تھے؟''

انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ حدیث میں ان چھوکروں کے نام مذکور نہیں، اور نہ ہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے نام بتائے ہیں، پھر گیاوی صاحب کا اس بات پر اتنا سیخ پا ہونا چہ معنی دارد؟، ہمارے خیال میں جب آدمی دلیل کے سامنے لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ ایسے ہی غصہ کرتا ہے، کیا اعظمی صاحب رحمہ اللہ نے یہ کہہ دیا تھا کہ:

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان چھوکروں کے نام حتمی ویقینی طور پر معلوم نہ تھے؟؟''

ہاں اگر گیاوی صاحب یہ ثابت کر دیتے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان چھوکروں کے نام بھی صراحت کے ساتھ بتا دیے تھے اور ان میں یزید کا نام بھی تھا تو پھر بھی کوئی بات ہوتی، لیکن گیاوی صاحب تو خود یہ فلسفہ جھاڑ رہے ہیں کہ: ''سیدنا ابو ہریرہ نے کنایہ سے نام بتائے ہیں'' (اگرچہ گیاوی صاحب کا یہ دعوی بھی سراسر غلط ہے، جس پر ہم آگے بات کریں گے)، تو گیاوی صاحب بتائیں کہ اس ''کنایہ'' سے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۰-۱۰۱۔

کس نے یقینی و قطعی طور پر نام نکالے؟ وہ لوگ کون تھے؟ شارحین یا خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؟

پھر گیاوی صاحب کی مزید دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں کہ:

''صحیح روایتوں میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایہ سے نام بتائے ہیں، محدث بیہقی رحمہ اللہ نے وہ صحیح روایت نقل کر دی ہے۔''

اور اس کے بعد گیاوی صاحب نے بیہقی کی کتاب "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں ایک سیدنا ابو سعید خدری کی ہے، اس کے بعد انہوں نے بیہقی کی یہ بات نقل کی ہے کہ:

"وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ ثُمَّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَا يُؤَكِّدُ هَذَا التَّارِيخَ" ①

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ بات مروی ہے جو اسی تاریخ کی تائید کرتی ہے۔''

یہاں گیاوی صاحب نے حد ہی کر دی، امام بیہقی کی کتاب "دلائل النبوۃ" کے جس باب کی دو احادیث کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، وہ حدیثیں انہوں نے نقل کیوں نہ کیں؟ تاکہ پڑھنے والے دیکھ لیتے کہ ان میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے **"غلمة من قریش"** کی تشریح میں کس کا نام "کنایتاً" ذکر کیا ہے؟ اور وہ ایک ''چھوکرا'' تھا یا بہت سے ''چھوکرے'' تھے؟ یہ گیاوی صاحب کی تلبیس اور مغالطہ دہی کی اعلیٰ ترین مثال ہے، وہ دراصل ایک دوسری روایت کو یہاں ملا کر دھوکہ دینا چاہتے ہیں، جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے کہ آپ ''ساٹھویں سال'' سے پناہ مانگا کرتے تھے، اس اثر پر ہم آگے بات کریں گے۔

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۱

گیاوی صاحب نے تو آگے تلبیس کی انتہاء ہی کر دی، لکھتے ہیں:

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت بسند صحیح مروی ہے اور اس میں نام کی طرف کنایۃً تذکرہ ہے اس لئے اس کو پیش کر رہا ہوں''۔

اور پھر ابن حجر مکی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے:

وَكَانَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ علم من النَّبِي ﷺ بِمَا مر عَنهُ ﷺ فِي يزِيد فَإِنَّهُ كَانَ يَدْعُو اللَّهُمَّ إِنِّي أعوذ بك من رَأس السِّتين وإمارة الصّبيان، فَاستَجَاب الله لَهُ وتوفاه سنة تسع وَخمسين وَكَانَ وَفَاة مُعَاوِيَة وَولَايَة ابْنه سنة سِتِّينَ فَعلم أَبُو هُرَيْرَة بِولَايَة يزِيد فِي هَذِه السّنة فاستعاذ مِنْهَا لما علمه من قَبِيح أَحْوَاله بِوَاسِطَة إِعْلَام الصَّادِق المصدوق ﷺ بذلك"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) نبی کریم ﷺ سے مروی روایت میں جو کچھ گذرا یزید کے بارے میں، سیدنا ابو ہریرہ کو اس کی معلومات تھیں، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعا فرماتے تھے: اللہ کی پناہ چاہتا ہوں سنہ ۶۰ ھ کی شروعات سے (گیاوی صاحب نے یہاں ہجری سال سمجھا ہے۔ ناقل) اور بچوں کی حکومت سے تو اللہ نے ان کی دعا قبول کی، اس لئے ان کو سنہ ۵۹ ھ میں وفات دے دی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور ان کے بیٹے یزید کی حکومت سنہ ۶۰ ہجری میں ہے پس ابو ہریرہ، یزید کی حکومت کے بارے میں جانتے تھے، اس لیے وہ اس سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، کیونکہ وہ اس کے برے حالات کو جانتے تھے، صادق ومصدوق ﷺ کے واسطے سے...... الخ①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۱۔۱۰۲۔

ہمارا سوال ہے کہ کیا ''ابن حجر مکی'' کی بات گیاوی صاحب کے نزدیک ''صحیح حدیث'' ہے؟ پھر خود گیاوی صاحب نے "رأس الستین" کا ترجمہ کیا ہے کہ ''سنہ ۶۰ ہجری کی شروعات''، تو سنہ ۶۰ ہجری کے شروع میں تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی، آپ کی وفات رجب ۶۰ ہجری میں ہوئی ہے، یہاں گیاوی صاحب کیا تاویل کریں گے؟

الغرض! ہم ابن حجر مکی کی بات کو ''حدیث صحیح'' یا اسے ''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات'' ہرگز قبول نہیں کر سکتے، یہ ابن حجر مکی کا اپنا استنباط اور اجتہاد ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید یا کسی اور کا نام ہرگز نہیں لیا۔ اور گیاوی صاحب اگر بھول گئے ہوں تو انہیں یاد کروا دیں کہ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے جب ''شراب کی مہک آنے پر حد جاری کیے جانے'' کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت پیش کی تھی تو لکھا تھا کہ:

> ''شارحین اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: ممکن ہے اس شرابی نے پینے کا اعتراف واقرار کرلیا ہو، اس لئے اس پر حد جاری کردی گئی، میں کہتا ہوں کسی صحیح السند روایت سے نہ اس کا اقرار واعتراف ثابت کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت کیا جانا آسان ہے۔''①

تو یہ ہے گیاوی صاحب کی ''غیر جانبدارانہ'' تحقیق، خود جب چاہیں شارحین حدیث کی بات تسلیم نہیں کرتے، اور جب کوئی دوسرا یہ کہے تو اس پر غصہ کرتے ہیں کہ

> ''مولانا اعظمی کا غرور علم اس جگہ بالکل کھل گیا ہے اور وہ تکبر کو تواضع کی چادر میں چھپانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، اور بڑے بڑے محدثین اور اصحاب علم کو ہی نہیں، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر

① گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۳۴-۳۵۔

پر رکھ کر بے توقیر بنا ڈالا ہے۔''

ہم یہاں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سامنے آیا اور اس پر چند صحابہ نے اختلاف بھی کیا تو اس وقت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے (خود گیاوی صاحب نے "الصواعق المحرقه" کے حوالے سے جو ابن حجر مکی کا قول اور اجتہاد نقل کیا ہے، اس میں صاف مذکور ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۵۹ ہجری میں ہوئی تھی)، تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر علم تھا کہ امت کی بربادی جن چھوکروں کے ہاتھوں ہونے والی ہے ان میں سب سے پہلا چھوکرا یزید ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو یہ حدیث نہ سنائی؟ اور نہ ہی ان صحابہ میں سے کسی نے اس حدیث سے کہیں استدلال کیا جنہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف کھل کر بیان کیا؟ ......

بلکہ اور آگے جائیں تو واقعہ حرہ میں بھی یزید کی بیعت توڑنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کا حوالہ دے کر یہ نہیں کہا کہ یزید وہ پہلا قریشی چھوکرا ہے جس کے ہاتھوں امت کی ہلاکت شروع ہوئی ہے، جس کا نام ہمیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایتاً بتا دیا تھا، لہٰذا امت کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اس کے خلاف نکلنا ضروری ہے۔

اب گیاوی صاحب بتائیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سامنے یزید کی ولی عہدی کی بیعت ہوتے دیکھی، لیکن کسی سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام اور ولدیت کے ساتھ بتایا ہوا ہے کہ یزید ہی وہ پہلا قریشی چھوکرا ہے جس کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوگی، بلکہ اگر آپ نے اس وقت موجود صحابہ میں سے ہی کسی کو صراحتاً

نہ سہی، کنایۃً و اشارتاً ہی یہ بات بتا دی ہوتی تو کیا وہ صحابہ اس بات کو ذکر نہ کرتے؟ اور عین ممکن ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ کرام یہ بات سن کر اپنے موقف سے رجوع کر لیتے، اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ واقعہ حرہ میں یزید کی بیعت توڑنے والوں کو سخت وعیدیں نہ سناتے۔ لہٰذا جو بات ۹۰۰ سال بعد پیدا ہونے والے ابن حجر مکی کو معلوم ہو گئی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیوں معلوم نہ ہو سکی؟ یہ گتھی گیاوی صاحب کو سلجھانی ہو گی۔ (ابن حجر مکی کی ولادت سنہ ۹۰۹ ہجری کی ہے)۔

بلکہ خود گیاوی صاحب نے امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، اسی روایت سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنا اور اس کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن گیاوی صاحب نے وہاں بھی یہ صریح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ اس روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بچوں کی امارت کا پہلا مصداق یزید تھا، اور پھر بلا سوچے سمجھے گیاوی صاحب نے جو یہ بات لکھی ہے کہ:

> ''ابن ابی شیبہ کے ساتھ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے جو روایت میں نے پہلے نقل کی ہے اس کو ملا لیجئے تو بات بالکل صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ امارۃ الصبیان کا پہلا مصداق یزید ہی ہے اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بالوں کو پکڑنے کی دعوت دے کر کنایۃً یزید کا نام بتا دیا تھا، اس لئے کہ ان کو یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم تھی لیکن کھول کر بیان کرنا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے خطرناک اور خلاف مصلحت تھا......''①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۶۔

یہ گیاوی صاحب کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بہتان عظیم ہے، اور انہیں (معاذ اللہ) بزدل ثابت کرنا ہے، جو اپنے سامنے امت کی ہلاکت کا سامان ہوتے دیکھتے رہے لیکن پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات کھول کر کسی سے بیان نہ کر سکے، گیاوی صاحب! آپ یزید کی مٹی پلید کرنے کے شوق میں کہاں تک پہنچ گئے؟ کیا آپ نے اس پر غور کیا؟۔

گیاوی صاحب کے اس دھوکہ پر ہم آگے بات کریں گے اور بتائیں گے کہ "تمسكوا بصدغي معاوية" کے الفاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو پکڑنے کی بات ہو رہی ہے یا ان کی حکمت عملی کو غلط بتایا جا رہا ہے، لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یزید کا یہاں دور دور تک اشارتاً یا کنایتاً کہیں ذکر نہیں، نیز ہم بتائیں گے کہ "صبیان" اور "غلمان" عربی میں کس پر بولا جاتا ہے، اور کیا یزید صبی یا غلام کی تعریف میں آتا ہے؟

قریشی بچوں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت والی حدیث اور اس کا مفہوم:

اب ہم پر لازم ہے کہ ہم ''قریشی چھوکروں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت'' والی حدیث، نیز ''ساٹھ سال'' اور ''بچوں کی امارت'' سے پناہ مانگنے والے اثر پر مفصل بات کریں تا کہ گیاوی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے اس استدلال کی حقیقت بھی آشکار ہو سکے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الأُمَوِيُّ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَسَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ:

سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ، يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالَ مَرْوَانُ: غِلْمَةٌ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلَانٍ، وَبَنِي فُلَانَ۔ ①

(ترجمہ) عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا (سعید) سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابو ہریرہ اور مروان کے ساتھ تھا جب سیدنا ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: میری امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی، مروان نے پوچھا: نوجوان لڑکے؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں ان کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے۔

یہی حدیث صحیح بخاری میں ایک دوسرے مقام پر بھی یوں آئی ہے:

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَدِّي، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ، وَمَعَنَا مَرْوَانُ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ: هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ: لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ غِلْمَةً۔ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ: بَنِي فُلَانٍ، وَبَنِي فُلَانٍ، لَفَعَلْتُ۔ فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي إِلَى بَنِي مَرْوَانَ حِينَ مُلِّكُوا بِالشَّأْمِ، فَإِذَا رَآهُمْ غِلْمَانًا أَحْدَاثًا قَالَ لَنَا: عَسَى هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ؟ قُلْنَا: أَنْتَ أَعْلَمُ۔ ②

① صحيح البخاري، حديث نمبر: ۳۶۰۵۔

② ایضاً حدیث نمبر: ۷۰۵۸۔

(وہی راوی عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، لیکن اس روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، ان کا ترجمہ کیا جاتا ہے) راوی عمرو بن یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ: جب بنو مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جایا کرتا تھا، جب میرے دادا نے وہاں نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ: شاید یہ انہی میں سے ہوں، ہم نے کہا کہ: آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصِّبْيَانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ قَالَ لَنَا: هَلْ عَسَى أَصْحَابُكُمْ هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا الَّذِينَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَذْكُرُ أَنَّ هَذِهِ الْمُلُوكَ يُشْبِهُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔ ①

(عمر بن یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب ہم شام گیے تو ہم نے دیکھا کہ): وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، تو میرے دادا نے کہا: ہوسکتا ہے یہی وہ لڑکے ہوں جن کا ذکر میں نے سیدنا ابو ہریرہ سے سن رکھا ہے کہ یہ بادشاہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے۔

صحیح بخاری کی یہ دونوں احادیث اور ان کے ساتھ مسند احمد کی مندرجہ بالا روایت ایک ہی سند سے مروی ہیں، اور غور کریں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی ''سعید بن عمرو'' نے مذکورہ حدیث کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا جو یزید کے بعد کے زمانے کے تھے، اور یزید کا حوالہ نہ انہوں نے دیا اور نہ ہی

① مسند احمد، جلد ۱۴ صفحہ ۵۸ مؤسسة الرسالة۔

ان کے پوتے ''عمرو بن یحییٰ بن سعید'' نے ہی یزید کا کوئی ذکر اذکار کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک کسی نے بھی اس حدیث کو یزید پر فٹ نہیں کیا تھا، اور اہل علم خوب جانتے ہیں کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے، مگر آج گیاوی صاحب جیسے ایسے محققین پیدا ہو چکے ہیں جو اس حدیث کے راوی کے فہم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ صحیح بخاری سے صرف وہ روایت پیش کرتے ہیں جو مختصر ہے، اور اس روایت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہیں جس میں مفہوم کی وضاحت بھی موجود ہے، مقصد صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے وہ نہ صرف راوی حدیث کی طرف سے لئے گئے مفہوم کے خلاف ہے، بلکہ خیر القرون کے تمام اہل علم کے فہم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ یزید کے دور کے کسی بھی صاحب علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہو، حتیٰ کہ واقعہ حرہ میں جب مدینہ کے کچھ لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انہوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔

اسی بات کو محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یوں لکھا تھا کہ:

''مہتمم صاحب (یعنی قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ - ناقل) نے اپنے عقیدہ کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ ایک صحیح حدیث میں ہلاک اُمتی علی یدی غلمۃ من قریش وارد ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کی بربادی قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، مہتمم صاحب نے حدیث نقل کرنے کے بعد پہلے یہ تاویل نقل کی ہے کہ چھوکروں سے ضعیف العقل وغیر مدبّر اشخاص مراد ہیں، اس کے بعد ابن حجر کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ان چھوکروں

میں پہلا چھوکرا یزید ہے۔''①

اس کے بعد محدث اعظمی رحمۃ اللہ نے لکھا تھا کہ:

''ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ بات جس کو جامعین عقائد یا شارحین کتب عقائد میں سے سلف کا حوالہ دیے بغیر عقائد کی کتابوں میں اپنی رائے کے طور لکھ دیں، اس کو عقیدہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ دوسری بات مہتمم صاحب سے یہ عرض کرنی ہے کہ جس بات کی کسی حدیث میں تصریح نہ ہو اور شارحین حدیث اپنے اپنے علم کے مطابق قرائن کے بنا پر حدیث کا محمل متعین کرنے کی کوشش کریں، تو شارحین کے بیان کردہ محامل کو حدیث کا درجہ نہیں دیا جاتا، مثلاً آپ کی منقولہ حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ: ''میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی''، حدیث میں صراحۃً یا اشارۃً کوئی تعیین ان چھوکروں کی نہیں ہے، اب اگر کسی قرینہ کی بنا پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشین گوئی کی گئی ہے''۔②

پھر آگے لکھتے ہیں:

''چوتھے نمبر پر یہ عرض کرنا ہے کہ مہتمم صاحب نے اس حدیث کی شرح میں تو حافظ ابن حجر نے جو لکھا ہے اس کو گویا نص کا درجہ دے کر اپنے عقیدہ کی بنیاد قائم کر لی، لیکن بارہ خلفاء والی حدیث کے باب میں جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اور یزید کو ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے جن کے عہد میں

①② محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ ۲۲، ۲۳

اسلام باعزت و شوکت اور دین برقرار رہے گا، اس کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ اور ابن حجر کی اس توجیہ کو اس حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کیوں نہیں فرمایا کہ یزید کی خلافت کے ساتھ عزت و شوکت اسلام اور قیام و بقائے دین کی وابستگی کے اشارات حدیث میں پائے جاتے ہیں؟''①

اور آگے یہ بھی لکھا، جو غور سے پڑھنے کے لائق ہے:

بہر حال اب سنیے کہ عمرو بن یحییٰ جنہوں نے اس حدیث کو اپنے دادا سے روایت کیا ہے، وہ اس حدیث کی روایت کے بعد صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ:

میں اپنے دادا سعید کے ساتھ اس وقت ملک شام گیا، جب وہاں بنو مروان کی حکومت تھی، تو میرے دادا سعید نے بنو مروان کو نوخیز دیکھ کر فرمایا کہ:

''دور نہیں کہ یہی وہ قریش کے چھوکرے ہوں''،

اس کے جواب میں ہم لوگوں نے کہا کہ اس کو آپ ہی ہم سے زیادہ جان سکتے ہیں۔ اب غور فرمایئے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث اور اس کا یہ محمل دونوں ساتھ ساتھ مذکور ہیں، مگر مہتمم صاحب کسی حکمت کے ماتحت اس محمل کا ذکر بالکل نہیں کرتے، دوسرا ستم یہ ہے کہ ابن حجر کی توجیہ کو تو وہ نص کی طرح تسلیم کرتے ہیں، مگر خود راوی حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کی توجیہ کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اسی طرح یزید کو لفظ ''غلام'' کا مصداق ثابت کرنے کے شوق میں وہ ابن حجر کی اس تاویل کو بے تأمل

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۴.

مان لیتے ہیں کہ غلام اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے، بلکہ مجازاً اس سے ضعیف العقل مراد ہے، مگر خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا، لفظ "غلمة" کو اس کے حقیقی معنوں میں سمجھتا ہے، اور بنو مروان کو نوخیز پا کر ان کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے، تو اس کی کوئی قیمت مہتمم صاحب کے نزدیک نہیں ہے، حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک حقیقت متعذر نہ ہو''۔①

پھر مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "ازالة الخفاء" کے حوالے سے یہ بیان کیا تھا کہ شاہ صاحب نے اس "غلمة من قريش" سے مراد عبدالملک بن مروان کی اولاد کو لیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ:

''بڑے جھگڑوں کے بعد حکومت کا معاملہ عبدالملک پر قرار پا گیا، اور تمام اہل اسلام اس کے حکم کے ماتحت ہو گئے، اور اس کے بیٹوں پوتوں نے بھی اسی ڈھنگ سے عالم میں فرمانروائی کی، حدیث شریف میں اس فریق کی حکومت کا بیان آیا، امام بخاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔''②

لیکن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کے جواب میں جماعت ولی اللہی کے رکن جناب گیاوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے خلاف دفع الوقتی ہے ورنہ مولانا موصوف نے زیر بحث مسئلہ میں خود ذرا زحمت کیوں

①② محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ: صفحہ ۲۵-۲۶.

نہیں کی کہ شاہ صاحب نے یزید کے متعلق کیا لکھا ہے۔''①

اور پھر آگے لکھا ہے کہ:

''اور هلكة امتي على يدي غلمة من قريش کے تحت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو بنو مروان کو داخل کیا ہے (بنو مروان نہیں بلکہ بنو عبدالملک کو۔ ناقل) اس سے یزید کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ أولهم یزید کے خلاف نہیں، بلکہ بنو مروان بھی اس میں داخل ہیں، البتہ اس پیشین گوئی کا پہلا مصداق یزید اور باقی بنو مروان بھی ہیں، لفظ "غلمة" جمع کا صیغہ ہے تو صرف ایک ہی پر یہ پیشین گوئی ختم نہیں ہوگی اس پیشین گوئی میں اوروں کی بھی گنجائش باقی ہے البتہ اولهم یزید ہی رہے گا اس لیے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ کی تصریح میں تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔''②

ملاحظہ فرمائیں! کس طرح گیاوی صاحب مغالطے در مغالطے دے رہے ہیں، بات حدیث میں آئے لفظ "غلمة من قريش" کی توجیہ کی ہو رہی ہے، اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صاف طور پر اس کو عبدالملک بن مروان کی اولاد پر منطبق کیا ہے، اب گیاوی صاحب کے پاس چونکہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا اس لیے بات کو اس طرف موڑ دیا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جو یزید کے بارے میں لکھا ہے اسے کیوں قبول نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وہ بات کیوں قبول نہیں کرتے جس میں انہوں نے یزید کو ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے جن کے دور خلافت میں دین غالب، شان و شوکت والا رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے؟ کیا جس کے دور میں دین غالب ہو اور اس کی شان و شوکت برقرار ہو، وہ امت کی ہلاکت کا زمانہ ہوگا؟،

①② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۴۔

اور پھر ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث قسطنطنیہ کی شرح میں، جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ " سب سے پہلا وہ لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اس کی مغفرت کر دی گئی"، اس کی شرح میں انہوں نے ایک تو ''قیصر کے شہر'' سے مراد ''قسطنطنیہ'' لیا ہے اور دوسرا یہ لکھا ہے کہ:

" فَإِنَّهُ كَانَ أَمِيرَ ذَلِكَ الْجَيْشِ بِالْاِتِّفَاقِ " ①

''(قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے سب سے پہلے) لشکر کا امیر بالاتفاق یزید تھا''۔

تو گیاوی صاحب کو ابن حجر کی اس تحقیق سے اختلاف تو نہیں؟ ذرا کھل کر بتائیں، اور پھر یہ بتائیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس لشکر میں شامل لوگوں کے لیے جو "مغفور لهم" فرمایا، یہ اللہ کی وحی کی بنا پر فرمایا تھا یا اپنے اجتہاد سے؟ اگر اللہ کی وحی سے فرمایا تھا اور حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق یزید پہلے لشکر کا بالاتفاق امیر بھی تھا تو آپ اسے "مغفور لهم" کی بشارت میں داخل سمجھتے ہیں کیا؟؟

واضح رہے کہ حدیث میں کسی قسم کا کوئی استثناء بھی نہیں، اور نہ ہی یہ بشارت مشروط ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا کہ اس لشکر میں کون کون لوگ شریک ہوں گے، اس کے باوجود غیر مشروط طور پر ان کی مغفرت کا پروانہ اپنے نبی کی زبان سے جاری فرمایا (لہٰذا اگر کسی نے اپنی طرف سے اس حدیث میں قیود وشرائط یا استثناءات کا اضافہ کیا ہے تو وہ حدیث نہیں بلکہ ان حضرات کا اپنا استنباط اور رائے ہے، اور اپنی طرف سے حدیث کے معانی ومفہوم کو مقید کرنا ہے، ایسی قیود وشرائط کا درجہ حدیث کا نہیں کہ انہیں ماننا ضروری ہو) اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ فرض

① فتح الباری، جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ دار المعرفة بیروت

کرلیں ان کے خیال میں، یزید فاسق تھا، فاجر تھا، لیکن پھر بھی اس حدیث کی رو سے اللہ نے قسطنطنیہ کے لشکر میں شامل بلکہ اس کا امیر ہونے کی وجہ سے مغفرت فرما دی ہو تو کیا انہیں زیب دیتا ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ثابت کرتے رہنے میں اپنی کوششیں صرف کرتے رہیں؟

الغرض! مجھے بتانا یہ مقصود ہے کہ آپ بھی حافظ ابن حجر کی بہت سی باتوں سے اختلاف رکھتے ہوں گے، بلکہ شارحین حدیث کے درمیان ایک ہی حدیث کی توجیہ میں اختلاف ہونا ناممکن یا معیوب بھی نہیں، لیکن اہل علم کے نزدیک یہ بات ضرور تسلیم شدہ ہے کہ کسی حدیث کو بیان کرنے والا راوی خود کسی بات کی وضاحت کردے تو اس کا فہم سب سے مقدم ہوگا۔

پھر گیاوی صاحب نے جو یہ مغالطہ دیا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "غلمة من قریش" میں بنو مروان کو بھی داخل کیا ہے اس سے یزید کی نفی نہیں ہوتی یہ صرف گیاوی صاحب کا مغالطہ ہی ہے، کیونکہ شاہ صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے، وہ عبدالملک بن مروان کی حکومت کے استقرار کا ذکر کرنے کے بعد فرما رہے ہیں کہ:

''واولاد واحفاد اُو نیز در عالم بہمیں نسق فرمانروائی کردند و در حدیث شریف بیان حکومت ایں فریق آمدہ است......''

یعنی عبدالملک بن مروان کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی اسی ڈھنگ سے حکومت کی، اور حدیث شریف میں اسی فریق کی حکومت کا بیان آیا ہے۔ اور پھر آگے شاہ صاحب نے یہی حدیث "غلمة من قریش" نقل کی ہے، لہٰذا شاہ صاحب نے یہاں یہ نہیں لکھا کہ ''یہ بھی غلمۃ من قریش میں سے ہیں'' بلکہ صرف ''ایں فریق'' لکھا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ لفظ "غلمة" جمع ہے، بے شک جمع ہے اور اس کا مفرد ہے

''غلام''، آیئے دیکھتے ہیں''غلام'' کسے کہتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی فتح الباری میں لکھا ہے:

"يُقَالُ لِلصَّبِيِّ حِينَ يُولَدُ إِلَى أَنْ يَحْتَلِمَ غُلَامٌ وَتَصْغِيرُهُ غُلَيِّمٌ وَجَمْعُهُ غِلْمَانٌ وَغِلْمَةٌ وَأُغَيْلِمَةٌ......''①

''ولادت سے لے کر بالغ ہونے تک کے بچے کو غلام کہا جاتا ہے، اور اس کی تصغیر "غُليّم" اور اس کی جمع "غلمان" "غلمة" اور "اغيلمة" آتی ہے۔

نیز خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حدیث کے ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، لکھتے ہیں:

"وَقَالَ ابن الْأَثِيرِ الْمُرَادُ بِالْأُغَيْلِمَةِ هُنَا الصِّبْيَانُ وَلِذَلِكَ صَغَّرَهُمْ"②

ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہاں "اغیلمة" سے مراد چھوٹے بچے ہیں اسی لیے اسے تصغیر کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے۔

لہٰذا سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس روایت میں نابالغ ''بچوں'' کا ذکر ہے، اور یزید نے جب حکومت سنبھالی تو وہ بچہ تھا ہی نہیں، خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا اس لئے انہوں نے یہ تاویل کی کہ:

"وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلَيِّمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّدْبِيرِ وَالدِّينِ وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا وَهُوَ الْمُرَادُ هُنَا فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مَنِ اسْتُخْلِفَ وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمَّرُوهُ عَلَى

---

①فتح الباری، جلد۱۳ صفحہ ۹ دار المعرفة بیروت۔

②ایضاً صفحہ ۱۰ النهاية في غريب الحديث والأثر، جلد۳ صفحہ ۳۸۲ المكتبة العلمية بيروت۔

الْأَعْمَالِ..."①

صَبِیّ اور غُلَیّم کا اطلاق کم عقل و کم فہم پر بھی ہوتا ہے، اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو، اور اس حدیث میں بچوں سے یہی مراد ہے، کیونکہ بنی امیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گذرا ہے، اسی طرح ان کے تمام عمال بھی بالغ تھے۔

چنانچہ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی کہ ''غلام'' یا ''صبی'' کا حقیقی معنی لینا متعذر یا ناممکن ہو، جیسا کہ ابن اثیر نے اسے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا ہے، لہٰذا اس کا مجازی معنی لینے کی کوئی مجبوری نہیں، نیز حافظ ابن حجر کی یہ مندرجہ بالا تاویل بھی محل نظر ہے کیونکہ یزید پر ''کم عقلی'' کا الزام تو کسی نے بھی نہیں لگایا تھا، پھر اسے کم عقل سمجھ کر اسے بچوں میں شامل کرنا چہ معنی دارد؟

لہٰذا یہ حدیث حقیقت پر ہی محمول ہوگی، جیسا کہ اس حدیث کے راوی نے خود اسے حقیقی معنوں پر ہی محمول کیا ہے۔

سنہ ۶۰ ہجری اور امارت صبیان:

اب آیئے ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس بنیاد پر اس حدیث میں یزید کو شامل کرنے پر اصرار کیا جا رہا ہے، دراصل جس حدیث کا اوپر ذکر ہوا (یعنی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں امت کی بربادی والی حدیث)، یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث ہے، اب یہاں کاروائی یہ کی جاتی ہے کہ اس حدیث کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک موقوف اثر ملایا جاتا ہے جو گیاوی صاحب نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے کہ:

وَفِي رِوَايَةِ بن أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَمْشِي فِي السُّوقِ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ لَا

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۔

تُدْرِكْنِي سَنَةُ سِتِّينَ وَلَا إِمَارَةُ الصِّبْيَانِ"①

(ترجمہ از گیاوی صاحب) ایک روایت ابن ابی شیبہ سے ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے اور فرماتے اے اللہ مجھے نہ پائے سنہ ۶۰ ہجری کا زمانہ اور بچوں کی حکومت۔

نوٹ: ہمیں مصنف ابن ابی شیبۃ میں ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں ملی، بلکہ یہ ملی ہے:

"حدثنا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ: إِمَارَةُ الصِّبْيَانِ ; إِنْ أَطَاعُوهُمْ أَدْخَلُوهُمُ النَّارَ، وَإِنْ عَصَوْهُمْ ضَرَبُوا أَعْنَاقَهُمْ"②

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شر کی وجہ سے جو قریب ہے، اور وہ بچوں کی امارت ہے، اگر وہ ان کی اطاعت کریں گے تو وہ انھیں آگ میں داخل کر دیں گے، اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو ان کی گردنیں مار دیں گے۔

لیکن بہر حال حافظ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیا ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا کا ذکر کیا ہے جس کے عربی الفاظ یہ ہیں، غور سے پڑھیں:

"اللَّهُمَّ لَا تُدْرِكْنِي سَنَةُ سِتِّينَ وَلَا إِمَارَةُ الصِّبْيَان"

ان الفاظ کا درست لفظی ترجمہ یوں ہے:

''اے اللہ! مجھے ساٹھواں سال نہ پائے، اور نہ ہی بچوں کی حکومت پائے''،

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۵۔

② مصنف ابن ابي شيبة، نمبر: ۳۷۲۳۶ جلد۷ صفحہ ۴۶۱ مکتبۃ الرشد، الریاض۔

کیونکہ یہاں "لا تدر کني سنة ستين" کے بعد "ولا" کے اضافے کے ساتھ امارة الصبیان کا ذکر ہے، گیاوی صاحب نے جو اردو ترجمہ کیا ہے اس میں اس "وَلَا" کا ترجمہ ہضم کر گئے ہیں۔

نیز "سنة ستين" کو سنہ ۶۰ ہجری بنا ڈالا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے مجھے نہ پائے سنہ ۶۰ ہجری کا زمانہ اور بچوں کی حکومت۔

ترجمہ میں یہ مغالطہ اس لیے دیا گیا ہے تاکہ ایک تو یہ باور کروایا جائے کہ "سنة ستين" سے مراد ساٹھ ہجری ہے، دوسرا یہ ثابت کیا جائے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جن دو چیزوں کی دعا مانگی ہے، ان دونوں کا ایک ساتھ وقوع ہونا تھا، جبکہ "ولا امارة الصبيان" کے الفاظ جن میں صرف "و" نہیں بلکہ اس کے ساتھ الگ سے "لا" بھی ہے، اسی کے پیش نظر محدث اعظمی رحمہ اللہ نے بجا طور پر یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ:

''یہ طرز تعبیر صاف بتا رہا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امارت صبیان کو ساٹھویں سال سے بالکل علیحدہ اور الگ ایک مستقل چیز سمجھتے تھے، اگر دونوں میں معیت کا تصور ان کو ہوتا تو لفظ "لا" کے اعادہ کے ساتھ اس کو پہلے پر عطف نہ کرتے، بلکہ یوں کہتے: "لا تدر کني سنة ستين وامارة الصبيان"۔①

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک روایت یوں نقل کی ہے:

''......أَخْرَجَهُ عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ وبن أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ قَالُوا وَمَا إِمَارَةُ الصّبيان قَالَ إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ هَلَكْتُمْ أَيْ فِي دِينِكُمْ وَإِنْ عَصَيْتُمُوهُمْ أَهْلَكُوكُمْ أَيْ فِي دُنْيَاكُمْ بِإِزْهَاقِ

① محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ: صفحہ ۲۷.

النَّفْسِ أَوْ بِإِذْهَابِ الْمَالِ أَوْ بِهِمَا"۔①

''علی بن معبد اور ابن شیبہ نے ایک اور طریق سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے جو کہ مرفوع ہے (اور اس کے الفاظ ہیں) میں بچوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں، لوگوں نے پوچھا: بچوں کی امارت کا کیا مطلب؟ تو آپ نے فرمایا: اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، (راوی کہتا ہے) مراد دین کی ہلاکت ہے، اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے، اس سے مراد دنیا کی ہلاکت ہے، یعنی یا تو تمہاری جان لے لیں گے یا تمہارا مال چھین لیں گے یا دونوں چیزیں۔''

اب غور فرمائیں! اس روایت میں خاص طور پر یہ ذکر ہے کہ ''بچوں کی امارت'' کی وضاحت کے لئے سوال بھی کیا گیا تھا، لیکن اس سوال کے جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ''اس کی نشانی یہ ہے کہ یہ کام سنہ ۶۰ ہجری میں ہوگا''، بلکہ اس کی پہچان کچھ اور بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ساٹھویں سال سے کسی اور بات کی طرف اشارہ ہے اور امارۃ صبیان سے کسی اور طرف۔

لہٰذا نہ حدیث کے ظاہری الفاظ یزید پر فٹ آتے ہیں کہ وہ ''صبی اور غلام'' نہ تھا بلکہ خود باقرار حافظ ابن حجر، بنو امیہ کا کوئی بھی خلیفہ ایسا نہیں ہوا جو بالغ نہ ہو، دوسرا خود حافظ ابن حجر کے مطابق یزید ان بارہ خلفاء میں شامل تھا جن کے دور میں دین کے غلبہ اور صاحب شان وشوکت ہونے کی بشارت دی گئی ہے، تیسرا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا کا طرز تعبیر یہ بتا رہا ہے کہ ساٹھواں سال اور امارت صبیان دو الگ الگ مستقل چیزیں ہے اور ان کا ایک ہی زمانہ میں ساتھ ساتھ پایا جانا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کسی

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰.

نے اس سے مراد یزید لیا ہے تو یہ ان کا اپنا استنباط اور اجتہاد ہے، حدیث یا روایت میں ایسا کوئی اشارہ نہیں اور یہ مفہوم لینے کے لئے خوامخواہ بلاضرورت حدیث کے الفاظ کا مجازی معنی لینا پڑے گا۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ جن شارحین نے "امارۃ الصبیان" والی روایت سے یزید کی مذمت نکالی ہے، انہیں یہ بھی اچھی طرح علم تھا کہ یزید نابالغ بچہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے یہ دلیل نکالی کہ:

''فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوخَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيهَا الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِهِ''①

''یزید عام طور پر بڑے شہروں کی امارت سے بوڑھوں کو ہٹا کر اپنے چھوٹے رشتہ داروں کو ان پر والی مقرر کرتا تھا۔''

اس پر ہم شروع میں بات کر آئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ یہ بات لکھنے والوں نے کس بنیاد پر یہ بات لکھی ہے اور ان کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ خود گیاوی صاحب بھی صرف دو مثالیں ہی پیش کر سکے، ایک مدینہ کے گورنر کی اور دوسری سجستان وخراسان کی، تو کیا یزید کی مملکت میں صرف یہی دو بڑے شہر تھے؟ اور یاد رہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں "صبیان" کا لفظ ہے، بوڑھوں کے مقابلے میں چھوٹوں یا "اصاغر" کا نہیں، نیز اگر یہ بات درست بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی اس سے یہی ثابت ہوگا کہ یزید نے اپنے عامل جو مقرر کیے وہ چھوٹے بچے تھے، لیکن یزید کا بچہ ہونا تو اس سے بھی ثابت نہ ہوا، یعنی وہ جنہیں امیر مقرر کرتا تھا وہ "صبیان" ہوں گے نہ کہ خود یزید۔

---

①فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰ عمدۃ القاري، جلد ۲۴ صفحہ ۱۸۰.

گیاوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت:

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ کے حاشیہ میں گیاوی صاحب نے لکھا ہے:

سنہ ۶۰ ہجری کا تعین سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہی نہیں کرتی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (سے) پہلے مرفوع روایت سے بھی منقول ہے، ابن حجر مکی تطہیر الجنان ص ۶۶ پر فرماتے ہیں کہ:

"وفي حديث رواته ثقات تعوذ بالله من رأس الستين وفي رواية من سنة ستين ومن امارة الصبيان"۔①

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں ایک بار پھر گیاوی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، پہلی بات یہ کہ انہوں نے لکھا ہے کہ

''۶۰ ہجری کا تعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع روایت کرتی ہے''،

لیکن وہ روایت مع سند پیش نہیں کی، بلکہ سنہ ۹۰۹ ہجری میں پیدا ہونے والے ابن حجر مکی کی کتاب "تطہير الجنان" کی عبارت نقل کی ہے جس میں ایسی کسی مرفوع روایت کی کوئی سند نہیں، اور دوسرا گیاوی صاحب نے تطہیر الجنان کی عبارت بھی غلط نقل کی ہے، صحیح عبارت یوں ہے:

"وفي حديث رواته ثقات تعوذوا بالله من رأس الستين، وفي رواية من رأس السبعين وامارة الصبيان..."②

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

''ایک حدیث میں جس کے راوی ثقہ ہیں یوں ہے: اللہ کی پناہ مانگو ساٹھ

---

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۲ حاشیہ۔

② تطہير الجنان، صفحه ۲۲۶۔۲۲۷ طبع دار الصحابة، طنطا، مصر۔

کے سر سے، اور ایک روایت میں یوں ہے: ستر کے سر سے اور بچوں کی امارت سے‘‘۔

یعنی یہاں ابن حجر مکی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ’’ایک روایت میں ’’۶۰ سال‘‘ کے بجائے ’’۷۰ سال‘‘ اور ’’بچوں کی امارت‘‘ کا بھی ذکر ہے، اور ظاہر ہے اگر یہ مرفوع روایت ہے تو اس ۶۰ اور ۷۰ سے سنہ ۶۰ یا سنہ ۷۰ ہجری مراد نہیں ہوسکتا کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں سن ہجری کا رواج نہیں تھا، لہٰذا اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ یا ستر سال ہوں گے، جو تقریباً ۷۰ ہجری یا ۸۰ ہجری بنے گا، اور اگر اس سے ہجری سنہ ہی مراد لے لیا جائے تو پھر بھی یزید تو ۷۰ ہجری سے پہلے اس دنیا سے جا چکا تھا، یوں ابن حجر مکی نے جس دوسری ’’۷۰ سال‘‘ والی روایت کا ذکر کیا ہے اس کی رو سے یزید اس میں شامل نہیں ہوسکتا، شاید اسی لئے گیاوی صاحب نے کمال ہوشیاری سے تطہیر الجنان کی عبارت میں "رأس السبعین" کو "سنة ستین" بنا ڈالا۔

ہمارے خیال میں گیاوی صاحب نے اپنے ممدوح سید لعل شاہ بخاری کی کتاب سے یہ حوالہ بلا تحقیق نقل کر دیا ہے اور اصل کتاب "تطہیر الجنان" میں دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائی، کیونکہ لعل شاہ صاحب نے بھی اپنی کتاب میں "رأس السبعین" کو "سنة ستین" سے تبدیل کیا ہے اور گیاوی صاحب کی طرح تطہیر الجنان کے صفحہ ۶۶ کا ہی حوالہ دیا ہے۔① کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اب گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ اس ’’مرفوع حدیث‘‘ کو مع سند پیش

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۰۔

کریں جس میں ''ساٹھ سال'' سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، ہم اپنی طرف سے ''۷۰ سال'' والی اس حدیث مرفوع کی سند پیش کر دیتے ہیں جس کی طرف ابن حجر مکی نے اشارہ کیا ہے، تو ملاحظہ فرمائیں، یہ ''مسند احمد'' اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' وغیرہ کی وہ روایت ہے جسے گیاوی صاحب ضعیف ثابت کرنے کے درپے ہیں، آیئے پہلے اس روایت کو پڑھتے ہیں، اس کے بعد ہم گیاوی صاحب کی اس روایت پر کی گئی جرح کا جائزہ لیتے ہیں:

امام ابن ابی شیبۃ رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَمِنْ إِمْرَةِ الصِّبْيَانِ ۔①

اور مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں یہ روایت یوں ہے:

"حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ قَالَ: أَخْبَرَنَا كَامِلٌ يَعْنِي أَبَا الْعَلَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ - مُؤَذِّنًا كَانَ يُؤَذِّنُ لَهُمْ - قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَإِمَارَةِ الصِّبْيَانِ"۔②

مسند بزار میں یہ حدیث یوں ہے:

"حَدَّثَنَا أحمد بن منصور حدثنا أبو أحمد حدثنا كامل بن العلاء عن أبي صالح وهو مولى ضباعة عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يتعوذ من رأس السبعين ومن إمارة الصبيان"۔③

وکیع (بن جراح) روایت کرتے ہیں کامل ابو العلاء (بن العلاء) سے،

① مصنف ابن ابي شيبة، جلد ۷ صفحہ ۴۶۱ مكتب الرشد الرياض۔

② مسند احمد، جلد ۱۴ صفحہ ۶۸ مؤسسة الرسالة۔

③ مسند البزار، جلد ۱۶ صفحہ ۲۴۹ مكتبة العلوم والحكم المدينة۔

وہ روایت کرتے ہیں ابو صالح (مینامولی ضباعة بنت الزبیر) سے، وہ روایت کرتے ہیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو ستر کے سر سے اور بچوں کی امارت سے۔

یہ ہے وہ مرفوع حدیث جس کی طرف ابن حجر مکی نے اشارہ کیا ہے، اور گیاوی صاحب نے "رأس السبعين" کے الفاظ کو "سنة ستين" سے تبدیل کر کے بات کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور مزے کی بات، یہی حدیث محدث اعظمی رحمہ اللہ نے بھی پیش کی تھی جس کے جواب میں گیاوی صاحب نے اس ''مرفوع'' حدیث کو ضعیف بتایا ہے اور اس کے لیے دلیل یہ پیش کی ہے کہ ان کے پاس جو البداية والنهاية کا نسخہ ہے اس کے محققین نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اس کی سند ضعیف ہے''۔

اور پھر گیاوی صاحب مزید اضافہ یوں کرتے ہیں کہ:

''اب حدیث ضعیف کو صحیح پر صرف مرفوع ہونے کی وجہ سے ترجیح دینا یہ مولانا اعظمی کا ہی کمال ہے، جبکہ اس کی سند میں کامل بن العلاء لاقیتی ابو العلاء موجود ہے، اور بلا تعیین و بلا ولدیت ابو صالح ان کے استاد بھی ہیں، معلوم نہیں یہ ابو صالح میناء مولی ضباعة ہیں یا ابو صالح الیمان ہیں، جبکہ کامل ابو العلاء دونوں ابو صالح سے روایت کرتے ہیں، اس لیے ایسی ضعیف روایت کو قوی روایت پر راجح قرار دینے کے لیے محدث اعظمی

جیسا دل گردہ چاہئے کسی عام عالم کے بس کی بات نہیں ہے۔"①

اس پر ہم پہلے تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ابن حجر مکی کی کتاب تطہیر الجنان سے اپنے حق میں استدلال کرتے ہوئے "رأس السبعین" کو "سنة ستین" سے تبدیل کرنے کے لیے بھی سید طاہر حسین گیاوی صاحب جیسے مناظر یا سید لعل شاہ بخاری صاحب جیسے محقق کا دل گردہ ہی چاہیے، یہ کسی عام عالم کے بس کی بات نہیں، اس کے بعد یہ عرض کرتے ہیں کہ محمد بن عمر واقدی، لوط بن یحییٰ ابومخنف، محمد بن زکریا الغلابی جیسے راویوں کی بیان کردہ روایات کو صحیح بتانے والے گیاوی صاحب کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس روایت کے راویوں پر جرح کریں۔

آیئے ہم آپ کو اس سند کے راویوں کا تعارف کرواتے ہیں:

أبو صالح مولی ضباعة:

جہاں تک گیاوی صاحب کی یہ بات تھی کہ ابو صالح سے کون مراد ہیں؟ تو مسند بزار کی روایت میں اس کی صراحت آ گئی کہ اس سے مراد "ابو صالح مولی ضباعة" ہی ہیں، پھر خود گیاوی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ "اغلب یہ ہے کہ یہ ابو صالح مینا مولی ضباعہ ہیں"۔② لہٰذا آیئے دیکھتے ہیں یہ ثقہ ہیں یا نہیں؟

امام ابن ابی شیبہ، امام علی بن المدینی سے نقل کرتے ہیں کہ:

"وَسَأَلته عَن أَبي صَالح مولی ضباعه فَقَالَ كَانَ ثبتا وَكَانَ من التَّابِعين وَهُوَ الَّذي يروي عَنهُ أهل الكوفه"③

میں نے ابن المدینی سے ابوصالح مولی ضباعۃ کے بارے میں سوال کیا تو

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۱۔ ② حاشیہ صفحہ ۱۱۲۔

③ سؤالات ابن ابي شيبة لابن المديني: جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ مكتبة المعارف الرياض۔

انہوں نے کہا: وہ ثبت تھے اور تابعین میں سے تھے، یہ وہی ہیں جن سے کوفہ والے روایت کرتے ہیں۔

امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے:

"میناء أَبُو صَالح مولى ضباعة بنت الزُّبَيْر يَرْوِي عَن أَبِي هُرَيْرَة روى عَنهُ كَامِل أَبُو الْعَلَاء"۔①

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"فأما: أبو صالح السمان الزيات وأبو صالح الحنفي وأبو صالح مولى ضباعة من تابعي الكوفة- فهو لاء ثقات"۔②

ابوصالح سمان زیات اور ابوصالح حنفی اور ابوصالح مولی ضباعۃ جو کوفہ کے تابعین میں سے ہیں، یہ سب ثقہ ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے سارے محدثین کی توثیق کے باوجود، مسند احمد کے محققین شیخ شعیب الأرناؤط وغیرہ نے ابوصالح مولی ضباعۃ کو مجہول لکھ دیا۔③ اور گیاوی صاحب جیسے محققین آنکھیں بند کرکے لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔

کامل بن العلاء ابو العلاء:

کامل بن العلاء کے بارے میں امام یحییٰ بن معین سے ان کے شاگرد عباس الدوری نقل کرتے ہیں کہ:

"سَمِعت يحيى يَقُول كَامِل بن الْعَلَاء أَبُو الْعَلَاء ثِقَة"

① الثقات لابن حبان، جلد ۵ صفحہ ۴۵۵ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

② میزان الاعتدال، جلد ۴، صفحہ ۵۳۹ دار المعرفۃ بیروت۔

③ دیکھیں: مسند احمد، جلد ۱۴ صفحہ ۶۸ طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

"سَمِعت یحیی یَقُول کَامِل أَبو الْعَلَاء وَهُوَ کَامِل بن الْعَلَاء لَیْسَ بِهِ بَأْس"

میں نے یحییٰ بن معین کو کامل بن العلاء ابو العلاء کے بارے میں یہ کہتے سنا کہ وہ ثقہ ہیں...... اور ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔①

یہی بات ابن ابی خیثمہ نے بھی نقل کی ہے:

"سَمِعْتُ یَحْیَی بن مَعِین یقول: کامل أبو العلاء ثقة"②

امام عجلی نے ان کے بارے میں لکھا:

"کامل أبو العلاء: کوفي ثقة"③

کامل ابو العلاء کوفی ہیں اور ثقہ ہیں۔

ابن عدی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أرجو أن لا بأس به"④

میں امید کرتا ہوں کہ ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

امام یعقوب فسوی بھی کامل بن العلاء کو ثقہ لکھتے ہیں:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ: ثنا کَامِلُ بْنُ الْعَلَاءِ وَهُوَ ثِقَةٌ"۔⑤

امام نسائی سے ایک جگہ منقول ہے کہ وہ قوی نہیں۔لیکن دوسری جگہ فرمایا کہ ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

"وقال النسائي لیس بالقوي:

---

①تاریخ ابن معین روایة الدوري، جلد۳ صفحه ۱۳۴۱ طبع مکة.

②تاریخ ابن ابي خیثمة، جلد۲ صفحه۲۰۷ القاروق الحدیثة القاهرة، الجرح والتعدیل، جلد۷ صفحه ۱۷۲ دائرة المعارف الهند.

③الثقات للعجلي، جلد ۱ صفحه ۳۹۶ طبع الباز.

④الکامل لابن عدي، جلد۷ صفحه۲۲۷ دار الکتب العلمیة بیروت.

⑤المعرفة والتاریخ لیعقوب الفسوي، جلد۳ صفحه ۲۳۴ مؤسسة الرسالة بیروت.

وقال في موضع آخر ليس به بأس"۔①

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" كامل بن العلاء أبو العلاء التميمي السعدي الكوفي عن أبي صالح السمان وعطاء وعنه وكيع وزيد بن الحباب وثقه بن حبان"۔②

کامل بن العلاء ابو العلاء کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

الغرض! یہ راوی جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں، اور آیئے آپ کو بتاؤں کہ اس مرفوع حدیث کے بارے میں امام بوصیری (متوفی ۸۴۰ ہجری) نے یوں لکھا ہے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضی اللہ عنہ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلی اللہ علیہ وسلم: "تَعَوَّذُوا بالله من رأس السبعين ومن إمارة الصبيان"۔رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ وَأَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إلا أنه قال: "تعوذوا بالله من سنة سبعين"۔③

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ طلب کرو ستر سال کے سر سے اور بچوں کی امارت سے، اس روایت کو احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اسی طرح ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ابو یعلی کے الفاظ: "تعوذو بالله من سنة سبعين" ہیں۔

نوٹ: امام ابو یعلی کی اس روایت کو مکمل سند کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے یوں

---

①تهذيب التهذيب، جلد ۸ صفحه ۴۰۹ دائرة المعارف الهند۔

②لسان الميزان، جلد ۷ صفحه ۳۴۴ مؤسسة الاعلمي بيروت۔

③اتحاف الخيرة المهرة للبوصيري، جلد ۸ صفحه ۳۹ دار الوطن، الرياض۔

نقل کیا ہے:

"وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو يَعْلَى: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، ثَنَا كَامِلُ أَبُو الْعَلَاءِ، سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ، وَمِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ"۔①

لہٰذا اس مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ''ستر'' سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اب ''ستر'' سے مراد سنہ ۷۰ ہجری لیں، یا نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے آگے ''ستر سال'' مراد لیں (دوسری بات ہی صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ہجری سنہ کا رواج نہیں تھا)، یزید کسی طرح بھی اس میں شامل نہیں ہوتا کیونکہ وہ سنہ ستر سے پہلے ہی وفات پا چکا تھا۔

اس لئے محدث اعظمی رحمہ اللہ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ''ستر سال'' والی حدیث مرفوع ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے، جبکہ ''ساٹھ سال'' والی روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر ہے، اس لیے اگر کوئی اس پر ہی بضد ہو کہ اس میں ایک خاص سنہ ہجری میں بچوں کی امارت سے پناہ مانگنے کا ہی ذکر ہے تو پھر ''ستر سال'' والی مرفوع حدیث، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موقوف اثر کے مقابلے میں راجح ہوگی، اور یہ مرفوع حدیث حسن درجہ سے کم کی نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک درحقیقت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور نبی ﷺ کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق ایک محدود دور میں ہونے والے کسی مخصوص فتنے کی طرف اشارہ سے ہے، جبکہ دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے، لیکن یہ

① البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحہ ۶۴۷ طبع هجر۔

امارت کس زمانہ میں ہوگی؟ اس کا بیان ان دونوں روایتوں میں سے کسی میں بھی نہیں، اور دونوں روایتوں میں مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو "و" ہے یہ "مغایرت" والا ہے، جیسا کہ تعوذ کی دوسری دعاؤں میں ہوتا ہے، ایک فلسطینی عالم شیخ عبدالرحمن العقبی (جن کی ولادت سنہ ۱۳۶۱ ہجری بمطابق ۱۹۴۲ عیسوی، بیت المقدس میں ہوئی) کا تقریباً صفحہ ۱۰۰ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ''مسائل سلطانیۃ'' ہے، اس میں انہوں نے بھی اس ''ستر سال'' والی روایت کے متعلق لکھا ہے:

"فإن امارة الصبيان غير رأس السبعين، وليس المعنى أن إمارة الصبيان تكون على رأس السبعين، وذلك لأن الواو للمغايرة، كقول القائل: أعوذ بالله من الاشتراكية والرأسمالية..."①

(ترجمہ) یہاں بچوں کی امارت کا دور ۷۰ کے اوائل میں ہونا نہیں بتایا گیا، اور اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ بچوں کی امارت ۷۰ کے اوائل میں ہی ہوگی، کیونکہ یہاں "واو" مغایرت کے لئے ہے، جیسے کوئی یوں کہے کہ: میں اشتراکی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے پناہ مانگتا ہوں۔

گیاوی صاحب کی ایک اور تلبیس:

گیاوی صاحب یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً یزید کے نام کی طرف اشارہ فرما دیا تھا ایک اور دُور کی کوڑی ڈھونڈھ کر لائے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''......پس سیدنا ابو ہریرہ، یزید کی حکومت کے بارے میں جانتے تھے، اس لئے وہ اس سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے کیونکہ وہ اس کے برے

①مسائل سلطانية للشيخ عبدالرحمن العقبي، مطبوع: صفحه ۳۷، المسئلة السادسة۔

حالات کو جانتے تھے صادق ومصدوق ﷺ کے واسطے سے:

"عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِئٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَشِيَ فِي سُوقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَقُولُ: اللهُمَّ لَا تُدْرِكْنِي سَنَةُ السِّتِّينَ، وَيْحَكُمْ، تَمَسَّكُوا بِصُدْغَيْ مُعَاوِيَةَ، اللهُمَّ لَا تُدْرِكْنِي إِمَارَةُ الصِّبْيَانِ ۔①

عمیر بن ہانی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں رات کا کھانا تناول فرمایا اور کہا: اے اللہ! مجھے سنہ ۶۰ ہجری نہ پائے، تم لوگوں کا ستیاناس ہو، سیدنا امیر معاویہ کے پیشانی کے دو طرف کے بال پکڑو، اے اللہ چھوکروں کی حکومت مجھ کو نہ پاوے۔

آگے امام بیہقی لکھتے ہیں:

"وَهُمَا إِنَّمَا يَقُولَانِ مِثْلَ هَذَا الشَّيْءِ سَمِعَاهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ"

''وہ دونوں کہیں گے اس قسم کی بات جو دونوں نے سنا ہے نبی کریم ﷺ سے''۔

محدث بیہقی رحمہ اللہ صاف صاف کھول کر بتا رہے ہیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بال پکڑ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً جس نام کا اشارہ فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے نام تھے، وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس ناسمجھ کو کون سمجھا سکتا ہے۔②

قارئین محترم! ہم نے گیاوی صاحب کا یہ طویل اقتباس یہ بتانے کے لیے نقل

① دلائل النبوة للبيهقي، ج٦ ص ٤١٠.
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳.

کیا ہے کہ وہ کس طرح امام بیہقی رحمہ اللہ پر صریح جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ باور کروا رہے ہیں کہ انہوں نے کھول کر بتا دیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے نام کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اعاذنا اللہ من الکذب والبھتان، اس پوری روایت کو پڑھیں اور گیاوی صاحب کے ترجمہ کے ساتھ پڑھیں، اور امام بیہقی کی بات بھی پڑھیں، کیا کہیں آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یا یزید کا کوئی ذکر ملتا ہے؟، اور پھر گیاوی صاحب نے یہ صریح دھوکہ دیا ہے جیسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ کہہ رہے ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں انھیں پکڑ کر سیدھا کردو (العیاذ باللہ)، جبکہ بات اس کے برعکس ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنپٹیوں کو لازم پکڑو جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حکمت عملی کو مضبوطی سے تھام کے رکھو، یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف ہو رہی ہے نہ کہ ان پر تعریض، اور یہاں یزید بن معاویہ کی طرف کسی قسم کا کوئی اشارہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

یہ بات ہم یونہی نہیں کہہ رہے بلکہ یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی بات ہی چل رہی ہے، امام بیہقی نے اس روایت سے پہلے جو روایت نقل کی ہے وہ یوں ہے:

"أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَفَّانَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: لَمَّا رَجَعَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ صِفِّينَ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ ، فَإِنَّهُ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ لَقَدْ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْزُو مِنْ كَوَاهِلِهَا كَالْحَنْظَلِ"۔①

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی

① دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد ٦ صفحہ ٤٦٢ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

امارت کو ناپسند مت کرو، بے شک اگر تم نے انہیں کھو دیا تو دیکھو گے کہ سر ایسے کٹ کر گر رہے ہیں جیسے حنظل اپنے درخت سے گرتا ہے۔

نوٹ: گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب نے مندرجہ بالا روایت کو ''ضعیف اور موضوع'' لکھا ہے اور اس کی وجہ ایک راوی ''الحارث الاعور'' بتائی ہے۔① جبکہ دلائل النبوۃ کی روایت میں یہ راوی نہیں ہے، دراصل لعل شاہ صاحب نے اپنے موقف کے حق میں تو خوب ضعیف اور غیر مستند روایات نقل کی ہیں لیکن جہاں اپنے موقف کے خلاف روایت آتی ہے تو وہاں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو بھی بے دھڑک ''خود ساختہ'' اور ''باطل'' لکھ دیتے ہیں، جبکہ دوسری طرف اپنے فریق مخالف پر یہ طنز بھی کرتے ہیں کہ اس نے ضعیف روایات سے استدلال کیا ہے۔

بہر حال امام بیہقی کا جو تبصرہ گیاوی صاحب نے اپنے خاص مقصد کے تحت نقل کیا ہے جس میں امام بیہقی فرما رہے ہیں کہ:

"وَهُمَا إِنَّمَا يَقُولَانِ مِثْلَ هَذَا الشَّيْءِ سَمِعَاهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ"

وہ دونوں کہیں گے اس قسم کی بات جو دونوں نے سنا ہے نبی کریم ﷺ سے۔

اس میں "هما" سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس سے پہلی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ بات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد وضاحت کے ساتھ لکھی ہے:

"وَقَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ، عَنِ الْحَاكِمِ، عَنِ الْأَصَمِّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ

① استخلاف یزید، صفحہ ۵۹۹۔

عَفَّانَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لَمَّا رَجَعَ عَلِيٌّ مِنْ صِفِّينَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ؛ فَإِنَّهُ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ لَقَدْ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْزُو مِنْ كَوَاهِلِهَا كَالْحَنْظَلِ۔ ثُمَّ رَوَى عَنِ الْحَاكِمِ وَغَيْرِهِ، عَنِ الْأَصَمِّ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ مَزِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِئٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَمْشِي فِي سُوقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَا تُدْرِكْنِي سَنَةُ السِّتِّينَ وَيْحَكُمْ تَمَسَّكُوا بِصُدْغَيْ مُعَاوِيَةَ، اللَّهُمَّ لَا تُدْرِكْنِي إِمَارَةُ الصِّبْيَانِ۔ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَعَلِيٌّ وَأَبُو هُرَيْرَةَ إِنَّمَا يَقُولَانِ هَذَا الشَّيْءَ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ "۔①

حافظ ابن کثیر نے صاف طور پر لکھا ہے کہ "هما" سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت حافظ ابن کثیر نے امام ابو العباس الأصم کے واسطے سے نقل کی ہے اور اس میں لفظ ہیں:

"كان ابو هريرة يمشي في سوق المدينة"۔ ''کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں چلتے ہوئے یہ بات فرمائی''۔

لہٰذا جب یہ بات ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت وتوصیف کے ضمن میں نقل کی جارہی ہے تو اس سے یہ باور کروانا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ گویا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی غلطی کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں یہ گیاوی صاحب جیسا ''سمجھدار'' اور ''عقل کل'' رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

اور یہ گیاوی صاحب کا امام بیہقی پر نرا بہتان ہی ہے کہ وہ

''صاف صاف کھول کر بتا رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بال پکڑ کر

① البداية والنهاية، جلد ۹ صفحه ۲۴۳ طبع دار هجر۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً جس نام کا اشارہ فرمایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نام تھے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ تھے''،

جبکہ امام بیہقی کی ایسی کوئی بات نہیں لکھی، اسے کہتے ہیں:

"توجیه القول بما لا یرضی به قائله"۔

پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل اس بات کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہو چکی تھی (خود گیاوی صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۵۹ ہجری میں نقل کی ہے) لیکن ہمیں کسی روایت میں نہیں ملتا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کی اس بیعت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض کیا ہو، یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت ہی کی ہو، بلکہ الٹا وہ ہماری زیر بحث روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی ترغیب دے رہے ہیں، لیکن گیاوی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات کا مدینہ کی گلیوں میں اعلان کرتے ہوئے تو نہیں ڈرتے تھے اور اشارے کنائے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو غلط بھی بتاتے تھے اور اس سے پناہ بھی مانگتے تھے لیکن وہ صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کرنے سے ڈرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''امام بخاری کی ادب مفرد یا کسی اور مرفوع حدیث میں امارۃ الصبیان کی جو پہچان سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتائی اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کی آسان پہچان سنہ ۶۰ ہجری وہ جانتے نہ تھے، بلکہ ان چھوکروں کا نام بتانے میں خطرہ اور ڈر تھا اور پہچان بتانے میں نہ کوئی خطرہ نہ ڈر اور پہچان سمجھنے والا اس وقت کا تعین خود بخود کرسکتا تھا کہ اب وقت آچکا ہے

جس کی پیشین گوئی کی گئی ہے......‘‘①

لیجئے! گیاوی صاحب نے اپنے مفروضے کو درست ثابت کرنے کے لئے ایک صحابی رسول ﷺ کو نعوذ باللہ بزدل ثابت کر دیا، نیز انہیں یہ علم ہی نہیں کہ اگر یہ مرفوع حدیث ہے تو پھر یہ پہچان بتانے والے خود نبی کریم ﷺ ہوں گے نہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور گیاوی صاحب جو بات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ انہوں نے ڈر یا خوف کی وجہ سے نام نہیں بتائے تو یہ گیاوی صاحب کے دماغ کی سوچ ہے، ورنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی کوئی بات منقول نہیں، اور رہی بات وقت کے تعین کی، تو یہ تعین ان صحابہ کرام نے تو نہ کیا جن کے سامنے مدینہ کی گلیوں میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بات فرمایا کرتے تھے، واقعہ حرہ میں بیعت توڑنے والوں نے تو اس حدیث کا حوالہ نہ دیا، یہ سمجھ تو چھ سات سو سال بعد والوں کو آئی کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں اشارہ دیا تھا۔

گیاوی صاحب کے ممدوح اور مرجع، سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ بہتان باندھا ہے اور لکھا ہے:

> ’’ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا قضیہ ہوا تھا، یزید کے کردار، عادات اور اطوار سے بخوبی واقف تھے انہیں یقیناً معلوم تھا کہ آنحضور ﷺ کے فرمودات یهلك الناس هذا الحي من قريش — اغليمة من قريش — ومن اخاف اهل المدينة کا اولین مصداق یزید بن معاویہ ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ لو شئت لاسميهم اگر میں چاہوں تو ان کے نام تک بتلا دوں لیکن فرماتے ہیں کہ ان کی اشاعت کروں تو میری

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۴.

شاہ رگ کاٹ ڈالی جائے **قطع هذا البلعوم**...... الخ‘‘①

ملاحظہ فرمائیں، کس دھڑلے کے ساتھ یہ دعوی کیا گیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یقیناً معلوم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا اولین مصداق یزید بن معاویہ ہے، جبکہ آگے خود یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے موت کے خوف سے یزید تو کیا کسی کا بھی نام نہیں لیا تھا۔ نیز سید لعل شاہ صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو شہ رگ کاٹے جانے والی بات نقل کی ہے وہ ایک الگ حدیث ہے جس میں نہ ساٹھ ہجری کا ذکر ہے، نہ اہل مدینہ کو ڈرانے کا اور نہ ہی قریش کے بچوں کی حکومت کا②، لیکن لعل شاہ صاحب نے اس دوسری حدیث کے الفاظ یہاں جوڑ کر اور یہ تاثر دے کر کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ

’’اگر میں یزید کا نام بتادوں تو میری شہ رگ کاٹے جانے کا خوف ہے‘‘

علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے اور گیاوی صاحب بھی اسی کتاب کو اپنا مرجع ومصدر بنائے ہوئے ہیں۔ **واللہ المستعان**۔

لہٰذا ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کہیں سے حوالہ پیش کرتے ہوئے اس کا سیاق وسباق بھی دیکھ لینا چاہیے کہ وہاں موضوع کیا چل رہا ہے اور جو روایت محدث پیش کر رہا ہے وہ اس سے کسی کی منقبت ثابت کر رہا ہے یا مذمت۔

اور آخری اصولی بات یہی ہے کہ پہلے یزید کو "صبی" اور ’’غلام‘‘ تو ثابت کیا جائے، اور اس پر دلیل دی جائے کہ جب اسے ولی عہد نامزد کیا گیا یا جب وہ مسند اقتدار پر بیٹھا تو وہ ’’نابالغ‘‘ اور ’’چھوٹا بچہ‘‘ تھا، اس کے بعد یہ بحث کی جائے گی کہ

① استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۵۔

② دیکھیں: صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۱۰۳ باب حفظ العلم۔

"امارۃ الصبیان" میں وہ داخل ہے یا نہیں، کیونکہ روایت میں "امارۃ الصبیان" (بچوں کی امارت) سے پناہ کا ذکر ہے۔

گیاوی صاحب کی تاریخ دانی کا ایک نمونہ:

اپنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

''صبیانی پارٹی کے دو ارکان (کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، درست تین ارکان ہونا چاہیے جیسا کہ آگے وضاحت ہے۔ ناقل)، (۱) خود یزید (۲) عبید اللہ بن زیاد والی عراق بعمر ۲۲ سال، عثمان بن محمد عامل مدینہ، نوعمر و ناتجربہ کار تھے، تینوں میں کوئی سیدنا معاویہ کے زمانہ میں کہیں کے والی نہ تھے، تینوں یزید کے قریبی رشتہ دار بھی تھے کم عمر بھی''۔①

یہاں گیاوی صاحب نے تین نام ذکر کیے ہیں، ایک یزید بن معاویہ کا، دوسرا عبید اللہ بن زیاد کا اور تیسرا عثمان بن محمد کا، اور پھر انہیں ''صبیانی پارٹی'' (بچہ پارٹی) کہا ہے، اور پھر یہ دعوی کیا ہے کہ ''ان تینوں میں سے کوئی بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہیں کا والی نہ تھا''، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۴ ہجری میں خراسان کا والی بنا کر بھیجا تھا، حافظ ابن کثیر سنہ ۵۴ ہجری کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَقَدِمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَأَكْرَمَهُ وَسَأَلَهُ عَنْ نُوَّابِ أَبِيهِ عَلَى الْبِلَادِ، فَأَخْبَرَهُ عَنْهُمْ، ثُمَّ وَلَّاهُ إِمْرَةَ خُرَاسَانَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ سَنَةً، فَسَارَ إِلَى مُقَاطَعَتِهِ، وَتَجَهَّزَ مِنْ فَوْرِهِ غَادِيًا إِلَيْهَا، فَقَطَعَ النَّهْرَ إِلَى جِبَالِ بُخَارَى، فَفَتَحَ رَامِيثَنَ وَنِصْفَ بَيْكَنْدَ - وَهُمَا مِنْ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸ حاشیہ۔

مُعَامَلَةِ بُخَارَى - وَلَقِيَ التُّرْكَ هُنَاكَ، فَقَاتَلَهُمْ قِتَالًا شَدِيدًا، وَهَزَمَهُمْ هَزِيمَةً فَظِيعَةً"①

(خلاصہ) اسی سال (یعنی ۵۴ ہجری میں) زیاد نے (اپنے بیٹے) عبید اللہ بن زیاد کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا اکرام کیا اور اس سے اس کے والد کے نائبوں کے بارے میں پوچھا، پھر اسے خراسان کا والی بنایا اس وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، چنانچہ وہ اپنے علاقے کی طرف چلا گیا اور فوراً تیاری کر کے (فوج لے کر) نکل کھڑا ہوا اور بخارا کے پہاڑوں تک جا پہنچا، بخارا کے کچھ علاقے فتح کیے اور وہاں اس کا آمنا سامنا ترکوں سے ہوا، پس ان کے ساتھ اس کی شدید جنگ ہوئی جس میں اس نے ترکوں کو شکست فاش دی۔

اور پھر سنہ ۵۵ ہجری میں حافظ ابن کثیر کے بقول، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی بنایا:

"فِيهَا عَزَلَ مُعَاوِيَةُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ غَيْلَانَ عَنِ الْبَصْرَةِ، وَوَلَّى عَلَيْهَا عُبَيْدَ اللهِ بْنَ زِيَادٍ"②

اور اسی سال (یعنی ۵۵ ہجری میں) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عمرو بن غیلان کو بصرہ سے ہٹا کر اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی بنایا۔

رہا یزید بن معاویہ؟ تو اسے اگرچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی علاقے کا والی نہیں

---

①البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحه ۲۷۱ طبع دار هجر / تاريخ الطبرى، جلد۵ صفحه ۲۹۵ طبع دار التراث بيروت۔

②ايضاً، جلد ۱۱ صفحه ۲۸۱ /تاريخ الطبري، جلد۵ صفحه ۲۹۹۔

بنایا تھا لیکن اسے کئی مہمات کا امیر ضرور بنایا تھا، جس میں اس لشکر کی امارت بھی شامل ہے جس نے بقول حافظ ابن حجر، حافظ ابن کثیر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ کیا تھا اور جس لشکر میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بلکہ بقول طبری اسی لشکر میں یزید کے زیر کمان، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) بھی تھے۔①

اسی طرح سنہ ۵۱ ہجری میں (اور ایک قول کے مطابق سنہ ۵۰ ہجری میں بھی) یزید کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا۔②

یاد رہے! یزید بن معاویہ کی ولادت طبری اور ابن کثیر نے سنہ ۲۵ ہجری میں بتائی ہے۔③

اس حساب سے سنہ ۶۰ ہجری میں جب یزید کی بیعت خلافت ہوئی تو اس کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ بنتی ہے اور وہ کسی طرح بھی گیاوی صاحب کی صبیانی پارٹی میں شمار نہیں ہوسکتا، یہ گیاوی صاحب کا ہی کمال ہے کہ ان کے نزدیک ۳۵ سال کا آدمی چھوٹا بچہ کہلاتا ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو یزید پر منطبق کرنے کی کوشش:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ کے حاشیہ میں مسند احمد اور البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، اور بس

---

①دیکھیں: البدایة والنهایة، جلد ۱۱ صفحه ۲۴۲ طبع دار هجر / فتح الباری، جلد ۶ صفحه ۱۰۳ طبع دار المعرفة بیروت / مجموع فتاوی ابن تیمیة، جلد ۳ صفحه ۴۱۳ طبع السعودیة / تاریخ الطبري، جلد ۵ صفحه ۲۳۲ دار التراث بیروت۔

②دیکھیں: تاریخ الطبري، جلد ۵ صفحه ۲۸۶ البدایة والنهایة، جلد ۱۱ صفحه ۲۴۳۔

③البدایة والنهایة، جلد ۱۰ صفحه ۲۲۳ تاریخ طبری، جلد ۴ صفحه ۱۶۰۔

نقل ہی کی ہے، اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو بھی یزید پر منطبق کرنا چاہتے ہیں، تو ہم وہ مکمل روایت بھی مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ، أَخْبَرَنِي بَشِيرُ بْنُ أَبِي عَمْرٍو الْخَوْلَانِيُّ، أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ قَيْسٍ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: يَكُونُ خَلْفٌ مِنْ بَعْدِ سِتِّينَ سَنَةً أَضَاعُوا الصَّلَاةَ، وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ، فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، ثُمَّ يَكُونُ خَلْفٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يَعْدُو تَرَاقِيَهُمْ، وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةٌ: مُؤْمِنٌ، وَمُنَافِقٌ، وَفَاجِرٌ" قَالَ بَشِيرٌ: فَقُلْتُ لِلْوَلِيدِ: مَا هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ، فَقَالَ: "الْمُنَافِقُ كَافِرٌ بِهِ، وَالْفَاجِرُ يَتَأَكَّلُ بِهِ، وَالْمُؤْمِنُ يُؤْمِنُ بِهِ"۔①

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ ساٹھ (۶۰) سال کے بعد ایسے نا خلف ہوں گے جو نماز ضائع کریں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے، یہ عنقریب جہنم کے گڑھے میں جائیں گے، پھر اس کے بعد ایسے نا خلف ہوں گے، جو قرآن تو پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن کو پڑھنے والے تین لوگ ہوں گے: مومن، منافق اور فاجر۔ راوی حدیث بشیر کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے شیخ) ولید سے پوچھا: یہ تین لوگ کیسے ہوں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا: منافق قرآن کا انکار کرے گا، فاجر اس کے ذریعے کھائے گا، اور مومن اس پر ایمان لائے گا۔

اس روایت کو بھی یزید پر فٹ کیا جاتا ہے، لیکن اس میں بھی دور دور تک کہیں

① مسند احمد، جلد ۱۷ صفحہ ۴۴۰ مؤسسۃ الرسالۃ۔

بھی یزید کا نام و نشان نہیں، نہ ہی اس میں کسی ایک خاص شخص کا بیان ہے، بلکہ کئی سارے لوگوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے، نیز اس حدیث میں نبی ﷺ نے ساٹھ (۶۰) سال بعد کی صورت حال بتائی ہے، اور یقیناً یہاں ساٹھ سے ہجری سال مراد نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے دور میں ہجری سال کا رواج نہیں تھا، اس لیے اس سے آپ ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ سال مراد ہوں گے جو ہجری سنہ کے اعتبار سے سنہ ۷۰ ہجری کے بعد کا دور ہوگا، اور یزید کی وفات اس دور سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اس لیے یزید کو خوامخواہ اس حدیث کا مصداق بنانا زور زبردستی کے سوا کچھ نہیں، یا اگر یہ دعوی ہے کہ ساٹھ سال کے بعد صرف ایک یزید ہی ایسا ہوا ہے جس میں یہ ساری خرابیاں پائی جاتی تھیں، اس لیے اس حدیث کا مصداق صرف وہی ہے تو یہ دعوی صراحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

گیاوی صاحب کے مرجع و ماوی سید لعل شاہ صاحب بخاری نے بھی یہ روایت پیش کر کے یہ بہتان لگایا ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے آئینہ میں یزید ہی کی تصویر دیکھ رہے تھے۔①

یہ بھی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جس کا انہوں نے اشارہ تک نہیں فرمایا، لیکن یزید دشمنی میں شاید ایسی باتیں ان حضرات کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

الغرض! محدث اعظمی رحمہ اللہ نے یہ بات سو فیصد درست لکھی تھی کہ:

''ہم کو اس بحث میں سب سے پہلے مہتمم صاحب سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ نے یزید کے باب میں جس عقیدہ کا ذکر کیا ہے، وہ عقائد کی کتابوں میں

---

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۴۸۵.

سے کس کتاب میں مذکور ہے؟ اور وہ ائمہ دین مثلاً ائمہ اربعہ، یا ابوالحسن اُشعری یا ابومنصور ماتریدی وغیرہم میں سے کس سے منقول ہے؟۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ بات جس کو جامعین عقائد یا شارحین کتب عقائد میں سے کوئی سلف کا حوالہ دیئے بغیر عقائد کی کتابوں میں اپنی رائے کے طور پر لکھ دیں اس کو عقیدے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا''۔

نیز لکھا کہ:

''شرح احادیث میں جو احتمالات محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع وجزم کے صیغہ سے بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح ان کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا، یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ حدیث کا یہ مضمون ہے، ہمارے نزدیک مَن یَقُل عليَّ مَالَم اَقُله کی وعید شدید کا مستحق بننا ہے''۔①

لیکن گیاوی صاحب کی منطق ملاحظہ فرمائیں اور داد دیں، لکھتے ہیں:

''......اصول عقائد میں یہ مسئلہ نہیں ہے، لیکن فروعِ عقائد میں داخل ہے، مولانا حبیب الرحمن صاحب کا اس کو عقائد سے خارج کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، ورنہ پھر صحابہ کرام کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا کوئی موقف نہ ہوگا، جس کا جی چاہے گا جس صحابی کو جھوٹا بنا دے گا، جیسا کہ متعدد صحابہ کرام مثل عبداللہ بن مطیع اور معقل بن سنان، ابوعمرو بن حفص، محمد بن ابی جہم، سیدنا مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کو مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ نے دانستہ یا نادانستہ جھوٹا اور غلط کار اور فتنہ باز بنا ڈالا

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۲ تا ۲۴۔

ہے''۔①

قارئین محترم! گیاوی صاحب حنفی مسلک کے مقلد ہیں اور ماشاء اللہ ان کی شہرت ایک مناظر کی بھی ہے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ احناف کے نزدیک عقیدہ کے اثبات کے لیے نص قطعی کا ہونا ضروری ہے، ان کے ہاں ''خبر واحد'' سے بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، اور یہاں گیاوی صاحب غیر مستند، غیر ثابت، منقطع الاسناد روایات اور واقدی و ابومخنف اور محمد بن زکریا الغلابی جیسے گواہوں کی بنیاد پر یزید کے فسق وفجور اور شراب نوشی کو بطور ''عقیدہ'' ثابت کر رہے ہیں، اور ایسا باور کروا رہے ہیں جیسے اس وقت موجود صحابہ وہی چار پانچ تھے جن کے نام گیاوی صاحب نے ذکر کیے ہیں، باقی کوئی صحابی دنیا میں موجود نہ تھا، ہم گیاوی صاحب کو پھر یاد دلا دیں کہ آپ پہلے ان صحابہ کرام سے جن کے نام آپ بار بار دہراتے ہیں صحیح سند کے ساتھ وہ باتیں ثابت تو کریں جو ان کی طرف آپ منسوب کرتے ہیں، جب تک آپ یہ روایات ثابت نہیں کرتے، تب تک آپ کو ان صحابہ کا نام لے کر تلبیس دینا زیب نہیں دیتا، اور پھر اصول یہی ہے جیسا کہ ہم نے بار بار بیان کیا ہے کہ کسی پر شراب نوشی کا الزام ثابت کرنے کے لیے شریعت نے جو قانون و ضابطہ مقرر کیا ہے وہ صحابی اور غیر صحابی سب کے لئے برابر ہے، ہم پہلے صحابہ کرام کی مثالیں دے کر یہ بات واضح کر چکے ہیں۔

گیاوی صاحب کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ

''یہ مسئلہ اصول عقائد میں تو نہیں، لیکن فروع عقائد میں داخل ہے''۔

میں اس پر صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ:

''ملاں آں باشد کہ چپ نشود'' (یہ تعریض گیاوی صاحب نے محدث اعظمی رحمہ اللہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۰۔

پر کی ہے، ہم نے صرف انہیں واپس لوٹائی ہے، دیکھیں ان کی کتاب کا صفحہ: ۱۰۳)

نوٹ: ہمارے پاکستان کے بزعم خود ایک مناظر اسلام صاحب نے بھی بلا تحقیق اِدھر اُدھر سے مواد جمع کر کے یزید پر ایک ۵۶ صفحہ کا رسالہ ترتیب دیا ہے، جس کی پہلی سطر میں ہی یہ جھوٹ بولا ہے کہ

''اہل سنت کے نزدیک یزید کے فسق و فجور کا نظریہ عقائد کے باب سے تعلق رکھتا ہے''۔

اور یاد رہے! یزید کی بیعت توڑنے والوں کو ''خروج و بغاوت کا مرتکب'' خود گیاوی صاحب نے متعدد مقامات پر لکھا ہے، مثال کے طور پر وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

''یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا...... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے......''۔①

لہٰذا گیاوی صاحب کا محدث اعظمی رحمہ اللہ کو یہ طعنہ دینا نہیں بنتا کہ انہوں نے فلاں فلاں کو دانستہ یا نادانستہ فتنہ باز بنا ڈالا ہے، کیونکہ انہوں نے بھی تو یزید کی بیعت توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے والوں کو جن میں گیاوی صاحب کے مطابق صحابہ شامل تھے، باغی اور مسلمانوں کی متحدہ قوت میں انتشار ڈالنے والا لکھ دیا ہے۔

---

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹.

واقعہ حرہ............اسباب و واقعات

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''شہید کربلاء و یزید'' میں بحث کا محور واقعہ کربلاء، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی ذات کو ہی رکھا ہے، انہوں نے واقعہ حرہ کی تفصیل یا اس کے اسباب و واقعات پر نہیں لکھا، اسی طرح جب مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ، ممبر مجلس شوری دار العلوم دیوبند نے قاری صاحب کی کتاب پر مختصر تبصرہ لکھا تو اس میں بھی واقعہ حرہ الگ سے زیر بحث نہیں آیا تھا، لیکن گیاوی صاحب نے اگرچہ اپنی کتاب کا نام ''شہید کربلا اور کردار یزید'' رکھا ہے۔لیکن اس میں واقعہ کربلا کے اسباب و پس منظر اور واقعات نیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کچھ نہیں لکھا، سوائے اس کے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا حکم یزید نے دیا تھا اور وہ اس پر خوش ہوا تھا (اگرچہ اس بات کی کوئی مستند دلیل پیش نہیں کی)، یا یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام لے جایا گیا تھا، بلکہ گیاوی صاحب نے تو اپنی کتاب کی ابتداء ہی واقعہ حرہ سے کی ہے اور پھر اس کی بنیاد پر یزید کا فسق و فجور ثابت کرنے پر اپنی ساری توانائی صرف کی ہے۔

لہٰذا ہم بھی مختصر طور پر واقعہ حرہ کے اسباب و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں، نیز اس بارے میں پھیلائے گئے بے سروپا افسانوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور اس واقعہ کی ابتداء کے بارے میں مؤرخ ابن اثیر کے حوالے سے خود گیاوی صاحب نے جو بات نقل کی ہے، ہم بھی اسی کو بنیاد بناتے ہیں:

''واقعہ حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گذرا یزید کی بیعت توڑنے سے

ہوئی، جب یہ سال (یعنی ۶۳ ہجری ۔ ناقل) شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا اور بنو امیہ کا حصار کرلیا اور انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا۔''①

گیاوی صاحب کی نقل کردہ ابن اثیر کی اس عبارت میں مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار موجود ہے:

۱۔ واقعہ حرہ کا سبب کچھ لوگوں کا یزید کی بیعت کر کے، بعد میں توڑنا بنا۔

۲۔ ان لوگوں نے نہ صرف بیعت توڑی، بلکہ مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مدینہ کے عامل کو بھی مدینہ سے نکال دیا۔

۳۔ ان لوگوں نے اپنی طرف سے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

۴۔ ان لوگوں نے مدینہ میں موجود بنی امیہ کا محاصرہ کرلیا تھا۔

لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء، مدینہ کے ان لوگوں کی طرف سے ہوئی جنہوں نے یہ سب کام کیے اور سب سے پہلی ذمہ داری انہی پر آتی ہے۔

اس واقعہ کا پس منظر ہمارے خیال میں دراصل ہوا یہ کہ سنہ ۳۵ ہجری میں تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہونے والا فتنہ ہزاروں لوگوں کی جان لینے کے بعد آخر کار سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کے بعد وقتی طور پر ختم ہو چکا تھا، تمام سازشی عناصر زیر زمین چلے گئے تھے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سازشیوں نے پھر سر اٹھانا شروع کیا، پہلے انہوں نے عراق سے خطوط لکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں استعمال کرنا چاہا، لیکن جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو عراق پہنچ کر اصل

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸۔

حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے صحیح روایت کے مطابق یزید کے پاس جانے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کی بات فرمائی (ایسی روایات گیاوی صاحب جیسے غیر جانبدار محققین کو شاید کسی وجہ سے نظر نہیں آتیں) لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی اور کربلا کا سانحہ ہو گیا۔

اس کے بعد حکومت وقت نے ان سازشیوں کا ناطقہ بند کر دیا اور ان کی کڑی نگرانی شروع کر دی گئی، لیکن یہ لوگ پھر شر انگیزی کے لئے موقع کی تلاش میں رہے، چنانچہ سنہ ۶۳ ہجری میں انہی لوگوں کی سازش کی وجہ سے حالات یہاں تک پہنچے کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے مدینہ منورہ کے عامل عثمان بن محمد سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور سمجھانے بجھانے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، عامل مدینہ نے ان کی شکایت خلیفہ وقت یزید سے کی، جس کے ردعمل میں ان لوگوں نے یزید کے خلاف بے سرو پا باتیں پھیلانا شروع کر دیں اور یزید پر شراب نوشی و حرام کاری جیسے اتہامات مشہور کرنے لگے، ان لوگوں نے اتنا شدید پروپگنڈہ کیا کہ مدینہ کے کچھ بھولے بھالے سادہ لوح لوگ بھی ان کے پروپگنڈہ کا شکار ہو گئے۔

آخر کار مدینہ میں ایک جماعت بن گئی اور انہوں نے کبار صحابہ کے منع کرنے کے باوجود یزید کی بیعت توڑ دی اور نہ صرف اس پر اکتفا کیا بلکہ مدینہ کے عامل عثمان بن محمد کو مدینہ سے نکال دیا اور مدینہ میں موجود بنو امیہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر انہیں بھی مدینہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اور جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے ابن اثیر کے حوالے سے نقل کیا ہے، انہوں نے عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا، یوں مدینہ میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا کر دیا گیا۔

بہر حال حکومت وقت نے ان لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز

آ جائیں ورنہ ان کے خلاف فوجی طاقت کا استعمال کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ باز نہ آئے، بالآخر مجبوراً ان کے خلاف فوجی کاروائی کی گئی تاکہ مدینہ میں خوف ودہشت کے ماحول کا خاتمہ کیا جائے اور امن وامان قائم کیا جائے۔

خلیفہ وقت، یزید کی ہدایت کے مطابق یہ کاروائی صرف ان لوگوں کے خلاف تھی جو خروج اور بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ مدینہ میں تین دن تک لوٹ کھسوٹ، زناکاری اور حرامکاری کا بازار گرم کیا جائے، یہ انہی شرپسندوں کی پھیلائی باتیں ہیں جن کی سازشوں کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا، ورنہ یزید کا ان باتوں کا حکم دینا قابل اعتماد سندوں سے ثابت نہیں، اور تین دن تک مدینہ کی اباحت والی بات اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ خروج کرنے والوں اور باغیوں کے خلاف کاروائی کے لیے صرف تین دن ہیں، تین دنوں میں یہ کاروائی مکمل کر لی جائے اور مدینہ میں امن وامان قائم کر دیا جائے، جسے گیاوی صاحب جیسے ''محققین'' نے یہ بنا دیا کہ یزید نے تین دن تک مدینہ میں لوٹ ماری مچانے، قتل عام کرنے اور مدینہ کی مستورات کی عزتیں تار تار کرنے کو حلال قرار دے دیا تھا، یہ لوگ یہ بھی نہیں سوچتے کہ باغیوں کے خلاف یہ کاروائی کرنے والی فوج بھی مسلمانوں کی تھی، اور مسلمان بھی دور صحابہ اور خیر القرون کے، وہ کافروں کی فوج نہ تھی۔

الغرض! ہمارے خیال میں واقعہ حرہ کے پیچھے دراصل انہی لوگوں کا ہاتھ تھا جو ہمیشہ سے مسلمانوں کے درمیان خون ریزی کے لیے سازشیں کرتے رہے تھے، واقعہ حرہ میں بھی ان کا مقصد مسلمانوں کو آپس میں لڑانا تھا، یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی کئی بار ایسی سازشیں کر چکے تھے اور جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ

چکا تھا، چنانچہ صحیح روایات میں آتا ہے کہ جب شام سے آنے والی فوج ان خروج کرنے والوں کے خلاف کاروائی کے لیے پہنچی تو ان کا مدینہ میں داخل ہونا مشکل معلوم ہو رہا تھا، لیکن اہل مدینہ میں سے ہی بنو حارثہ کے کچھ لوگوں نے ان کی مدینہ کے اندر داخل ہونے میں مدد کی تاکہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں (اس بات کا گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ کے بارے میں حدیثی پیش گوئی ثابت کرتے ہوئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے خود ذکر کیا ہے، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ ۱۴۰ نیز ہم پہلے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ایک شامی فوجی کا واقعہ ذکر کر آئے ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس شامی فوجی کو وہاں کے ایک مقامی آدمی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا تھا)۔

لہٰذا عین ممکن ہے کہ اہل مدینہ کے اس گروہ کے اندر سبائی پارٹی کے ارکان چھپے ہوئے ہوں جو افواہوں اور جھوٹی خبروں کا بازار گرم کر کے اور پروپیگنڈہ کی طاقت پر ہر صورت میں قتل و غارت کروانا چاہتے تھے، یہی گروہ ایسی ہی حرکت جمل و صفین کی جنگوں میں بھی کر چکا تھا، ہم اسی گروہ کو واقعہ حرہ کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

لیکن یزید کے خلاف اس خروج و بغاوت کی جو وجہ مشہور کی گئی وہ یہ تھی کہ یزید شرابی، زانی اور بدکار ہو گیا ہے، جبکہ ان میں سے کوئی بات بھی شرعی اصول اور ضابطہ شہادت کے مطابق ثابت نہیں جس پر ہم پہلے بات کر چکے ہیں، رہی یہ بات کہ چلو ان باتوں کی شرعی شہادت بھلے نہ ہو، لیکن کچھ صحابہ نے تو یہ بات کی تھی اور وہ ان الزامات کو سچ سمجھتے تھے، تو عرض ہے کہ غلط فہمی ہو جانا صحابیت کے خلاف نہیں، مثلاً واقعہ افک میں منافقین کی طرف سے کیے گئے پروپیگنڈے سے بعض صحابہ کا متاثر ہونا ثابت و مسلم ہے، پھر ان حضرات سے بھی مستند اور قابل اعتماد طریقے سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے

یزید کے خلاف کوئی عینی شہادت پیش کی ہو، بلکہ خود گیاوی صاحب کی پیش کردہ ''صحیح ترین'' روایت کے مطابق تو سیدنا عبداللہ بن مطیع نے صاف اقرار کیا تھا کہ ''ہم نے یزید کو یہ کام کرتے خود نہیں دیکھا''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی اور کی بات پر بھروسہ کیا تھا اور اسے اپنے خیال میں سچ سمجھا تھا (بشرط صحت روایت)۔

لہٰذا اس پورے فتنہ کے ذمہ دار وہ ہیں جنہوں نے یزید کے بارے میں اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا کہ کچھ بھولے بھالے حضرات بھی اس سے متأثر ہو گئے اور غلط فہمی کا شکار ہو گئے، بالکل ویسے جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سازش کے وقت تاریخ کی کتب کے مطابق کئی مسلمان بھی سازشیوں کی کذب بیانی سے متأثر ہو گئے تھے، یا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں واقعہ افک کے وقت بعض صحابہ کا منافقین کے پروپیگنڈے کی شدت سے متأثر ہونا تو سب کو مسلم ہے۔ (اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں اس لیے اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں)۔

قصہ مختصر! حکومت وقت کی یہ کاروائی تمام اہل مدینہ یا مدینہ کی بزرگ شخصیات کے خلاف نہ تھی بلکہ خروج اور بغاوت کرنے والوں کے خلاف تھی، اور خروج و بغاوت کرنے والوں کے خلاف حکومت وقت کا اقدام کوئی جرم نہیں۔

آیئے ''اطاعت امیر'' اور ''امیر کے خلاف خروج کرنے والوں'' کے بارے میں چند نبوی ارشادات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اطاعت امیر اور حاکم کے خلاف خروج کے بارے میں نبوی ارشادات اور جمہور اہل سنت کا موقف

''......عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا،

وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ"۔①

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم مانو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایک ایسا حبشی غلام ہی حاکم کیوں نہ بنا دیا جائے جس کا سر انگور کے خشک دانے کی طرح ہو۔

”عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ:إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ، وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ:عَبْدًا حَبَشِيًّا"۔②

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میرے خلیل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں حکم مانوں اور اطاعت کروں، اگرچہ وہ ایسا غلام ہو جس کے کچھ اعضاء کٹے ہوئے ہوں، (ایک روایت میں حبشی غلام کے لفظ ہیں)۔

”......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم :مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ، إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً“۔③

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے امیر میں ایسی چیز دیکھے جو اسے ناگوار گذرے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص بالشت بھر جماعت سے الگ ہوا اور اسے اسی حال میں موت آ گئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

---

①صحيح البخاري، حديث نمبر: ۷۱۴۲.

②صحيح مسلم، حديث نمبر:۱۸۳۷ باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية.

③صحيح البخاري، حديث نمبر: ۷۱۴۳.

''......عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ، فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا''①

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زبانی بحوالہ طبرانی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''إِذَا كَانَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَتَانِ فَاقْتُلُوا آخِرَهُمَا''②

(ترجمہ از گیاوی صاحب) جب زمین میں دو خلیفے ہوں تو آخری والے کو قتل کر دو۔

''......عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَرْفَجَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ: إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ'' ۔③

سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: عن قریب بہت سے فتنے ہوں گے، پس جو شخص اس امت کے معاملہ میں افتراق پیدا کرنا چاہے جب کہ امت متفق ہو چکی ہو تو اسے تلوار کے ساتھ مارو، وہ کوئی بھی ہو۔

---

①صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۳ باب اذا بویع لخلیفتین۔
② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱ ۔ ۹۲۔
③صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۲ ۔

’’......عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ‘‘۔①

سیدنا عوف بن مالک ﷺ، اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تمہارے بہترین امام (یعنی حکام) وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، جن کے لیے تم دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں، اور تمہارے برے امام (حکام) وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، جن پر تم لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ تو ارشاد ہوا: نہیں ایسا نہیں کرنا، جب تک کہ وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں، اور اگر تم اپنے حکام میں کوئی ایسی چیز دیکھو جو تمہیں ناپسند ہو تو صرف اس کے اس عمل کو ناپسند کرو، لیکن اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچو (یعنی حاکم کے خلاف خروج نہ کرو)۔

’’......عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقُلْنَا: حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللهُ، بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: دَعَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ، فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةٍ

① صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۵ اب خیار الأمة وشرارهم.

عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ" ۔①

سیدنا جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عبادہ بن صامت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا: اللہ آپ کی بیماری ٹھیک کرے، ہمیں کوئی ایسی بات سنائیں جو آپ کو نفع دے اور آپ نے وہ نبی ﷺ سے سنی ہو، تو انہوں نے فرمایا: ہمیں نبی ﷺ نے طلب فرمایا پس ہم سے جن باتوں پر بیعت لی ان میں یہ بھی تھا کہ: ہم (امیر) کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند ہو، ہمیں اس میں تنگی ہو یا آسانی ہو، اور یہ کہ ہم حکومت کے معاملے میں صاحب اقتدار (یعنی حاکم) سے جھگڑا نہیں کریں گے جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو (جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے)۔

یاد رہے، انہی احادیث کی بنیاد پر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ حاکم چاہے فسق کا مرتکب بھی ہو جائے اس کے خلاف خروج جائز نہیں، متعدد حوالے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، یہاں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک حوالہ نقل کرتے ہیں، آپ حکام کی اطاعت اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"والسّمع والطّاعة للأئمة وأمير المؤمنين، البِرّ والفاجِرِ، وَمَن وَلِي الخِلافةَ فاجتمع الناسُ عليه ورَضُوا به، وَمَن غَلَبَهُم بالسّيفِ حتى صَارَ خليفة وسُمِّي أمير المؤمنين، والغزو ماضٍ مع الأمراء الى يوم القيامة،

① صحيح مسلم، حديث نمبر: ١٧٠٩ واللفظ له / صحيح البخاري، حديث نمبر: ٧٠٥٥.

والبِرّ والفاجر لا يُترك، وقسمة الفيء واقامة الحدود الى الأئمة ماض، ليس لأحد أن يطعن عليهم ولا ينازعهم..."

(نیز فرماتے ہیں):

"ومَن خرَجَ على إمام من أئمة المسلمين، وقد كان الناس اجتمعوا عليه، وأقرّوا له بالخلافة، بأي وجه كان، بالرضا أو بالغلبة ، فقد شقّ هذا الخارجُ عصا المسلمين، وخَالفَ الآثارَ عن رسول الله، فإن مات الخارج عليه ماتَ ميتة جاهلية۔ وَلا يحِلّ قتال السلطان ولا الخروج عليه لأحدٍ من النّاس، فَمَن فَعَل ذلك، فهُو مبتدع على غير السُنّة والطريق"۔

اور آگے فرماتے ہیں:

"ولا نخرج على الأمراء بالسيف وإن جاروا"۔①

خلاصہ یہ ہے کہ: حکام اور امیر وقت کی اطاعت واجب ہے، چاہے یہ نیک ہو یا بد (فاسق وفاجر) ہو، اور اس کی بھی اطاعت واجب ہے جو خلیفہ بنا اور اس پر لوگ خوشی سے متفق ہو گئے، اور اس کی بھی اطاعت ضروری ہے جس نے تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا اور خلیفہ بن بیٹھا ہو اور اس کا نام امیر المؤمنین ہو گیا، امراء کی معیت میں جنگ (جہاد) کے لیے نکلنا قیامت تک کے لیے مشروع ہے، وہ نیک ہو یا فاجر ہو اسے ترک نہیں کیا جائے گا، اور مال فے کی تقسیم نیز حدود کا قائم کرنا بھی ائمہ (حکام) کا کام ہے، کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان پر طعن کرے یا ان سے جھگڑا کرے......

① مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزي، صفحه ۲۴۰-۲۴۲ هجر للطباعة والنشر، مصر۔

اور جس نے مسلمانوں کے حکام میں سے کسی حاکم کے خلاف خروج کیا جبکہ لوگوں کا اس پر اجماع ہو چکا تھا اور وہ اس کی خلافت کا اقرار کر چکے تھے، خوشی سے یا زور زبردستی سے، تو اس خروج کرنے والے نے (اپنے عمل سے) مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا، اور اللہ کے رسول (ﷺ) سے ثابت آثار کی مخالفت کی، پس اگر ایسے شخص کی موت اسی حالت میں ہوگئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں، پس جس نے ایسا کیا وہ بدعتی ہے، سنت کے طریقے پر نہیں ...... اور ہم حکام کے خلاف تلوار کے ساتھ خروج نہیں کرتے اگر چہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

اور معروف حافظ حدیث اور حنفی عالم امام طحاوی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۱ ہجری) کا حوالہ پہلے نقل ہو چکا کہ آپ اہل سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُورِنَا وإن جاروا ولا ندعوا عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ... الخ''①

''یعنی ہم اپنے حکام اور والیوں پر خروج جائز نہیں سمجھتے، اگر چہ وہ بے راہ رو ہوں، اور نہ ان پر بددعا کرتے ہیں، اور نہ ان کی اطاعت سے کنارہ کش ہوتے ہیں''۔

لہٰذا مدینہ کے جن لوگوں نے یزید کی بیعت کر کے توڑی، اور پھر اس کے عامل کو زبردستی مدینہ سے نکالا، اور ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید واقعی فاسق ہو گیا تھا تو بھی ان کا یہ اقدام فرامین

① العقيدة الطحاوية، صفحه ۶۸ طبع المكتب الاسلامي بيروت.

نبویہ اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

بلکہ ان کے مقابلے میں احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان صحابہ کا موقف راجح، اصح اور احادیث صحیحہ کے مطابق سمجھ آتا ہے جنہوں نے یزید کی نہ صرف خود بیعت نہیں توڑی، بلکہ بیعت توڑنے والوں کو بھی حدیثی وعیدیں سنا کر ایسا کرنے سے روکا، اسی لیے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

وَلِهَذَا كَانَ الْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّهُمْ لَا يَرَوْنَ الْخُرُوجَ عَلَى الْأَئِمَّةِ وَقِتَالَهُمْ بِالسَّيْفِ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ ظُلْمٌ كَمَا دَلَّتْ عَلَى ذَلِكَ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ الْمُسْتَفِيضَةُ عَنِ النَّبِيِّ - صلی اللہ علیہ وسلم "۔①

''اسی لیے اہل سنت کا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ ائمہ (حکام) کے خلاف خروج اور تلوار کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث صحیحہ کی کثیر تعداد دلالت کرتی ہے۔''

اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"وَكَانَ أَفَاضِلُ الْمُسْلِمِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ وَالْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ، كَمَا كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَغَيْرُهُمْ يَنْهَوْنَ عَامَ الْحَرَّةِ عَنِ الْخُرُوجِ عَلَى يَزِيدَ، وَكَمَا كَانَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَمُجَاهِدٌ وَغَيْرُهُمَا يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الْأَشْعَثِ۔ وَلِهَذَا اسْتَقَرَّ أَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى تَرْكِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ - صلی اللہ علیہ وسلم - وَصَارُوا يَذْكُرُونَ هَذَا فِي عَقَائِدِهِمْ، وَيَأْمُرُونَ

① منهاج السنة، جلد۳ صفحه ۳۹۱ طبع السعودية.

بِالصَّبْرِ عَلَى جَوْرِ الْأَئِمَّةِ وَتَرْكِ قِتَالِهِمْ..."①

اور مسلمانوں کے بڑے علماء (حاکم کے خلاف) خروج اور فتنہ میں جنگ سے روکتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) اور سعید بن مسیب اور علی بن حسین (رحمۃ اللہ علیہما) اور ان کے علاوہ دوسروں نے حرہ کے سال یزید کے خلاف خروج سے منع کیا تھا، اور جیسے حسن بصری اور مجاہد (رحمۃ اللہ علیہما) نے فتنہ ابن الاشعث میں خروج سے روکا تھا، اسی وجہ سے اہل سنت کا مسلک فتنہ میں قتال کو ترک کرنا قرار پایا کیونکہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور صحیح احادیث موجود ہیں، اور (علماء اہل سنت) اس بات کا ذکر اپنے عقائد میں کرتے ہیں اور حکام کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

گیاوی صاحب کے ممدوح، سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی اہل سنت کے شعائر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حاکم عادل ہو یا ظالم اس کی اطاعت ضروری ہے۔''②

آگے لکھا:

''حاکم فاسق کے خلاف خروج اور بغاوت جائز نہیں ہے جب تک وہ کفر بواح یعنی ظاہر کفر کا ارتکاب نہ کرے''۔③

① منہاج السنۃ، جلد ۴ صفحہ ۵۲۹۔ یہ حوالہ خود گیاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں بلا ترجمہ نقل کیا ہے، دیکھیں: صفحہ ۱۳۰ حاشیہ۔

②③ استخلاف یزید، صفحہ ۲۹ طبع اول۔

اباحت مدینہ کا افسانہ:

گیاوی صاحب نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ یزید کے حکم سے مدینہ کو تین دن کے لیے ''مباح'' قرار دیا گیا تھا، اور پھر اس پر یوں حاشیہ آرائی کی ہے کہ:

''میرے علم کے مطابق اس اباحت کا ترجمہ حلال قرار دینا اور جائز بنا دینا غلط نہیں ہے''۔

اب قارئین کرام بتائیں گے کہ زنا، غارت گری، اور قتل جیسے کام کو حلال قرار دینے سے کوئی صرف فاسق ہوتا ہے کہ نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی تاویل نہ کی جائے تو تحلیل حرام کے جرم میں آدمی شرعاً کافر بھی ہوگا، صرف فاسق نہ ہوگا، اس لیے ابن کثیر نے بہت بچانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی بتا دیا کہ باغی ہونے اور امام وقت کی اطاعت سے سرکشی کرنے کی بنیاد پر قتل کرنا تو جائز ہوسکتا ہے مگر اس کے بعد حرام کاری، زنا اور لوٹ مار کو جائز بتا کر یزید نے شریعت کی تمام حدود کو پار کر دیا تھا، ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ پر غور فرمایئے: "لكنه تجاوز الحد بإباحة المدينة ثلاثة أيام" لیکن وہ یزید مدینے کو تین دن کے لئے حلال کر کے حد سے تجاوز کر گیا۔①

ہم یہاں گیاوی صاحب کے سامنے صحیح بخاری کی ایک روایت رکھتے ہیں:

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، فَغَدَوْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَتُحِلَّ حَرَمَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَعَاذَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لاَ أُحِلُّهُ أَبَدًا"۔②

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۰.

② صحيح البخاري، حديث نمبر ۴۶۶۵.

(سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک کے دوران کی بات ہے) ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ:

کیا آپ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جنگ کریں گے اور یوں اللہ کے حرم کو حلال قرار دیں گے؟، تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی پناہ! بے شک اللہ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کے لیے لکھ دیا ہے کہ وہ (اللہ کے حرم کو) حلال کریں، اللہ کی قسم میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

اب میرا سوال ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صریح طور پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نام لے کر انہیں بھی ''اللہ کے حرم'' کو حلال قرار دینے والا فرمایا ہے (یہاں صریح طور پر حلال کرنے یا حلال قرار دینے کے لفظ ہیں، ''اباحت'' کے لفظ نہیں)، تو اب اگر کوئی بدبخت اس روایت کو لے کر یوں حاشیہ آرائی کرے کہ: ''اگر کوئی تاویل نہ کی جائے تو تحلیل حرام کے جرم میں آدمی شرعاً کافر بھی ہوگا، صرف فاسق نہ ہوگا'' اور پھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے لگے تو کیا گیاوی صاحب اس کی اس دلیل سے اتفاق کریں گے؟، ہمارے نزدیک تو جیسے ''اباحت مدینہ'' کا یہ مطلب نکالنا کہ یزید نے زنا، غارت گری اور لوٹ مار کو حلال قرار دے دیا تھا، غلط ہے، اسی طرح ''اللہ کے حرم کو حلال کرنے'' کا تعلق بھی صرف حرم کے اندر لڑائی کرنے سے ہے اور بس۔

لیکن گیاوی صاحب اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ لکھتے ہیں:

''اس جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ مدینہ میں یزید کے مخالفین صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ساتھ جو لوٹ مار مچائی گئی اور جوان عورتوں کے ساتھ

حرام کاری اور زنا کا بازار گرم ہوا، یہ سب صرف یزیدی فوج اور کمانڈر کے کرتوت ہرگز نہیں ہیں، بلکہ اس کے لیے یزید نے اپنی فوج اور کمانڈر کو اس کی اجازت ہی نہیں اس کے لیے تاکیدی حکم دے رکھا تھا، اور اس بات کی ابن کثیر رحمہ اللہ تنہا خبر نہیں دے رہے، بلکہ غیر واحد سے یہ بات ابن کثیر رحمہ اللہ تک پہنچی ہے اس لیے بحکم یزید یا بہ اجازت یزید مدینہ کے یہ صحابہ و تابعین قتل کئے گئے ہیں، بات اگر یہیں تک ہوتی تو تاویل کر سکتے تھے کہ خلیفہ وقت اور واجب الاطاعت امام کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قتل و قتال کرنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا اس جگہ ضروری ہے کہ قاتلین اور یزیدی فوج میں ایک شخص بھی صحابی نہیں اور مقابلہ میں قتل کیے جانے والے سب نہیں تو کم از کم خاصی تعداد صحابہ کرام کی ہے اور شرعی مسئلہ علم میں ہوگا ہی، اور اگر نہیں تو اب تازہ کر لینا چاہئے کہ غیر صحابی کا کسی بھی صحابہ کو قتل کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے، عالمان شریعت نے مسئلہ یہی بتایا ہے......"①

اس پر عرض ہے کہ یہ سب گیاوی صاحب کے خیالی مفروضے اور اضغاث احلام ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اصول کی بنیاد پر بات کریں، یوں ہوا میں تیر نہ چلائیں، ان پر لازم ہے کہ وہ سنہ ۷۰۱ ہجری (~~ساتویں~~ آٹھویں صدی میں) پیدا ہونے والے حافظ ابن کثیر کو جن غیر واحد لوگوں کے واسطے سے یہ بات پہنچی ہے کہ یزید نے خروج اور بغاوت کرنے والوں کے خلاف کاروائی کے لیے شریعت کے حکم کے مطابق (اس کا اقرار خود گیاوی صاحب نے کیا ہے) جو فوج بھیجی تھی اسے یہ حکم دیا تھا کہ:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۴-۵۵.

''وہ مدینہ کی جوان عورتوں کے ساتھ حرام کاری و زنا کاری کریں اور خوب لوٹ مار مچائیں''۔

گیاوی صاحب ان ''غیر واحد'' واسطوں کو سامنے لائیں تاکہ ہم دیکھیں کہ سنہ ۶۳ ہجری سے لے کر حافظ ابن کثیر کی پیدائش تک ان باتوں کی سند کیا ہے۔ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔**

پھر ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھ رہے ہیں کہ گیاوی صاحب نے یہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ پر بھی بہتان باندھا ہے، کیونکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی جو عبارت خود گیاوی صاحب نے باترجمہ اس جگہ نقل کی ہے اس میں کہیں بھی ''مدینہ میں جوان عورتوں کے ساتھ حرام کاری و زنا کاری اور لوٹ مار مچانے'' کے الفاظ نہیں، یہ اضافے گیاوی صاحب کے اندر کا وہ غصہ ہے جو نکل رہا ہے، یوں وہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اصل عبارت میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، جن کی کتاب پر محدث اعظمی رحمہ اللہ کی طرف سے کیے گئے تبصرہ پر گیاوی صاحب اتنا غصہ فرما رہے ہیں، انہوں نے محمود احمد عباسی کی ایک بات پر یوں نقد کیا تھا:

> ''ظاہر ہے اصل ماخذ میں "نحوھا" کے ہوتے ہوئے اخذ کردہ اصل دعوے میں پانچ برس کے ساتھ لفظ ''صرف'' بڑھا دینا اصل پر اضافہ ہے جو اصل عبارت کی تحریف کو مستلزم ہے۔''①

اور یہاں گیاوی صاحب نے حافظ ابن کثیر کی عبارت کے ترجمہ میں یہی حرکت کی ہے۔

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۱۲۷ ادارہ اسلامیات، لاہور۔

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے جو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ گیاوی صاحب یہ بھی بتائیں کہ مسلمان امام وقت کے خلاف خروج کرنے والوں، اس کی بیعت کر کے پھر توڑنے والوں اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا جو احادیث نبویہ ہم نقل کر آئے ہیں ان میں ''صحابی'' اور ''غیر صحابی'' کی کوئی تفریق کی گئی ہے؟ کہ اگر ایسا اقدام کرنے والا کوئی صحابی ہو تو اسے کچھ نہیں کہنا، اور اگر غیر صحابی ہو تو اس کے ساتھ قتل و قتال کرنے کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہ جو گیاوی صاحب نے مسئلہ بتایا ہے کہ ''غیر صحابی کا کسی بھی صحابی کو قتل کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے''، یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ تاکہ وہاں یہ تفصیل بھی دیکھی جائے کہ یہ گناہ کبیرہ صرف اس صورت میں ہے جب کوئی ''غیر صحابی'' ایک ''صحابی'' کو قتل کرے، اور اگر کوئی ''صحابی'' دوسرے ''صحابی'' کو قتل کرے تو کیا یہ کام گناہ اور معصیت نہیں؟، یہ سوال اس لئے اہم ہے کہ سب جانتے ہیں کہ انہی کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ

''جنگ جمل و صفین میں ہزاروں افراد قتل ہوئے جن میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے''۔ (چند حوالے آگے آ رہے ہیں)

اور یہ اشکال خود گیاوی صاحب کو بھی پیش آیا جس کی تاویل کرنے کی انہوں نے یوں کوشش کی ہے کہ جنگ جمل و صفین کے قاتلین میں کوئی ''غیر صحابی'' نہیں ہے، جو کہ صرف گیاوی صاحب کی دفع الوقتی ہے، کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنگ جمل و صفین میں دونوں طرف سے لڑنے والے تمام کے تمام ''صحابہ'' تھے اور ان میں ایک بھی ''غیر صحابی'' نہیں تھا؟ اور پھر کیا وہ یقین و جزم کے ساتھ یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ ان

جنگوں میں جو بھی صحابہ شہید ہوئے انہیں صرف دوسرے صحابہ نے ہی اپنے ہاتھ سے شہید کیا تھا؟ اور کسی غیر صحابی نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا؟، بلکہ ہمارے سامنے معروف تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا صحیح الاسناد اثر موجود ہے، امام ابوبکر الخلال (متوفی ۳۱۱ ہجری) اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ:

قُرِئَ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: ثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: هَاجَتِ الْفِتْنَةُ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَشَرَةُ آلَافٍ، فَمَا حَضَرَ فِيهَا مِائَةٌ، بَلْ لَمْ يَبْلُغُوا ثَلَاثِينَ" ①

(خلاصہ) محمد بن سیرین نے کہا: جب فتنہ اٹھا (یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد) تو اس وقت دس ہزار کے قریب صحابہ کرام موجود تھے، لیکن اس فتنہ میں (یعنی اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں میں کسی بھی فریق کے ساتھ) ان میں سے ایک سو بھی نہیں شامل ہوئے بلکہ ان کی تعداد تیس تک بھی نہیں پہنچتی۔

چلیں آپ جنگ جمل وصفین میں دونوں طرف سے شامل ہونے والے صحابہ کی تعداد ایک سو بھی فرض کرلیں، تو گیاوی صاحب بتائیں کہ باقی ہزاروں لوگ کون تھے؟ غیر صحابی تھے یا نہیں؟، اگر غیر صحابی ہی تھے، تو پھر گیاوی صاحب نے جنگ جمل وصفین کے بارے میں یہ دعویٰ کس بنیاد پر کردیا کہ:

''یہاں قاتلین میں کوئی غیر صحابی نہیں ہے''۔②

لہٰذا گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ کسی مستند اور قابل اعتماد سند سے یہ ثابت

---

① السنة لأبي بكر الخلال، جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ دار الراية، الرياض، واسناده صحيح.
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶.

کرتے کہ ''یزید نے مدینہ میں زنا کاری، ناحق غارت گری، اور لوٹ مار کا حکم دیا تھا''، واقعہ حرہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے علماء نے کیا کہا؟ اس سے ہمیں غرض نہیں، وہ ان کی رائے ہوگی، آپ کو قابل وثوق واسطے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ مدینہ میں زنا، اور لوٹ مار کی کاروائیاں ہوئی تھیں اور یزید کے حکم سے ہوئی تھیں۔ باقی باغیوں اور امام وقت کی اطاعت سے سرکشی کرنے والوں کے قتل کو تو بقول ابن کثیر گیاوی صاحب خود جائز قرار دے چکے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یزید کا حکم صرف سرکشی کرنے والوں کے خلاف کاروائی کا ہی تھا۔

پھر گیاوی صاحب کا ایک اور تضاد ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

''البتہ قاتلین حرہ میں کوئی بھی قاتل صحابی نہیں ہے (جیسے گیاوی صاحب وہاں موجود تھے اور جنگ میں شامل ایک ایک فوجی کو دیکھ رہے تھے ناقل) اس لئے پوری یزیدی فوج مع کمانڈر و یزید کے سب فاسق ہو چکے ہیں اور ان کو کوئی بھی ارتکاب فسق کے کبیرہ گناہ سے نہیں بچا سکتا''۔①

غور فرمائیں! گیاوی صاحب فرما رہے ہیں کہ واقعہ حرہ میں خروج کرنے والوں اور بغاوت کرنے والوں کو قتل کر کے یزیدی کی پوری فوج مع یزید کے فاسق ہو چکی، اور ان کو اس الزام سے کوئی نہیں بچا سکتا، اب آگے پڑھئے اسی سے متصل لکھتے ہیں:

''زیادہ سے زیادہ وہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان میں پناہ لینی پڑے گی کہ مقتول سارے کے سارے صحابہ خود باغی اور خلیفہ وقت سے بغاوت کرنے کے جرم میں مبتلا تھے، اس لیے ان کے قاتل فاسق نہ ہوئے، ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لیے کفایت کر سکتی ہے، مگر جن کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶.

حرمتیں لوٹی گئیں اور جن کے مال و اسباب لوٹے گئے ان کے بارے میں شرعاً کیا جواز ہے؟ وہ اور ان کے حمایتی اور اس عمل سے راضی رہنے والے یزید کے لئے فسق سے خلاصی کا کوئی راستہ پھر بھی نہیں نکل پاتا ہے۔''①

تو پہلے گیاوی صاحب نے لکھا کہ چونکہ یزیدی فوج کے ہاتھوں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم قتل ہوئے (بقول گیاوی صاحب) لہٰذا ان صحابہ کو قتل کر کے یزید اور اس کی ساری فوج ایسی فاسق ہو چکی کہ انہیں کوئی بھی اس فسق سے نہیں بچا سکتا، اور پھر اس کے متصل بعد انہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قلم سے ان قاتلوں کو فاسق ہونے سے خود بچا بھی لیا، اور اقرار بھی کیا کہ: ''ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لیے کفایت کر سکتی ہے''، یاد رہے یہ وہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں جن کی بات کو لے کر (بلکہ اپنے الفاظ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کھاتے میں ڈال کر) گیاوی صاحب نے یہ دعوی کیا تھا کہ مدینہ میں جوان عورتوں کے ساتھ حرام کاری اور زنا کا بازار گرم کرنے کا حکم یزید نے تاکید کے ساتھ دے رکھا تھا۔

اب گیاوی صاحب یا تو ''صحابی کو قتل کرنے والے'' کا حکم جنگ جمل و صفین والوں پر بھی لگائیں، یا اس اشکال کو دور کریں۔

گیاوی صاحب کا اقرار کہ یزید کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینا یا اس بات سے راضی ہونا ثابت نہیں

ایک اور بات یہاں گیاوی صاحب ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ یزید اور اس کی فوج کا فسق واقعہ حرہ میں قتل و غارت اور حرام کاری و زنا کاری کی وجہ سے ثابت ہوا،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ٥٦.

تو کیا گیاوی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ سے پہلے یزید کے فسق کی ان کے پاس قابل اعتماد اور پختہ کوئی دلیل نہیں؟ جی یہی بتا رہے ہیں کیونکہ وہ یہیں بقلم خود صراحت کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ:

یہ تو سنہ ٦٣ ہجری کے بعد کا حکم ہوا، اور اس سے پہلے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کی شہادت سنہ ٦١ ہجری کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے اس وقت یزید کی شراب نوشی کا اعلانیہ علم بھی نہ تھا (جبکہ ''خفیہ علم'' گیاوی صاحب کو تھا۔ ناقل) اور نہ ہی قتل کا حکم دینا یا راضی ہونا یزید سے ثابت ہے۔①

ع

میں الزام ان کو دیتا تھا، قصور اپنا نکل آیا

گیاوی صاحب کی ایک قلابازی:

گیاوی صاحب کا ایک لطیفہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں، آپ نے دیکھا کہ جہاں اپنی بات کو منوانا ہے وہاں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ

''اس بات کی ابن کثیر رحمہ اللہ تنہا خبر نہیں دے رہے بلکہ غیر واحد سے یہ بات ابن کثیر رحمہ اللہ تک پہنچی ہے''۔ (اگرچہ ان ''غیر واحد'' میں سے کسی ایک کی بھی سند گیاوی صاحب نے نہیں پیش کی)، لیکن جب انہی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ایک بات محدث اعظمی رحمہ اللہ نے پیش کی تو اس پر گیاوی صاحب کیا لکھتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں:

''جواباً عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ٥٦.

ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرما دیں۔''①

اس پر ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہء سیاہ میں تھی

جمل وصفین کی جنگوں کے مقتولین اور حرہ کے مقتولین کا عددی موازنہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ جمل وصفین دونوں جنگوں میں مقتولین کی مجموعی تعداد ستر ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے، جس میں دس ہزار جنگ جمل میں اور ساٹھ ہزار جنگ صفین میں بتائے جاتے ہیں، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَكَانَ مَجْمُوعُ مَنْ قُتِلَ يَوْمَ الْجَمَلِ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ عَشَرَةَ آلَافٍ"②

جنگ جمل کے دن دونوں جانب سے قتل کیے جانے والوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

وَقَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ يَعْقُوبَ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الْيَمَانِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ أَهْلُ الشَّامِ سِتِّينَ أَلْفًا فَقُتِلَ مِنْهُمْ عِشْرُونَ أَلْفًا، وَكَانَ أَهْلُ الْعِرَاقِ مِائَةً وَعِشْرِينَ أَلْفًا فَقُتِلَ مِنْهُمْ أَرْبَعُونَ أَلْفًا"③

صفوان بن عمرو کہتے ہیں کہ: (صفین کی جنگ میں) شامی لشکر کی کل تعداد ساٹھ ہزار تھی جس میں سے بیس ہزار قتل ہوئے، اور عراقی لشکر کی کل تعداد

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۷

② البداية والنهاية، جلد ۱۰ صفحہ ۴۶۹ دار هجر۔ ③ ایضاً صفحہ ۵۵۰۔

ایک لاکھ بیس ہزار تھی، جس میں سے چالیس ہزار قتل ہو گئے۔

اور گیاوی صاحب نے علامہ عینی (جن کی ولادت ۷۶۲ ہجری میں ہوئی) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

واقعہ حرہ میں: مہاجرین و انصار میں سے سات سو سر برآوردہ لوگ قتل کر دیے گئے۔①

جبکہ تاریخ الاسلام للذہبی کے حوالہ سے خلیفہ بن خیاط سے یہ بات نقل کی ہے کہ:

''صرف مردوں میں انصار و قریش کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین سو چھ افراد شہید کر دیئے گئے۔''②

ہمارا گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو تا قیامت چیلنج ہے کہ وہ تین سو چھ نہیں بلکہ حرہ میں شہید ہونے والوں میں سے صرف پانچ انصاری صحابہ اور پانچ مہاجر صحابہ کے نام ہی بسند معتبر ثابت کر دیں۔ آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۰ پر جو ۵۱ لوگوں کی فہرست لکھی ہے، اور دھوکہ دینے کے لیے یہ لکھا ہے کہ ''اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے'' آپ کے اس فریب پر ہم آگے بات کریں گے۔

بہرحال اگر علامہ عینی کی بیان کردہ مقتولین کی تعداد کو درست تسلیم کر لیا جائے (اگرچہ یہ مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں)، اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ سات سو صرف وہ تھے جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کیا، تو یقیناً یزید کی فوج کے کئی لوگ بھی تو قتل ہوئے ہوں گے کہ یہ دو فوجوں کے درمیان جنگ تھی، تو ہم ان کی تعداد بھی سات

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۵۔ ② ایضاً صفحہ ۱۵۰.

سو فرض کر لیتے ہیں، یوں حرہ کے مقتولین کی کل تعداد ۱۴۰۰ ہو جائے گی (دونوں طرف کے مقتولین)، تو پھر بھی اس تعداد کو ستر ہزار سے کیا نسبت جو جمل وصفین میں قتل ہوئے؟ یہ عدد جمل وصفین کے مقتولین کا صرف دو فیصد بنتا ہے، اور یاد رہے ان ستر ہزار میں خاص صحابہ کرام کی تعداد یقیناً بنسبت حرہ کے مقتولین کے بہت زیادہ رہی ہوگی، اور وہ حرہ میں خروج کرنے والوں سے کئی گنا افضل و بہتر بھی تھے۔ تو گیاوی صاحب کو جمل وصفین میں صحابہ کرام کے قتل کے مرتکب ہونے والوں کے بارے میں بھی صراحت کے ساتھ اپنا فتویٰ دینا ہوگا۔ بینوا توجروا۔

پھر یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ جمل وصفین کی جنگیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت نہ کرنے والوں سے بیعت لینے کے لیے لڑی تھیں کیونکہ وہ اسے اپنا شرعی حق سمجھتے تھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہاں ایک بہت بڑی تعداد ایسے جلیل القدر صحابہ کی بھی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے اور جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی، جنگوں میں شرکت کرنے والے تو ان کے علاوہ تھے، جبکہ جس وقت واقعہ حرہ ہوا اس وقت یزید کی سرے سے بیعت نہ کرنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کے سوا کوئی نام نہیں ملتا، اور گیاوی صاحب کی غیر ثابت شدہ روایات کو بھی لے لیا جائے تو یہ نام دو تین سے زیادہ نہیں ثابت ہوتے، نیز گیاوی صاحب خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں ان لوگوں کے خلاف اقدام کیا گیا تھا جنہوں نے بیعت کر کے بعد میں توڑ دی تھی۔

واضح رہے یہاں یہ جذباتی اعتراض نہ اٹھایا جائے کہ یزید کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے موازنہ درست نہیں، کہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور کہاں یزید؟ کیونکہ ہم صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کی بیعت نہ کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف جمل وصفین والا اقدام صحیح اور درست تھا، تو شریعت کی رُو سے

یزید کا ان لوگوں کے خلاف اقدام کیوں غلط شمار ہوگا جنہوں نے اس کی بیعت کر کے پھر توڑ دی اور نہ صرف توڑی، بلکہ اس کے مقابلے میں کسی اور کی بیعت بھی کی اور پھر اس کے خلاف خروج بھی کیا اور اس کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا؟، جبکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم ان لوگوں کو احادیث نبویہ سنا کر اس اقدام سے باز رہنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں کہ تمہارا یہ اقدام نبوی تعلیمات کے بھی خلاف ہے، لہٰذا اصولی طور پر یہ سوال بہرحال اٹھتا ہے کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ اقدامات غلط نہیں تھے تو جذبات کو ایک طرف رکھ کر بتلایا جائے کہ ایک صحیح کام جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ انجام دیں کیا دوسرے لوگ بھی وہی صحیح کام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

نیز خود گیاوی صاحب بھی مبہم انداز میں یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ان خروج کرنے والوں کے خلاف لشکر کشی کا اقدام شریعت کی رُو سے غلط نہ تھا، انہیں اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ یزیدی فوج نے حد سے تجاوز کر کے مدینہ میں لوٹ مار مچائی اور حرام کاری و زنا کا بازار گرم کیا (جس پر ہم بات کر آئے ہے) اسی لیے وہ یہ لکھتے ہیں کہ:

> ''بات اگر یہیں تک ہوتی تو تاویل کر سکتے تھے کہ خلیفہ وقت اور واجب الاطاعت امام کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قتل وقتال کرنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔''①

مدینہ میں لوٹ مار مچانے اور عزتیں لُوٹے جانے کا افسانہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں جب مدینہ منورہ میں حکومت کے خلاف خروج کرنے والوں کو شکست ہوگئی تو حکومتی فوج کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے یزید کے حکم کی بنا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۴۔۵۵.

پر اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک مدینہ میں خوب لوٹ مار کریں، قتل و غارت گری مچائیں اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا کہ (العیاذ باللہ) مدینہ کی ایک ہزار کنواری عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں اور اس کے نتیجہ میں ہزار ناجائز بچے بھی پیدا ہوئے، اور گیاوی صاحب نے تو اس پر یہ ''تڑکا'' بھی لگایا کہ:

''ظاہر ہے ان بدکاریوں کا شکار ہونے والی عورتوں میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی''۔①

اس پر عرض ہے کہ بنیادی تاریخی مصادر میں ''تاریخ طبری'' وہ پہلا مکمل تاریخی ذخیرہ ہے جس میں اس دور کے واقعات کی تفصیل مذکور ہے، اور عام طور پر سندوں کے ساتھ مذکور ہے، اور تاریخ طبری میں ہمیں واقعہ حرہ سے متعلق ایک طویل روایت ملتی ہے جس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جب یزید نے ''مسلم بن عقبہ'' کو مدینہ میں خروج کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو اسے حکم دیا کہ:

''ادع القوم ثلاثا، فإن هم أجابوك وإلا فقاتلهم، فإذا اظهرت عليهم فأبحها ثلاثا، فما فِيهَا من مال أو رقة أو سلاح أو طعام فهو للجند، فإذا مضت الثلاث فاكفف عن الناس''۔②

''لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا، پس اگر وہ تمہاری بات قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ ان کے ساتھ جنگ کرنا، اور جب تم ان پر غلبہ پالو تو پھر مدینہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دینا، اور وہاں جو کچھ مال وزر، اسلحہ اور

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۹۔
② تاریخ الطبري، جلد ۵ صفحہ ۴۸۴ دار التراث، بیروت۔

خوراک کا ذخیرہ ملے وہ فوج کے لیے ہوگا (یعنی لوٹ مار کرنا) پس جب تین دن گذر جائیں تو اس کے بعد لوگوں سے تعرض نہ کرنا۔''

لیکن اس روایت کی سند جو طبری نے ذکر کی ہے وہ یوں ہے:

''ذکر هِشَام بن مُحَمَّدٍ، عن أبي مخنف، عن عبد الملك بن نوفل بن مساحق، عن حبيب بن كرة......''①

''یعنی یہ بات ''ہشام بن محمد کلبی'' نے ''ابومخنف'' سے نقل کی ہے، اور ابو مخنف کا حال تو ہم پہلے بیان کر چکے، یہاں یہ جو ایک اور صاحب ''ہشام بن محمد کلبی'' ہیں، ان کا مختصر حال بھی یہ ہے کہ یہ ''رافضی''، ''متروک'' اور ''نا قابل اعتماد'' ہیں۔''

لہٰذا تاریخ طبری کی جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ ''یزید نے اپنی فوج کو مدینہ میں لوٹ مار مچانے کا حکم دیا تھا''۔ اس روایت کا دارو مدار "ابو مخنف" اور ''ہشام بن محمد کلبی'' پر ہے۔

نیز اس میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ یزید نے مدینہ میں حرامکاری کرنے اور وہاں کی مستورات کی عزتیں لوٹنے کا حکم بھی دیا تھا یا ایسا ہوا تھا۔

رہی بات ابن اثیر (ولادت: ۵۵۵ ہجری ۶۳۰ وفات ہجری) کی "الكامل في التاريخ" کی، تو اس کتاب کا سب سے بڑا ماخذ وہی تاریخ طبری ہے، اس بات کا ذکر خود ابن اثیر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔②، لہٰذا اگر انہوں نے اپنی

① دیکھیں: میزان الاعتدال، جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ دار المعرفة بیروت / لسان المیزان بتحقیق شیخ ابي غدة، جلد ۸ صفحہ ۳۳۸ دار البشائر الاسلامیة۔

② دیکھیں: الكامل في التاريخ لابن الاثير، جلد ۱ صفحہ ۶ طبع دار الكتاب العربي بيروت۔

کتاب میں بلا سند اس طرح کی بات لکھی ہے تو وہ طبری کی ابو مخنف والی روایات کی بنیاد پر لکھی ہے، ورنہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ واقعہ حرہ کے تقریباً ۵۰۰ سال بعد پیدا ہونے ابن الاثیر نے اس بات کی سند کیا ذکر کی ہے؟۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ ہجری) کا جو قول گیاوی صاحب نے پیش کیا ہے (صفحہ ۵۳ پر) تو اس کی بھی کوئی سند ابن کثیر نے نہیں پیش کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی اس بارے میں بنیادی ماخذ تاریخ طبری کی ہی ابو مخنف والی روایت ہی ہوگی۔

الغرض! ہم گیاوی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ آپ نے جو دعوی کیا ہے کہ ''یزید کے حکم سے مدینہ میں لوٹ مار کی گئی، بے گناہ لوگوں کا قتل عام کیا گیا اور عصمتیں لوٹی گئیں''، اس پر کوئی قابل اعتماد سند لائیں، آپ نے جو بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے "مغیرہ بن مقسم الضبي" کی روایت پیش کی تھی اس کا منقطع السند ہونا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، ایسے الزامات کے اثبات کے لیے پکی اور مستند دلیل درکار ہوا کرتی ہے۔

مسجد نبوی میں اذان واقامت بند ہونے کا افسانہ:

گیاوی صاحب نے ''سنن دارمی'' کی ایک روایت "مشکوۃ المصابیح" کے حوالے سے نقل کی ہے جو کہ مع مکمل سند یہ ہے:

أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا، وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ

قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ"۔①

(ترجمہ از گیاوی صاحب) سعید ابن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب حرہ کے دن آئے، تین دن مسجد نبوی میں نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی اور سعید بن مسیّب نے مسجد نبوی نہیں چھوڑی اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایسی دھیمی آواز سے جو قبر نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام سے سنتے تھے۔②

تو اس پر مختصر طور پر عرض ہے کہ یہ بات بیان کرنے والے "سعید بن عبدالعزیز بن ابي يحيى التنوخي" ہیں،

جن کی پیدائش ہی واقعہ حرہ کے تقریباً ۲۷ سال بعد سنہ ۹۰ ہجری میں ہوئی ہے، اوران کی وفات سنہ ۱۶۷ یا ۱۶۸ ہجری میں ہوئی۔

چنانچہ امام ذہبی ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"وُلِدَ: سَنَةَ تِسعِينَ، فِي حَيَاةِ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، وَأَنَسِ بنِ مَالِكٍ - رضی اللہ عنہما"۔③

ان کی پیدائش سنہ ۹۰ ہجری میں سیدنا سہل بن سعد اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی زندگی میں ہوئی تھی۔

لہٰذا "سعید بن عبدالعزیز" نے تو واقعہ حرہ پایا ہی نہیں، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات "سعيد بن المسيب" سے ہی سنی ہو، کیونکہ سعيد بن المسيب کا سن وفات ابونعیم اور علی بن المدینی کے حوالہ سے سنہ ۹۳ ہجری بتایا جاتا ہے،

---

①سنن دارمي، جلد ۱ صفحہ ۲۲۷ دار المغني للنشر والتوزيع، السعودية۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۲۔

③سیر اعلام النبلاء، جلد۸ صفحہ۳۲ مؤسسة الرسالة بيروت / نیز دیکھیں: تهذيب التهذيب، جلد۴ صفحہ ۵۹ طبع دائرة المعارف، الهند۔

اور اسی قول کو امام ذہبی نے ''زیادہ صحیح'' بتایا ہے۔① ، یوں سعید بن المسیب کی وفات کے وقت ''سعید بن عبدالعزیز'' کی عمر تین سال کے قریب ہی رہی ہوگی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بات انہوں نے سعید بن مسیب سے بھی نہیں سنی۔ یوں اس روات کی سند بھی منقطع ہے۔

پھر گیاوی صاحب نے ''زبیر بن بکار'' کی اپنے چچا ''مصعب بن عبداللہ الزبیری'' سے ایک روایت نقل کی ہے۔②

جس کے جواب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مصعب بن عبداللہ الزبیری کی ولادت تو واقعہ حرہ کے تقریباً ۹۳ سال بعد ہوئی تھی (جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ان کی وفات ۲۳۶ ہجری میں بعمر ۸۰ سال ہوئی)، لہٰذا یہ روایت بھی قابل قبول نہیں۔

گیاوی صاحب کا ایک زبردست مغالطہ:

گیاوی صاحب واقعہ حرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا مشہور و متواتر واقعہ ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اس کا شکار وہ صحابہ و تابعین ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑی اور اس کے خلاف خروج کیا کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یزید فاسق ہو چکا ہے شراب پیتا ہے تو جب واقعہ مشہور و متواتر ہے تو صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور یزید کا شراب پینا یہ بھی مشہور و متواتر ہی ہوا، کیونکہ اس کے بغیر صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور قتل و قتال کا واقع ہونا درست ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔''③

① سیر اعلام النبلاء، جلد ۴ صفحہ ۲۴۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔
②③ دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۳۳۔

تو اس پر گذارش ہے کہ، اس واقعہ سے کسی کو انکار نہیں (جیسا کہ گیاوی صاحب نے لکھا ہے) کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے بیعت توڑی اور بغاوت کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں حکومت وقت نے ان کے خلاف کاروائی کی، اور خروج کرنے والوں کے خلاف اس کاروائی کو گیاوی صاحب بھی ''دبے لفظوں میں ہی سہی'' لیکن شرعاً جائز ہی تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ سنہ ۶۳ ہجری میں اٹھنے والی اس بغاوت سے حکومت کی متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا۔①

لیکن ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ایک تو گیاوی صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ ان تمام صحابہ وتابعین کا یہ کہنا تھا کہ: ''یزید فاسق ہو چکا ہے اور شراب پیتا ہے''، ایسی بات ایک دو لوگوں سے ہی منقول ہے (جیسے عبداللہ بن مطیع، وہ بھی بشرط صحت سند)، لیکن ان کا یہ اقرار بھی ساتھ ہی منقول ہے کہ ''ہم نے یزید کو ایسا کرتے خود نہیں دیکھا''، یوں یزید پر لگائے گئے ان الزامات کو وہ حضرات اسلامی ضابطہ شہادت کے تحت ثابت کرنے سے قاصر رہے تھے، اور جو گواہیاں گیاوی صاحب نے بزعم خود پیش کی ہیں ان کا تفصیلی جائزہ ہم لے چکے ہیں، لہٰذا یزید کا شرابی ہونا شرعاً سرے سے ثابت ہی نہیں ہوا، تو اس پر تواتر کا کیا معنی؟، اسی بات کو محدث اعظمی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

''ہر افواہ جو پھیل جائے اس کو خبر متواتر کہنا تواتر کی سخت توہین ہے، تواتر کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں اس کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اگر خبر کا تعلق دیکھنے کی چیز سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا مستندِ انتہا مشاہدہ ہو، ورنہ وہ متواتر نہیں ہو سکتی۔ پس یزید کی بداعمالیوں کو متواتر کہنے سے پہلے

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹۔

یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان خبروں کا سلسلہ اوپر جا کر جہاں ختم ہوتا ہے، وہاں بکثرت ایسے لوگوں کے بیانات پائے جاتے ہیں یا نہیں جو یہ کہتے ہوں کہ ہم نے ان بداعمالیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے یزید کو دیکھا ہے، اگر خبروں کا سلسلہ ایسے بیانات پر منتہی ہوتا ہے تو ان کو متواتر کہنا بے شک صحیح ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی آخری کڑی محض افواہ اور سنی سنائی باتیں ثابت ہوتی ہیں، تو ان کو متواتر کہنا بالکل غلط اور صریح مغالطہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھ کر کہنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ جم غفیر، اور دعوی کر دیا جاتا ہے تواتر کا، حالانکہ اس صورت میں تواتر تو درکنار، شرعی اصول سے بداعمالیوں کا مطلقاً ثبوت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یزید پر شرعی اصول سے فاسق ہونے کا حکم کیسے لگے گا؟''①

تو گیاوی صاحب کو یہ مغالطہ دینے سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یزید کے خلاف خروج کرنے والوں اور بغاوت کا ارتکاب کرنے والوں نے اگر کوئی الزام لگایا تھا تو اس کا ثبوت کیا پیش کیا تھا؟ اس کے بعد ہم دیکھتے کہ اگر تو وہ ثبوت شرعی ضابطہ شہادت کے مطابق تھا تو ٹھیک، وہاں تو صرف صحیح روایات ہی کافی تھیں، تواتر کی بھی ضرورت نہ ہوتی، ورنہ صرف الزام لگانے کا ذکر ہونے سے یزید کا ان اعمال کا مرتکب ہونا متواتر نہیں ثابت ہوسکتا، صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس پر الزامات لگائے گئے اور بس، اگر کسی پر الزام لگنا ہی شرعاً وہ جرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جس کا الزام لگایا گیا ہے تو پھر جیسا کہ ہم پہلے متعدد بار نقل کر آئے ہیں کہ صحابی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی شہادت دی تھی جو رد کر دی گئی تھی اور خلیفہ راشد

① محدث اعظمی رحمہ اللہ کا تبصرہ: صفحہ ۵۰۔۵۱۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی تھی، تو کیا گیاوی صاحب کی منطق سے یہ لازم نہیں آتا کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو زنا کا مرتکب ضرور تسلیم کیا جائے کیونکہ دوسری صورت میں ایک صحابی سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی تکذیب لازم آئے گی؟ بینوا توجروا۔

الغرض ہمیں گیاوی صاحب جیسے عالم سے ایسے مغالطے اور سطحی استدلال کی توقع نہیں تھی۔

نیز ملاحظہ فرمائیں! یہاں گیاوی صاحب یزید کا فسق اور شراب نوشی وغیرہ واقعہ حرہ یعنی سنہ ۶۳ ہجری سے ثابت کر رہے ہیں، جبکہ پہلے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں رہے کہ یزید تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی فسق و شراب نوشی کا مرتکب تھا، اور قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ نے تو دعوی ہی یہ کیا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف نکلنا اس وقت ہوا تھا۔

''جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تھا''۔①

یعنی قاری صاحب کے نزدیک یزید کا فسق و فجور سنہ ۶۰ ہجری کے آخر میں ہی تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا، تو کیا گیاوی صاحب، مہتمم صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے؟ اگر کرتے ہیں تو پھر گیاوی صاحب کو یزید کے فسق و فجور کا ''تواتر'' واقعہ حرہ سے نہیں بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے فوراً بعد سے بتانا چاہیے تھا، اور اگر انہیں مہتمم صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں تو الگ بات ہے۔

کیا واقعہ حرہ میں اس وقت موجود تمام ''حدیبی صحابی'' شہید ہو گئے؟:

گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵۔۸۶ ادارہ اسلامیات لاہور۔

''اسی واقعہ میں تمام بچے کھچے بیعت رضوان والے صحابہ ختم ہو چکے تھے،
یہ بات تو بخاری میں ہی موجود ہے، دیکھئے:

"ثُمَّ وَقَعَتِ الفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ - يَعْنِي الحَرَّةَ - فَلَمْ تُبْقِ مِنْ أَصْحَابِ الحُدَيْبِيَةِ أَحَدًا"۔①

''پھر دوسرا فتنہ واقع ہوا، یعنی واقعہ حرہ ہوا تو اس نے حدیبیہ والے کسی صحابی کو باقی نہ چھوڑا۔''②

اس سے گیاوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں سرکاری فوج نے ان تمام صحابہ کرام کو قتل کر دیا جو حدیبیہ (بیعت رضوان) میں شریک تھے اور واقعہ حرہ کے وقت زندہ تھے۔

تو اس پر پہلی گذارش تو یہ ہے کہ عام طور پر واقعہ حرہ کے مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگ بھی اس واقعہ میں قتل ہوئے وہ سب کے سب سرکاری فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے اور وہ سب کے سب خروج کرنے والوں کے ساتھ تھے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی، اور جنگ میں دونوں طرف کے لوگ مارے جاتے ہیں، اب صرف یہ بیان کرنے سے کہ واقعہ حرہ میں کل اتنے لوگ قتل ہوئے، یہ کیسے لازم آ گیا کہ یہ سب سرکاری فوج کے مخالف اور اس کے خلاف خروج کرنے والے تھے اور انہیں سرکاری فوج نے ہی قتل کیا تھا؟ کیا خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ہاتھوں کوئی بھی قتل نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود ہے؟۔ جب کہ دوسری طرف اس بات کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مدینہ منورہ میں اس وقت ایسے

---

① صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۷۳۔
② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۱۔

بہت سے لوگ تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی اور نہ ہی اس کے خلاف خروج کیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ گیاوی صاحب نے صحیح بخاری کی روایت کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، جبکہ اس سے پہلے بھی اسی روایت میں ایک بات مذکور ہے جسے شاید گیاوی صاحب نے اس لیے نقل نہیں کیا تا کہ کوئی اس روایت میں بیان کردہ بات کا صحیح مفہوم نہ سمجھ نہ جائے، تو آیئے دیکھتے ہیں اس روایت میں کیا ہے، ان الفاظ پر غور کریں:

وَقَالَ اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ: وَقَعَتِ الفِتْنَةُ الأُولَى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ فَلَمْ تُبْقِ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ وَقَعَتِ الفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ، يَعْنِي الحَرَّةَ فَلَمْ تُبْقِ مِنْ أَصْحَابِ الحُدَيْبِيَةِ أَحَدًا... ①

''سعید بن مسیب نے بیان کیا کہ جب پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہوا تو اس نے اصحاب بدر میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، پھر جب دوسرا فتنہ یعنی حرہ کا واقعہ ہوا تو اس نے اصحاب حدیبیہ میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا......''

اب غور فرمائیں! اس روایت کے ایک ٹکڑے کو لے کر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ یزید نے واقعہ حرہ میں تمام اصحاب حدیبیہ کو شہید کر ڈالا تھا، جبکہ یہاں شہید کرنے والوں کا کوئی ذکر نہیں، اب اگر کوئی اسی طریق استدلال پر قدم جماتے ہوئے اسی روایت کے پہلے حصے کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ:

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ جب ہوا تو ان کے ساتھ اس وقت موجود تمام اصحاب بدر بھی شہید کر دیئے گئے''

①صحيح البخاري، حديث نمبر: ۴۰۲۴۔

تو کیا یہ استدلال درست ہوگا؟ ہمارے نزدیک تو یہ بات درست نہیں، لیکن جو لوگ اس روایت کے دوسرے ٹکڑے کی بنیاد پر یزید کو واقعہ حرہ میں تمام اصحاب حدیبیہ کا قاتل ثابت کر رہے ہیں ان کے لیے یہاں جواب دینا مشکل ہوگا۔

اب آیئے تحقیقی جواب کی طرف، دراصل اس روایت کا یہ مفہوم ہے ہی نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام کے تمام اصحاب بدر اور واقعہ حرہ میں تمام کے تمام اصحاب حدیبیہ شہید ہو گئے تھے، کیونکہ نا قابل تردید سے ثابت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک لمبے عرصہ تک بہت سارے بدری صحابہ زندہ تھے، اسی لیے بعض نے اس بیان کے ظاہری مفہوم کے غلط ہونے کی وجہ سے اس بیان کو ہی غلط قرار دے دیا اور بعض نے اس پہلے فتنہ سے مراد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ لیا۔①

نوٹ: جس نے ''پہلے فتنہ'' سے مراد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ لیا ہے، اس کی بات درست نہیں، کیونکہ یہی روایت تاریخ ابن ابي خيثمة میں بھی موجود ہے اور وہاں صاف طور پر پہلے فتنہ کے ساتھ "وقعة الدار" کے لفظ ہیں، اور "وقعة الدار" سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو کہا جاتا ہے، نیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کے وقت بدری صحابہ میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔②

لہٰذا اس روایت کا مفہوم یہ نہیں کہ پہلے فتنہ یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام کے تمام بدری صحابہ شہید ہو گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پہلے فتنہ کے وقت جو بدری صحابہ موجود تھے ان میں سے کئی بدری صحابہ (نہ کہ سب) اس فتنہ کے بعد

---

①دیکھیں: فتح الباری، جلد۷ صفحہ ۳۲۵ طبع دار المعرفة بیروت۔

②دیکھیں: حوالہ بالا۔

پیش آنے والے فسادات اور جنگوں میں شہید ہو گئے، یا بقول حافظ ابن حجر اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت جو بدری صحابہ موجود تھے، وہ دوسرے فتنہ یعنی واقعہ حرہ سے پہلے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور بقول حافظ ابن حجر، آخری بدری صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات واقعہ حرہ سے چند سال پہلے ہی ہوئی تھی۔①

اسی طرح اس روایت کے دوسرے حصہ کا یہ معنی نہیں لیا جا سکتا کہ واقعہ حرہ کے وقت موجود تمام حدیبی صحابہ اسی واقعہ میں قتل ہو گئے تھے، کیونکہ واقعہ حرہ کے بعد بھی کئی حدیبی صحابہ کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً:

واقعہ حرہ کے بعد بھی زندہ رہنے والے چند حدیبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

یہ اصحاب حدیبیہ میں سے ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ حدیبیہ، غزوہ خیبر، عمرۃ القضاء، فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک تھے:

"وَشَهِدَ الْحُدَيْبِيَةَ وَخَيْبَرَ، وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ، وَالْفَتْحَ، وَحُنَيْنًا، وَالطَّائِفَ، وَمَابَعْدَذَلِكَ"۔②

اور سیدنا اُنس رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور قول کے مطابق سنہ ۹۳ ہجری میں ہوئی تھی

①دیکھیں: فتح الباری، جلد۷ صفحہ ۳۲۵ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

②البدایۃ والنہایۃ، جلد۸ صفحہ ۳۰۱ طبع دار ھجر۔

(یعنی واقعہ حرہ کے تقریباً ۳۰ سال بعد)۔①

سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ:

آپ بھی حدیبی صحابی ہیں، خود ان سے صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ"۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو تھی۔②

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۷۴ یا ۷۷ یا ۷۸ ہجری میں (علی اختلاف الاقوال) ہوئی۔③

نوٹ: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا صحیح سند کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہونا بھی ثابت ہے۔④

سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ:

آپ بھی حدیبی صحابی ہیں، ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ ان سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی ہے، اور ان میں آپ نے "حدیبیہ" کا بھی ذکر کیا:

أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ قَالَ:

---

①البدایۃ والنہایۃ، جلد۸ صفحہ ۱۰۳ طبع دار ھجر۔

②صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۸۴۰۔

③الاستیعاب، جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ طبع دار الجیل بیروت/الاصابۃ، جلد ۱ صفحہ ۵۴۵ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

④الاصابۃ، جلد ۱ صفحہ ۵۴۵۔

غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ۔ فَذَكَرَ الْحُدَيْبِيَةَ وَخَيْبَرَ وَحُنَيْنًا وَيَوْمَ الْقَرَدِ قَالَ وَنَسِيتُ بَقِيَّتَهُنَّ۔ ①

سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی وفات بقول حافظ ابن حجر، صحیح قول کے مطابق سنہ ۷۴ ہجری میں ہوئی۔ ②

نیز امام بخاری نے انہی سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس میں انہوں نے اپنے حجاج بن یوسف کے پاس جانے کا واقعہ بیان کیا ہے③۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

كَانَ ذَلِكَ لَمَّا ولي الْحجَّاج امرة الْحجاز بعد قتل بن الزُّبَيْرِ فَسَارَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ وَذَلِكَ فِي سَنَةِ أَرْبَعٍ وَسَبْعِينَ"۔ ④

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بعد حجاج (بن یوسف) حجاز کا والی بنا تھا اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف گیا ہے، یہ سنہ ۷۴ ہجری کی بات ہے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

یہ غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنگ میں شرکت کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی تھی، لیکن اس کے بعد چودہ یا پندرہ غزوات میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت فرمائی، جن میں حدیبیہ کا سفر بھی تھا۔ ان کی

① الطبقات الکبری لابن سعد، جلد۴ صفحہ ۲۲۸ دار الکتب العلمیة بیروت / ایضاً الاستیعاب، جلد۲ صفحہ ۶۳۹ دار الجیل بیروت۔

② الاصابة، جلد۳ صفحہ ۱۲۷ دار الکتب العلمیة بیروت۔

③ صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۷۰۸۷۔

④ فتح الباری، جلد۱۳ صفحہ ۴۱ دار المعرفة بیروت۔

وفات تقریباً ۷۲ ہجری میں ہوئی۔①

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

یہ بھی اہل حدیبیہ میں سے ہیں، آپ نے یزید کی نہ صرف بیعت کی تھی بلکہ واقعہ حرہ کے وقت بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے روکا تھا، آپ کی وفات سنہ ۷۲ یا ۷۳ ہجری میں ہوئی۔②

سیدنا ابوسعید خدری (سعد بن مالک بن سنان) رضی اللہ عنہ:

واقعہ حرہ کے دوران ان کا ایک قصہ بیان ہوا جس میں ہے کہ یہ ایک غار میں تھے جب ایک شامی فوجی وہاں داخل ہوا اور اسے جب علم ہوا کہ یہ ابوسعید خدری ہیں تو اس نے آپ کو قتل نہیں کیا بلکہ آپ سے دعا کروائی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ حرہ کے دوران زندہ رہے تھے، ان کا نام کسی نے بھی مقتولین حرہ میں ذکر نہیں کیا۔

یہ بطور مثال چند معروف حدیبی صحابہ ہیں جو واقعہ حرہ کے بعد بھی زندہ رہے اور طبعی وفات پائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ اپنے مفہوم میں غیر واضح ہے، کیونکہ اس کا یہ مفہوم لیا ہی نہیں جا سکتا کہ عین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام بدری صحابہ شہید ہو گئے تھے اور عین واقعہ حرہ میں تمام حدیبی صحابہ شہید ہو گئے تھے، لہٰذا اس روایت کی ضرور کوئی نہ کوئی تاویل کرنی ہوگی، اس لئے اس روایت کے ایک ٹکڑے کو لے کر گیاوی صاحب کا یہ دعوی کہ:

''اسی واقعہ میں تمام بچے کھچے بیعت رضوان والے صحابہ ختم ہو چکے تھے''،

---

① الاستیعاب، جلد ۱ صفحہ ۵۶۱ دار الجیل بیروت/الاصابۃ، جلد ۱ صفحہ ۴۱۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

② ایضاً جلد ۳ صفحہ ۹۵۰ ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

درست نہیں ہوسکتا، ورنہ انہیں یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ واقعہ حرہ کے بعد حدیبی صحابہ میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا......

نیز انہیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد کوئی ایک بدری صحابی بھی زندہ نہیں رہا تھا، کیونکہ اسی روایت کے پہلے حصے میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے۔

ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ واقعہ حرہ میں سات سو مہاجرین وانصار صحابہ شہید ہوئے، بات نہیں بنے گی، ہمارا گیاوی صاحب سے مطالبہ ہے کہ وہ بسند صحیح ومتصل سات سو نہیں بلکہ صرف سات نام مہاجرین صحابہ کرام کے اور صرف سات نام انصار صحابہ کرام کے ثابت کردیں جو واقعہ حرہ میں شہید ہوئے ہوں، اور ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ یہ تمام سرکاری فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ یہ کوئی سند نہیں ہوتی کہ فلاں عالم نے اتنے نام لکھے ہیں اور فلاں نے اتنے نام گنوائے ہیں، صحابی کے قتل کا الزام کسی پر ثابت کرنے کے لیے اس واقعہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مؤرخ کی بلا سند کوئی بات حجت نہیں ہوسکتی۔

گیاوی صاحب کی پیش کردہ مقتولین واقعہ حرہ کی فہرست پر ایک نظر:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخری حصہ میں لکھا ہے:

''اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے''۔①

اور پھر گیاوی صاحب نے نمبر لگا کر مجموعی طور پر ۵۱ (اکیاون) افراد ذکر کیے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہاں بھی گیاوی صاحب نے سید لعل شاہ بخاری صاحب کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۰.

کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔①

بہر حال گیاوی صاحب خود ۱۰۰ نام بھی پورے نہیں کر سکے، اور پھر جناب کا یہ کمال ملاحظہ ہو کہ یہ باور کروا رہے ہیں کہ یہ ۵۱ لوگ "اصحاب" یعنی ''صحابہ'' ہیں، ہم نہیں سمجھتے کہ گیاوی صاحب نے یہ بات غلطی سے لکھ دی ہوگی، کیونکہ ان جیسا عالم اچھی طرح جانتا ہوگا کہ ان ناموں میں زیادہ تر نام ایسے لوگوں کے ہیں جو صحابی نہیں، مثلاً:

منذر بن زبیر:

یہ نام گیاوی صاحب نے اپنی لسٹ میں نمبر: ۵ پر ذکر کیا ہے، اور مزے کی بات خود ہی ساتھ لکھا ہے کہ:

''یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے''۔

سیدنا عبداللہ بن حنظلہ کے آٹھ بیٹے:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۳ پر ان کا ذکر کیا ہے، ان آٹھوں بیٹوں میں کوئی بھی صحابی نہیں۔

محمد بن ثابت بن قیس بن شماس:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۴ پر ان کا اور ان کے تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے، محمد بن ثابت بن قیس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے "ابن مندہ" کا قول نقل کیا ہے کہ

ولا یصح لمحمد بن ثابت صحبة"

محمد بن ثابت کے لیے صحبت ثابت نہیں۔②

---

① دیکھیں: استخلاف یزید، مصنفہ سید لعل شاہ بخاری، طبع اول صفحہ ۳۸۴ و مابعد۔

② دیکھیں: الاصابۃ، جلد ۶ صفحہ ۱۹۴۔

اور رہے ان کے تین بیٹے، تو ان میں سے تو بالاتفاق کوئی بھی صحابی نہیں۔

محمد بن عمرو بن حزم:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۵ پر ان کا اور ان کے گھر کے ۱۳ افراد کا ذکر کیا ہے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ محمد بن عمرو بن حزم کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی تھی اور اس وقت ان کے والد مدینہ سے دور نجران کے علاقے میں عامل تھے، ان کی ولادت کی خبر بھی نبی کریم ﷺ کو خط کے ذریعے دی گئی تھی،

نیز حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق انہیں نہ صحبت حاصل ہے اور نہ ہی رویت اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں یہ مدینہ لائے گئے ہوں، باقی ان کے خاندان کے ۱۳ افراد اگر شہید ہوئے تھے تو ان میں سے بھی کوئی صحابی نہیں، گیاوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب نے جہاں ان کا ذکر کیا ہے وہاں یہ تو لکھا کہ ان کے والد (یعنی عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ) کو آنحضور ﷺ نے نجران کا والی مقرر فرمایا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ برس تھی، اور ان کے بیٹے کا نام خود آنحضرت ﷺ نے ''محمد'' رکھا تھا، لیکن لعل شاہ صاحب یہ بتانا بھول گئے یا جان بوجھ کر ہضم کر گئے کہ محمد بن عمرو بن حزم کی ولادت بھی نجران میں ہوئی تھی اور یہ اطلاع خط کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو دی گئی تھی اور خط کے ذریعے ہی انہیں بیٹے کا نام ''محمد'' رکھنے کا فرمان آیا تھا۔①

نیز انہی لعل شاہ صاحب کا ایک قول بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

> ''بعض محدثین نے ان حضرات کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد حیات میں پیدا ہوئے انہیں بھی محض اس لئے صحابہ میں شمار کیا ہے کہ شاید دستور کے

---

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۹۴۔

مطابق وہ بچے بھی حضور ﷺ کے دربار میں لائے گئے ہوں، پس بہت صغیر السن بچے بالخصوص جو مدینہ کے نہ ہوں انہیں صحابہ کی فہرست میں شمار کرنا درست نہیں''۔①

سلیمان، یحییٰ، عبداللہ:

گیاوی صاحب نے نمبر:١٦ پر لکھا ہے کہ یہ تینوں حضرات بھی یوم حرہ میں شہید ہوئے، کوئی پتہ نہیں کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، گیاوی صاحب نے کہیں سے نام نقل کر دیے، یا ان سے مراد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے ہیں جن کے نام گیاوی صاحب نے دوبارہ اس فہرست کے آخر میں ذکر کیے ہے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن زید بن ثابت بن ضحاک:

گیاوی صاحب نے نمبر:١٧ پر یہ نام ذکر کیا ہے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ نمبر ١٦ اور ١٧ میں پہلے ''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ'' کے چار بیٹوں کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد نمبر ١٨ میں ایک ساتھ ان کے سات بیٹوں کا ذکر کیا ہے (جن میں یقیناً پہلے چار بھی شامل ہیں)، اور اس سے بھی زیادہ کمال کی بات یہ کہ اس فہرست میں نمبر ٤٥ تا ٥١ میں ایک بار پھر ان سات کا الگ الگ ذکر بھی کیا ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سات صلبی لڑکے:

گیاوی صاحب نے اپنی لسٹ میں نمبر:١٩ پر سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سات لڑکوں کی شہادت کا ذکر کیا ہے، گیاوی صاحب نے کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحابی ہے؟

---

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ٤٩٩۔

سیدنا عبداللہ بن مطیع کے سات لڑکے:

اسی طرح گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۰ پر سیدنا عبداللہ بن مطیع کے سات لڑکوں کی شہادت کا ذکر کی ہے، ان سات میں سے بھی کوئی صحابی نہیں، بلکہ خود عبداللہ بن مطیع کی صحبت بھی متفق علیہ نہیں، نیز سیدنا عبداللہ بن مطیع واقعہ حرہ میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ مکہ کی طرف چلے گئے تھے۔

یزید بن عبداللہ بن زمعہ:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۱ پر ان کا ذکر کیا ہے، ان کے والد تو صحابی تھے لیکن ان کا صحابی ہونا گیاوی صاحب کو ثابت کرنا ہے۔

ابوبکر بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۲ پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ''ابوبکر'' کا بھی نام لکھا ہے، یہ بھی صحابی نہیں، دوسرا اگر کہا جائے کہ انہیں شہید کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے خروج کیا تھا تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے خاندان کے کسی فرد کے بارے میں بیعت توڑنا اور حکومت کے خلاف خروج کرنا ثابت نہیں، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''وَاعْتَزَلَ النَّاسَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ "زَيْنُ الْعَابِدِينَ" وَكَذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عمر بن الخطاب لم يخلعا يزيد، ولا أحد من بيت ابن عمر''۔①

''سیدنا علی بن الحسین یعنی زین العابدین اور اسی طرح عبداللہ بن عمر بن الخطاب دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، اور نہ ہی ابن عمر کے گھر

① البداية والنهاية، ج۸ ص۲۳۸ طبع دار هجر.

والوں میں سے کسی نے توڑی تھی۔''

ابوبکر بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب:

اسی طرح گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۳ پر سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ''ابوبکر'' کا بھی ذکر کیا ہے، یہ بھی صحابی نہیں۔

نیز کتب تاریخ میں صاف لکھا ہے کہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی فرد نے بھی بیعت نہیں توڑی تھی:

"لَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِنْ آلِ أَبِي طَالِبٍ وَلَا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ۔"

''یعنی واقعہ حرہ کے دنوں میں آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی خروج نہیں کیا تھا''①۔

تو اگر یہ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے تو انہیں بیعت توڑنے والوں نے ہی قتل کیا ہوگا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی بیٹی ام محمد کا نکاح یزید بن معاویہ کے ساتھ ہوا تھا۔②

یوں سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، یزید کے سسر تھے۔

ہم نے بطور مثال اوپر چند نام ذکر کردیئے ہیں جن کو گیاوی صاحب نے "اصحاب" بنا کر پیش کیا ہے، جبکہ درحقیقت ان میں سے کوئی ایک بھی صحابیت کی تعریف پر پورا نہیں اترتا، گیاوی صاحب کی مہیا کردہ لسٹ میں اکثریت ایسے ہی ناموں کی ہے جن کا صحابی ہونا محتاج دلیل ہے، وہ الگ بات ہے کہ گیاوی صاحب نے

---

① البداية والنهاية، ج ۱۱ ص ۶۵۴.

② دیکھیں: جمهرة أنساب العرب لابن حزم، صفحه ۶۹ دار الکتب العلمیة بیروت، اور دوسری کتب.

یہ سارے نام نقل کرنے سے پہلے یہ بے بنیاد دعوی پورے طمطراق سے کردیا کہ

''یہ ان اصحاب کے نام ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے۔''

اب آیئے آپ کے سامنے گیاوی صاحب کی تحقیق کے دو تین مزید نمونے بھی رکھ دیں، جیسا کہ آپ نے پڑھا، گیاوی صاحب نے اپنی اس ۵۱ ناموں پر مشتمل فہرست سے پہلے لکھا ہے:

> ''اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے''۔ لیکن اس میں ایسے نام بھی ہیں جو یزید کے تخت نشین ہونے سے پہلے ہی طبعی وفات پا چکے تھے، یا ان کی وفات یزید کی وفات کے بعد ہوئی، مثلاً:

سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما:

ان کی وفات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی، اور جب یزید خلیفہ بنا تو یہ زندہ نہیں تھے، لیکن گیاوی صاحب نے اپنی فہرست میں ان اصحاب کا نام دوسرے نمبر پر لکھا ہے، اور یہ باور کروایا ہے کہ جیسے انہیں یزید نے شہید کیا تھا۔

سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

ان کا نام گیاوی صاحب نے نمبر: ۳ پر لکھا ہے، اور آگے خود یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا انتقال سنہ ۵۱ ہجری میں ہوا، اور سب جانتے ہیں کہ یزید سنہ ۶۰ ہجری میں مسند اقتدار پر بیٹھا، تو جب سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ، اس سے نو سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے تو گیاوی صاحب کا ان کو بھی یزید کی مخالفت میں ''شہید'' ہونے والوں میں شمار کرنا کمال کی تحقیق ہے، جبکہ ان کی وفات طبعی ہوئی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما:

ان کی شہادت، یزید کی وفات کے بعد عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوئی تھی، نہ جانے گیاوی صاحب نے ان کا نام اس فہرست میں کیوں لکھ دیا؟

گیاوی صاحب سے ہمارا مطالبہ

لہٰذا ہمارا گیاوی صاحب سے یہ مطالبہ ہے کہ انہوں نے جو ۵۱ ناموں پر مشتمل یہ فہرست پیش کی ہے اور یہ باور کروایا ہے کہ یہ سب کے سب صحابی تھے اور یہ سب یزید کی مخالفت میں شہید کیے گئے، تو وہ صحیح اور قابل اعتماد اسناد کے ساتھ یہ ثابت کریں کہ:

نمبر ۱: یہ تمام ۵۱ لوگ ''صحابی'' تھے۔

نمبر ۲: یہ تمام ''شہید'' کیے گئے، اور ان میں سے کسی نے بھی طبعی وفات نہیں پائی۔

نمبر ۳: جب یزید مسند خلافت پر بیٹھا تو یہ سب ۵۱ زندہ تھے۔

نمبر ۴: یہ سب وہ تھے جنہیں یزید کی فوج نے شہید کیا (کیونکہ حرہ کے دن دو فریقوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، لہٰذا اس میں شہید ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام کی شہادت صرف ایک ہی فریق کے ہاتھوں ہوئی تھی، جبکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ مدینہ میں ایسے کئی بزرگ موجود تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی اور اس کے خلاف خروج نہیں کیا تھا)۔

نمبر ۵: ان اکیاون ناموں میں سے گیاوی صاحب صرف سات انصاری صحابہ اور

سات ہی مہاجرین صحابہ کے نام الگ کر دیں، اور صحیح سند کے ساتھ ان کا حرہ میں سرکاری فوج کے ہاتھوں شہید ہونا ثابت کر دیں۔

نمبر ۶: گیاوی صاحب نے علامہ عینی (جن کی ولادت ۷۶۲ ہجری میں ہوئی) کے حوالے سے نقل کیا تھا کہ واقعہ حرہ میں مہاجرین و انصار میں سے سات سو سر برآوردہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔① تو یہاں آپ نے صرف ۵۱ نام نقل کیے، باقی ۶۴۹ نام کہاں ملیں گے؟

یاد رہے! مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمہ اللہ نے صرف ایک صحابی سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر لکھا تھا کہ:

''مہتمم صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یزید باتفاق صحابہ، فاسق ہوتا تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس فاسق و فاجر کے ساتھ ساتھ ہرگز لگے نہ رہتے، ہماری عقیدت اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتی کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی، ایک شرابی، زانی اور بے نمازی امیر کی مجلسوں میں برابر شریک ہوں گے، اس کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دیں گے اور اس کی طرف سے حمص کے امیر بن کر اس کی حکومت کو قوت پہنچائیں گے۔''②

تو اس کے جواب میں گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''جواباً عرض ہے کہ نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کا یزید کی مجلسوں میں برابر شریک ہونا ثابت نہیں ہے، اور فاسق امیر کی اطاعت یا اس کی حکومت کا حصہ بننا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۱.
② محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۷۴۔۷۵.

گناہ نہیں ہے، بہت سے بہت جو ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے یزید کے دور حکومت میں، حکومت کی بعض ذمہ داریاں قبول کیں، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے یزید کے تمام موقف کو صحیح سمجھا ہو تاریخ میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر نے کبھی کسی کی بے جا حمایت نہیں کی ......''①

تو گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ بھی تو اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ واقعہ حرہ کے سات سو نہیں بلکہ اپنی فہرست کے مطابق صرف ۱۵ مقتولین کے بارے میں یہ ثابت کر دیں کہ یہ تمام لوگ "اصحاب" تھے، اور یہ تمام سرکاری فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے اور یہ سب کے سب یزید کو فاسق اور شرابی سمجھنے والے تھے، یا آپ کا دینے اور لینے کا پیمانہ الگ الگ ہے؟ جہاں ایک صحابی کا یزید کی حکومت میں اہم عہدوں پر رہنا اور اس کے لیے خدمات انجام دینا پیش کیا جائے تو آپ کہتے ہیں کہ ایک فاسق امیر کی اطاعت کوئی گناہ تو نہیں، نہ ہی اس کی حکومت میں بعض ذمہ داریاں قبول کرنا ہی غلط ہے، لیکن آپ خود یہ چاہتے ہیں کہ رجب ۶۰ ہجری سے لے کر یزید کی وفات (ربیع الاول، ۶۴ ہجری) تک وفات پانے والے، چاہے طبعی موت سے وفات پائی ہو یا قتل ہوئے ہوں، ان سب کو یزید کے کھاتے میں ڈالا جائے، بلکہ یزید کے مسند اقتدار پر بیٹھنے سے پہلے وفات پانے والے (سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما) اور یزید کی وفات کے بعد شہید ہونے والے (سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) کا قتل بھی یزید کے کھاتے میں ڈال دیا جائے، اور آپ سے کوئی دلیل بھی نہ مانگی جائے؟، اسی طرح آپ کے اس دعوے کو مان لیا جائے کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۵۱.

واقعہ حرہ میں سات سو مہاجرین و انصار صحابہ کو قتل کیا گیا، اور آپ سے ہم صرف سات نام انصاری صحابہ کے اور سات ہی نام مہاجرین صحابہ کے صحیح اور مستند طریقے سے ثابت کرنے کا مطالبہ بھی نہ کریں؟

گیاوی صاحب کی کتاب کی آخری سطر:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں "وآخر دعوانا ......'' سے پہلے آخری سطر یہ لکھی ہے:

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ غیر نبی کی ہر خاموشی کسی بات کی تائید نہیں کرتی ہے۔ ①

اگر گیاوی صاحب اس بات پر ہی غور فرمائیں تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا، اور وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم جنہوں نے یزید کی خلافت کی بیعت کی اور اسے امیر تسلیم کیا، وہ تمام صحابہ کرام و تابعین جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی، بلکہ بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے روکا، اور وہ تمام صحابہ جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا، ان میں سے کسی ایک سے بھی بسند صحیح یزید کو فاسق، فاجر، شرابی، زانی کہنا ثابت نہیں، تو ان سب کا یہ سکوت وہ کس کھاتے میں ڈالتے ہیں؟، یہاں یہ موشگافیاں کیوں نکالی جاتی ہیں کہ یزید کے فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ہونے کی وہ بھی تائید کرتے تھے، البتہ صرف فتنہ اور خون ریزی کے ڈر سے انہوں نے یہ سب قبول کیا اور اس کی بیعت نہ توڑی؟؟

---

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۵۲.

ہماری آخری گزارش

ہم نے اپنی طرف سے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اپنی ان معروضات کو مختصر رکھیں، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی بات کچھ طویل ہوگئی، ہماری ان گذارشات کا مقصد اورلب لباب صرف یہ ہے کہ تاریخی روایات وواقعات کی بنیاد پر تحقیق کر کے آدمی جو چاہے موقف اختیار کر لے، لیکن تاریخی واقعات کی بنیاد پر قائم اختلافی مواقف میں اپنی تحقیق کو ایسا قطعی ویقینی اور خوامخواہ ایسا اتفاقی واجماعی بنانے لگ جانا کہ دوسری جانب کے نفس جواز کی بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑنا، اصول وقواعد کی رُو سے نہایت ہی نامناسب ہے، یزید کی بیعت وخلافت کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا، اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ عظام کا آپس میں اختلاف تھا جو کہ خالصتاً اجتہادی نوعیت کا تھا، گیاوی صاحب کا میلان اگر یزید کو فاسق، فاجر، شرابی، زانی وغیرہ وغیرہ بنانے کی طرف ہی تھا تو آپ بڑی خوشی سے یہ موقف رکھتے، لیکن اس میں اتنا غلوّ آپ کی شان کے لائق نہ تھا جس سے دوسری جانب کے صحابہ کرام وتابعین عظام کی عزت وحرمت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہی، اور پھر آپ نے ایسی موضوع روایات بھی اپنے موقف کے حق میں پیش کر دیں جن سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات تھی کہ یزید شراب پیتا ہے اور آپ نے بجائے اسے سزا دینے کے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ شراب نوشی وغیرہ جیسی حرکات رات کے اندھیرے میں کیا کرے جب دشمن کی آنکھ سو جاتی ہے (العیاذ باللہ)۔①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۳-۲۴.

نیز ایک مقام پر آپ کو یہ لکھنا پڑا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے حصول کے لیے زور اور زر کا استعمال بھی کیا تھا۔①

آپ نے یزید کے بیٹے کی طرف منسوب ایک بلا سند اور غیر ثابت روایت کی بنیاد پر یہ لکھ دیا کہ اس نے اپنے دادا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ: یہاں تک کہ ان کو موت آ گئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے۔②

آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا کہ:

انہوں نے آخر دم تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ خلیفہ برحق تسلیم کیا اور نہ طاقت کو متحد ہونے دیا③۔

حتی کہ آپ نے یہ تک لکھ دیا کہ

''واقعہ حرہ میں (بقول آپ کے) مدینہ کی جن ایک ہزار مستورات کی عزت تار تار کی گئی ان میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی''۔④ **(نعوذ باللہ من هذا المقال)**

دوسرے لفظوں میں آپ نے یہ ثابت کرنے پر اتنا زور لگایا کہ امت اسلامیہ کے سب سے بہتر زمانے والے لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف نصف صدی بعد ہی اسی نبی کے شہر میں رہنے والی ہزار عورتوں کی عزتیں لوٹیں، اپنے نبی کی مسجد میں اذان بند کر دی، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خوب لوٹ مار مچائی لیکن یہ سب ہونے کے باوجود سوائے چند لوگوں کے باقی ساری امت اسلامیہ پھر

①②③④ گیاوی صاحب کی کتاب صفحات: ۱۲۱، ۶۴، ۱۲۸، ۴۹۔

بھی ایسے ظالموں، فاسقوں، شرابیوں، زانیوں کے خلاف نہ کھڑی ہوئی، بلکہ امت کے بڑے بزرگ ایسے فاسقوں اور شرابیوں کی بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے رہے۔

آپ نے "واقدی"، "ابو مخنف" اور "محمد بن زكريا الغلابي" جیسے راویوں کی وکالت کر کے بھی ہم جیسے طالب علموں کو مایوس کیا ہے، نیز منقطع السند روایات کو ''صحیح'' بتا کر اصول حدیث کے طلبہ کو بھی حیرت زدہ کیا ہے۔

اس لیے آپ کی پیش کردہ روایات اور دلائل و براہین کی حیثیت واضح کر کے بتانا یہ مقصود تھا کہ قیل وقال ان پر بھی ہوسکتا ہے، وہ بھی قطعی اور سو فیصد قابل اعتماد نہیں، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ محدث جلیل ومحقق کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نوّر اللہ مرقدہ کے تبصرہ میں اٹھائے گئے نکات اور سوالات بے بنیاد نہیں تھے، بلکہ قابل غور ہیں، ان پر فکر ونظر کرنے کی ضرورت ہے اور اصولی طور ان کے موقف کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں، لہٰذا ہم محدث اعظمی رحمہ اللہ کے ''خلاصۂ مباحث'' سے سو فیصد متفق ہیں کہ:

''یزید کافر ومرتد نہیں تھا، بلکہ اس کے فسق کا بھی کوئی لائق اعتماد ثبوت نہیں ہے، علماء اسلام نے اس کے مسلمان ہونے کی تصریح کی ہے، اور کسی مسلمان کو بلا ثبوت و دلیل فاسق کہنا جائز نہیں ہے، کوئی شہرت جو عینی شاہدوں کی شہادت پر مبنی نہ ہو لائق اعتماد وحجت نہیں ہے۔''

اور

''عقیدہ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور

کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے"۔ ①

ہم اپنی بات کا اختتام حافظ تقي الدين عبد الغني بن عبد الواحد بن علي المقدسي رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۰ ہجری) کے ایک فتوے پر کرتے ہیں، جو حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۵ ہجری) نے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"وسئل عَن يَزِيد بن مُعَاوِيَة؟ فأجاب: خلافته صحيحة۔ قَالَ: وَقَالَ بَعْض الْعُلَمَاء: بايعه ستون من أَصْحَاب رَسُول الله ﷺ، مِنهُم ابْن عُمَر۔ وَأَمَّا محبته: فمن أحبه فلا ينكر عَلَيْهِ، ومن لَمْ يحبه فلا يلزمه ذَلِك، لأنه لَيْسَ من الصحابة الذين صحبوا رَسُول الله ﷺ، فيلتزم محبتهم إكراما لصحبهم وليس ثَمّ أمر يمتاز بِهِ عَن غيره من خلفاء التابعين، كعبد الْمَلِك وبنيه۔ وإنما يمنع من التعرض للوقوع فِيهِ، خوفا من التسلق إِلَى أَبِيهِ، وسد باب الْفِتْنَة"۔ ②

ان سے (یعنی حافظ عبدالغنی المقدسی سے۔ ناقل) یزید کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: اس کی خلافت صحیح ہے، نیز یہ فرمایا کہ: بعض علماء کا کہنا ہے کہ یزید کی بیعت، رسول اللہ ﷺ کے ساٹھ صحابہ کرام نے کی تھی، ان میں سے ایک سیدنا ابن عمر بھی تھے، جہاں تک اس سے محبت رکھنے کا تعلق ہے؟ تو جو اس سے محبت کرے اس پر نکیر نہیں کی جائے گی، اور جو اس سے محبت نہ رکھے، اس پر اس کی محبت رکھنا ضروری

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ نمبر: ۱۰۹ طبع مئو، انڈیا۔
② ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب، جلد ۳ صفحه ۵۵ مكتبة العبيكان

بھی نہیں، کیونکہ یزید، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے نہ تھا جن کی محبت ان کے صحابی ہونے کی وجہ سے لازمی ہے، اور یزید میں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں تھی جس کی بنا پر اسے دوسرے تابعی خلفاء جیسے عبدالملک (بن مروان) اور اس کے بیٹوں سے ممتاز سمجھا جائے، تاہم اس سے تعرض کرنے (یعنی اسے برا بھلا کہنے سے نقل) ایک تو اس لیے منع کیا جاتا ہے کہ اس میں اس کے والد (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کی ذات تک پہنچنے کا ڈر ہے اور دوسرا فتنہ کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے۔

نوٹ: یہ حافظ عبدالغنی المقدسی الحنبلی رحمہ اللہ وہی ہیں جن کی کتاب "الكمال في أسماء الرجال" کی تہذیب، حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ نے "تهذيب الكمال" کے نام سے کی ہے، ان کا تعارف علامہ ذہبی نے یوں کروایا ہے:

"الإِمَامُ، العَالِمُ، الحَافِظُ الكَبِيْرُ، الصَّادِقُ، القُدْوَةُ، العَابِدُ، الأَثَرِيُّ، المُتَّبِعُ، عَالِمُ الحُفَّاظِ"۔①

اللهم أرِنا الحقّ حقاً وارزقنا اتباعه، وَأرنا الباطل باطلاً وأرزقنا اجتنابه۔

① سیر اعلام النبلاء، جلد ۲۱ صفحہ ۴۴۳ مؤسسة الرسالة۔